ماہنامہ
کرن
جنوری 2020
سال نو نمبر

حمد — سحر ناز — 9

نعت — پروفیسر حسن مسعود — 9

بیادِ ابنِ انشاء

چاند نگر کے انشاجی، — آسیہ مقصود — 10

انٹرویو

جیون کا اک اور سنہرا، — شاہین رشید — 13

منیب بٹ سے ملاقات، — شاہین رشید — 21

میری بھی سنیے، — زرین افضل — 25

مقابل ہے آئینہ، — فائزہ بھٹی — 28

ناول

میرے ہم نفس میرے ہم نوا، — آسیہ مرزا — 30

ہوائیں رخ بدل گئیں — نگہت عبداللہ — 104

مکمل ناول

کچھ لمحے ہم پر قرض، — سدرہ حیات — 84

بادلوں کے سائے میں، — عنیزہ ولی — 184

ناولٹ

یہ سال کیسا رہے گا، — صفدر ریحان گیلانی — 60

سموسے کا سالن، — گل ارباب — 134

افسانے

چالباز نیلم، — سیما بنت عاصم — 54

اسیرِ محبت، — فرحین جعفری — 79

آمد، — ماہ رخ ارباب — 124

اسٹینڈرڈ، — قرۃ العین خرم ہاشمی — 155

خالی ہاتھ، — حمیرا شفیع — 180

کیونکہ میں، — مزمل سلیم — 217

شکر، — عذرا فردوس — 223

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار، کراچی

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

آسیہ مرزا

حیات علی کی تین بیٹیاں تھیں۔ یہ ایک متوسط گھرانہ تھا۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ راحیلہ بیگم کے لاڈ پیار کا
۔ اولاد کی تربیت میں کہیں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ نیلوفر تو تھی ہی ماں کی طرح صابر و شاکر اور ارسلہ نے اس کا لقب
دیا تھا۔ اریبہ چھوٹی فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی۔ بس پڑھائی اور موبائل گیمز سے دلچسپی تھی مگر اماں کا درد سر تو ارسلہ
نیلوفر کی منگنی جہاں ہوئی تھی وہ لوگ بہت لالچی تھے اور آئے دن کوئی نہ کوئی مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ ارسلہ کا
بیٹا سکندر پسند کرتا ہے لیکن غربت کی وجہ سے ارسلہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔
مہوش جیلانی اور اکبر جیلانی کے دو بچے ہیں، رومی اور آبص۔ آبص ایک حادثہ کی وجہ سے اپنی زندگی سے

تیسری قسط

''زندگی کو گزارو۔ زندگی تمہیں گزار دے ایسا نہ ہو۔ انسان کے اپنے ہاتھ میں کسی حد تک ہے کہ وہ اپنی مشکلوں کو اپنے دکھوں کو بھول کر ایک بہتر زندگی گزارے۔''

رات مہوش ڈنر کے بعد اس کے بالوں کو دھیرے دھیرے سہلاتے ہوئے بالآخر اپنے مقصد پر آنے لگیں وہ صوفے پر تر چھا لیٹا ہوا تھا، اس کا سر مہوش کی گود میں تھا۔ آنکھیں موندے وہ بالکل خالی ذہن تھا۔

''قسمت پر نہ سہی مگر اپنی سوچوں پر تو انسان کو اختیار ہونا چاہیے۔''

''پتا نہیں مگر لگتا ہے کبھی کبھی بے بسی کی انتہا ہو جاتی ہے۔ سوچیں بھی قید کر لیتی ہیں۔ اس طرح جکڑ لیتی ہیں کہ ان سے چاہتے ہوئے بھی نہیں نکل سکتا آدمی۔ ایسا لگتا ہے اندھیری سرنگ ہے جس میں چلتا جا رہا ہوں مگر نہ ختم ہو رہی ہے نہ کہیں سے روشنی دکھائی دے رہی ہے۔''

وہ اضمحلال سے ایک سانس کھینچ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اندھیرے کی طرف ہی دیکھتے رہو گے تو روشنی ہو گی بھی تو تمہیں دکھائی نہ دے گی آبص۔'' یوں بھی میں تمہارے لیے اب آسمان ساحل لائی ہوں۔ عمل کرو گے۔ مانو گے میری بات۔'' مہوش نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت سے تھپتھپاتے ہوئے بولیں۔ ''شادی کر لو۔''

اس نے چونک کر مہوش کی طرف دیکھا۔ پھر یکدم ہنس دیا۔

''ایک ماں ہونے کے ناطے آپ یہی مشورہ دے سکتی ہیں۔'' وہ اٹھنے لگا۔

''میں مشورہ دینے نہیں آئی ہوں۔ مہوش نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے جیسے اٹھنے سے روک دیا۔ وہ چہرہ موڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''تمہیں اطلاع دینے آئی ہوں کہ میں نے تمہارے لیے ایک بہت ہی پیاری لڑکی تلاش کر لی ہے۔''

''اوہ!'' وہ بے اختیار ابرو کو جنبش دے کر رہ گیا۔

''وہ بہت پیاری ہے۔''

''اچھا۔'' ایک ہلکی سی سانس کھینچ کر اس نے اپنے اندر اٹھتے سلگتے احساس کو دبایا۔ ''کس مل اونر کی بیٹی ہے۔ سوری بلکہ کسی بیوروکریٹ کی صاحبزادی ہو گی۔'' اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی استہزائیہ تھا۔ ایک چبھن تھی۔ مگر مہوش بڑے تحمل سے یہ تلخی پی گئیں اور نرمی سے مسکرائیں۔

''تم جو بھی کہو۔ ناراض ہو یا غصہ کرو میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اب میں تمہارے غصے یا ناراضی کا برا بھی نہیں مناؤں گی۔ جو دکھ میری وجہ سے تمہیں ملے ہیں، میرے رویوں کی وجہ سے، ان سارے زخموں کا ازالہ بھی میں ہی کروں گی۔

''کیسے..... کیسے ازالہ یعنی کسی بھی مل اونر کی صاحبزادی کا ہاتھ مجھے پکڑا دیں۔ ازالہ ہو جائے گا۔''

''نہیں۔ وہ کسی مل اونر کی صاحبزادی ہے نہ کسی بیوروکریٹ کی نخریلی بیٹی۔ بلکہ وہ ایک بالکل عام سے گھرانے کی ایک متوسط طبقے کی لڑکی ہے۔''

مہوش نے جیسے اس کی سماعت پر چابک ہی مارا تھا۔ وہ سناٹے میں رہ گیا۔ دوسرے پل ایک گہری سنجیدگی اس کے چہرے پر اترنے لگی۔ آنکھوں کے پار کہیں ٹوٹی آوازوں کا دھواں اٹھتا دکھائی دینے لگا۔ دل سے کوئی احتجاجی بند ٹوٹ کر بہہ جانے کو گویا تیار تھا۔

''آپ کی ڈکشنری میں متوسط طبقہ کا گزر کہاں سے آ گیا۔ مام۔ آئی کانٹ بلیو۔ ایک مڈل کلاس لڑکی آپ کی بہو بنے۔ آپ کی اپنی چوائس..... اتنی بڑی تبدیلی۔ امیزنگ۔''

اس کا دل چاہا وہ ساتھ ساتھ زور زور سے تالی پیٹے، اپنی ماں کو داد پیش کرے۔ وہ اگر اس کی ماں نہ ہوتیں۔

قابل احترام رشتہ نہ ہوتا تو وہ یہ بھی کر گزرتا۔ بڑی مشکل سے غصے کے ابال کو دبا رہا تھا۔ اس آگ کو دبا رہا تھا جو ایک بار پھر بھڑک اٹھی تھی۔

مہوش تڑپ کر اس کے نزدیک آئیں۔

''تم یہ لہجہ اپنانے میں حق بجانب ہو آبص۔ ہر طنز، ہر وار کرنے کا حق رکھتے ہو۔ مگر میری بھی سن لو ایک بار۔'' انہوں نے دل گرفتگی سے اس کا بازو تھامنا چاہا مگر وہ اسٹک پر دباؤ ڈال کر جھٹکے سے صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

''میں طنز نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ حیرت کا اظہار کر رہا ہوں کہ وہ ایگو، وہ سوسائٹی کا خوف، وہ غرور۔ کہاں گیا مام آپ کا..... ایک مڈل کلاس لڑکی آپ کی..... جیلانی خاندان کی بہو کیسے بن سکتی ہے؟''

''بھول جاؤ وہ سب پرانی باتیں آبص۔'' مہوش تڑپ گئیں۔

''نہیں بھول سکتا آپ کہاں بھولنے دے رہی ہیں۔'' وہ جیسے کانچ کی طرح چٹخا۔ ''مام۔ آپ..... آپ کیوں انتشار لاتی ہیں میری زندگی میں۔ پلیز آپ صبح چلی جائیے گا یہاں سے۔ پلیز مام۔ پلیز۔'' وہ دل سے اٹھنے والی درد کی لہروں کو برداشت کرتے ہوئے اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ مہوش اس کے پیچھے لپکیں۔

''بات سنو آبص!'' مگر وہ اپنی خواب گاہ کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ مہوش نے انتہائی دل گرفتگی سے نصیر کاکا کی طرف دیکھا۔ انہیں ہرگز توقع نہیں تھی کہ اتنا متحمل مزاج، آبص یوں بھڑک اٹھے گا۔

''کچھ دیر انہیں اکیلا چھوڑ دیں۔ غصہ اتر جائے گا تو صبح خود آپ کے پاس آئیں گے۔ میں جانتا ہوں انہیں۔'' نصیر کاکا اپنی آنکھوں کو کندھے پر رکھے رومال سے پونچھتے ہوئے مہوش کو تسلی دینے لگے۔ وہ زیادہ دیر خفا نہیں رہتے کسی سے۔ بس اپنے آپ سے رہتے ہیں۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ بہت عزت کرتے ہیں آپ کی۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ وہ بدتہذیب نہیں ہیں بس غصہ آ گیا ہے انہیں۔ ''اتر جائے گا تو مان بھی جائیں گے۔''

مہوش افسردہ سی صوفے پر بیٹھ گئیں۔ نصیر کاکا ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ وہ بس اپنے آپ سے خفا رہتا ہے اس سارے عرصے میں اس نے کبھی مہوش سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔ اس کا دل ٹوٹا اس کا اعتبار ٹوٹا۔ مگر وہ بس خود سے ناراض ہو گیا تھا اور اب تک تھا۔

''میں بہت امید لے کر آئی ہوں نصیر کاکا۔ اسے منا لوں گی۔ مگر ایسا لگتا ہے وہ ایک سال گزر جانے کے بعد بھی اسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے..... مگر میں بھی ہار نہیں مانوں گی۔''

''وہ مان جائیں گے ضرور.....'' نصیر کاکا کا لہجہ دلاسا دیتا ہوا تھا۔ ''مگر ابھی وہ بہت بکھرے ہوئے ہیں، مری آ کر تو کچھ زیادہ بکھر گئے ہیں۔ وقت تو لگے گا زخم بھر بھی جائے تو کھرنڈ ایک عرصہ تک رہتی ہے۔'' انہوں نے خواب گاہ کے بند دروازے پر نگاہ ڈالی اور چائے کے خالی برتن ٹرے میں سمیٹنے لگے۔

''آخر کب تک وہ تنہا رہے گا۔ جب تک اس کی تنہائی بانٹنے والی نہیں آئے گی۔ وہ اس تکلیف سے نہیں نکلے گا۔'' ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی۔ وہ بے مقصد کھڑکی سے باہر جھانکنے لگیں۔ پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے نصیر کاکا کو چائے کا کہا اور لابی سے نکل گئیں۔

نصیر کاکا سر ہلا کر لالی کا پھیلاوا سمیٹنے لگے اور سوچ رہے تھے۔

کم بخت محبت تنہا ہی کب ہونے دیتی ہے اور ہاری ہوئی محبت تو ہمہ وقت جان سے چمٹی رہتی ہے۔ کسی کے ہونے نہ ہونے سے آدمی بے نیاز ہو جاتا..... یہی عشق یہی جنون جو ذرا سا مثبت رخ موڑ لے تو آدمی عشق مجازی سے عشق حقیقی کا سفر طے کر کے ولی بن جاتا ہے۔ پھر کوئی دکھ ''دکھ'' نہیں رہتا۔ کوئی غم ''غم'' نہیں رہتا..... پھر آگ بھی گلستاں بن جاتی ہے..... اور یہ عشق مجازی کم بخت گلستاں کو بھی خاکستر کر دیتا ہے۔ اللہ بچائے۔

وہ غم زدہ بوجھل قدموں سے لابی سے نکل کر باورچی خانے کی طرف چلے گئے۔

☆☆☆

اداسی
تم اسے کہنا
ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
اور صدا ویران پھرتی ہے
تیرا بچھڑا ہوا
اجڑے ہوئے شہروں میں اکثر بھاگتا پھرتا ہے
اکثر جاگتا پھرتا ہے
سویا یا نہیں ہے
اور اداسی تم اسے کہنا
تم ہی دکھ میں نہیں ہو
ہم بھی اپنی راکھ
ہاتھوں میں لیے سسکیاں لیتی ہوئی
تنہائیوں کے بال کھولے بین کرتے ہیں
اداسی تم اسے کہنا
تمہی دکھ میں نہیں تنہا
یہاں پر بھی ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
خلاء جو ذات کی ہر چار دیواری کے اندر ہے
کبھی بھی بھر نہ پائے گا
یہاں بھی ہر صدا ویرانی پھرتی ہے

وہ تھکن اتارنے کی غرض سے ابھی کپڑوں سمیت بستر پر دراز ہوگئی تھی۔ دن بھر اسکول کی نوکری..... شام کو کچن پھر گھر آتی تو اتنا تھک چکی ہوتی کہ اس کا خیال ہوتا کہ اس کے پاس آج تو کوئی سوچ نہیں بھٹکے گی۔ مگر ہر بار محض خام خیالی ہی رہی۔ جب بستر پر گرتی، سوچیں چاروں طرف سے آکٹوپس کی طرح جکڑ لیتیں۔

آج کل تو امی اس کے پیچھے لگی ہوئی تھیں ایک ہی ٹاپک تھا۔

''حمزہ کو جدہ واپس جانا ہے وہ اس بار بھی اس امید پر رکا ہوا ہے کہ شادی کی تاریخ دے دیں ہم اسے۔ ناہید آپا تو بہت اصرار کر رہی ہیں۔ اب فیصلہ کر دو جلدی۔''

وہ اس موضوع بلکہ اس قصے سے ہی بھاگ رہی تھی مگر ایسی کوئی کھوہ نہیں مل رہی تھی اسے جہاں جا کر وہ چھپ جاتی۔ کسی کو بھی دکھائی نہ دیتی۔ لوگ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک کر بھول جاتے مگر ایسا ممکن کہاں تھا۔

''سوچو ہم کب تک تمہیں بٹھا سکتے ہیں۔ ایک نہ ایک دن تو رخصت کرنا ہی ہے نا۔'' امی اس کے لیے دستر چن رہی تھیں ساتھ ساتھ اس کو دلیلوں سے قائل کرنے کی کوشش بھی جاری تھی۔ ''ہمیشہ کی طرح میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں مگر اب تمہارے پاس حمزہ سے شادی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے حمزہ ایک اچھا لڑکا ہے۔''

لبوں پر مجروح مسکراہٹ ابھر آئی۔

''میرے جذبات تو آبس کی ماں نے اسی دن نوچ لیے تھے اب اس دل میں سوائے پچھتاووں اور ندامتوں کے کچھ نہیں رہا۔''

وہ بہن کے پاس جا کر منہ دھونے لگی پھر چہرہ موڑ کر امی کی طرف دیکھا۔

''آپ جانتی ہیں کہ اب میرے لیے یہ بات اہمیت نہیں رکھتی کہ شادی کس سے ہو۔ حمزہ آپ خیال میں اچھا انتخاب ہے تو ضرور ہوگا اور میں آپ کی رضا پر راضی بھی ہوں۔ منگنی کرنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ شادی بھی اسی سے کروں گی۔''

''ہاں میں جانتی ہوں یہ بات۔''

''تو بس میں نے کبھی آپ کی نافرمانی کی، جواب کروں گی۔'' وہ اضمحلال سے ہلکی سانس کھینچ کر پانی چہرے پر ڈالنے لگی۔

''نہیں۔'' امی نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ تم نے میری نافرمانی کی بلکہ مجھے تو تم پر فخر ہے تم نے ہمیشہ والدین کی عزت کا پاس رکھا ہے۔'' تولیا اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے امی کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح اس کے لیے ستائش ہی تھی۔

''تو پھر اب ڈر کیوں رہی ہیں۔ مت ہوں پریشان میں اب بھی نافرمانی نہیں کروں گی۔ بس ذرا سا وقت ہی تو مانگ رہی ہوں۔'' وہ تولیا ان کے ہاتھ سے لے کر چہرہ پونچھنے لگی اور بیسن کے لگے آئینے میں اپنا چہرہ تکتے ہوئے ایک سانس کھینچی۔ بس کسی سے کچھ حساب نکلتے ہیں۔ پھر شادی بھی کرلوں گی۔''

اس کا لہجہ دھیما سلگتا ہوا سا تھا جیسے تپتے کوئلوں پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا پڑا ہو۔ بجھتا ہوا کوئلہ چھن سے ذرا سا بھڑک کر رہ گیا ہو۔

امی کمرے سے جا چکی تھیں۔ اس کے لیے دستر خوان رکھا تھا وہ کمرے سے نکلی اور اپنے دراز سیدھے چمکتے بالوں کو لپیٹ کر جوڑا سا بنا کر دستر پر بیٹھ گئی۔ بے حد مطمئن انداز میں..... اور امی سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔

☆☆☆

''سچ کہوں تو مجھے توبیا کی یہ سہیلی رومی اور اس کی اماں مہوش بڑی اچھی لگی ہیں۔ کہاں ہوتے ہیں اتنے امیر لوگ اتنے ملنسار۔''

اماں تخت پر تھکن اتارنے کی غرض سے آ کر لیٹی تھیں ساتھ ساتھ تبصرے بھی جاری تھے۔ آج ہی مہوش نے اماں سے فون پر بات کی تھی اور ارسلہ کی تعریفوں کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کی بھی خوب تعریف کی تھی اور ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اماں تو نہال ہو گئی تھیں۔

ارسلہ لپک کر ان کے پاس تخت پر آ کر بیٹھ گئی۔

''ہے نا اماں۔ مجھے بھی بڑے اچھے لگے یہ لوگ۔ واقعی کہاں ہوتے ہیں اتنی امیر کبیر..... ایسے اپر کلاس..... اتنی محبت کرنے والے ہم جیسوں سے۔''

نیلوفر نزدیک ہی فرش پر اپنی قمیص پھیلائے کٹنگ کر رہی تھی۔ ابرو اچکا کر اماں اور پھر ارسلہ کو دیکھا۔

''اریبہ سے زیادہ تو وہ تمہاری سہیلی بن گئی ہے۔'' اماں ہنس کر بولیں اور محبت بھری نظریں ارسلہ کے چہرے پر جما دیں۔

پری جیسی بیٹی تھی ارسلہ ان کی۔ جو ہو بہو ان کی محترمہ ساس سے مشابہ تھی۔ ویسی ہی چمکتی دمکتی رنگت، اس پر چمکتی

ہیروں کی طرح جگمگاتے دکھائی دیتے۔ نیلوفر اور اریبہ بھی شکل وصورت کے لحاظ سے اچھی تھیں مگر ارسلہ کا حسن الگ ہی تھا۔ اماں نے یکدم اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔ مبادا ان کی ہی نظر نہ لگ جائے۔

''بڑے لوگ ایسے ہی تعلق نہیں بڑھاتے کسی مطلب کے بغیر۔'' نیلوفر قمیص سمیٹ کر فرش سے اٹھتے ہوئے بولی اور نظر بھر کر ارسلہ کو دیکھا۔

''لو بھلا ہم سے کیا مطلب ان کو..... ان کے پاس کس چیز کی کمی ہے۔''

''ہیرے کی۔'' نیلوفر اماں کی بات سن کر دھیرے سے بولی۔ اماں نے سنا نہیں البتہ ارسلہ نے ذرا سا چونک کر دیکھا تھا۔

''یہ نیلو بھی سچ مچ وہمی ہوتی جارہی ہے اماں۔'' وہ اٹھ کر کاپیاں اٹھا کر کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔

''اس میں وہمی کی کیا بات ہے۔'' نیلوفر نے اسے گھورا۔

''ہر کسی کو تنقیدی عینک سے ہی دیکھتی رہو تم۔'' وہ جواباً بولی۔

''اچھا بس اب شروع نہ ہو جانا تم نیلو کو پکڑ کر بیٹھ جاؤ گی۔'' اماں اسے الجھتے دیکھ کر جلدی سے ٹوک گئیں۔ ''جا کر ذرا چولہا بند کر آؤ۔ تمہارے ابا بھی ابھی بس آتے ہی ہوں گے۔ ذرا کھانے کی تیاری کرو..... تم بھی تھوڑا ہاتھ پیر ہلا لیا کرو زبان ہی ہر وقت چلتی ہے تمہاری بس۔'' اماں اسے ٹوکتے ہوئے تخت سے پیر لٹکا کر سلیپر ڈالنے لگیں تب ابا گھر میں داخل ہوئے۔

''بڑی عمر ہے آپ کی ابھی آپ کا ہی ذکر کر رہی تھی۔'' اماں انہیں دیکھ کر مسکرائیں اور جلدی سے تخت سے کھڑی ہو گئیں۔

ابا سر ہلا کر کمرے کی طرف بڑھ گئے، اماں کے ہمراہ نیلوفر بھی ذرا سا چونکی۔ ابا عام دنوں سے زیادہ تھکے تھکے اور سوچوں میں گم دکھائی دے رہے تھے ورنہ تو گھر میں داخل ہوتے ہی سب کے سلام کا جواب دے کر کوئی ایک آدھ جملہ اماں پر ضرور کستے۔

''نیلو تم کھانا لگاؤ..... میں ذرا ان کے کپڑے نکال کر آؤں۔'' اماں ان کے پیچھے دوڑ گئیں۔

''ابا کچھ پریشان لگ رہے ہیں مجھے۔'' نیلو پھیلاوا سمیٹ کر باورچی خانے میں چلی گئی جہاں ارسلہ چٹنی فریج سے نکال کر پیالی میں سجا رہی تھی۔ پودینے کی چٹنی ابا کے ساتھ اسے بھی بہت مرغوب تھی۔

''دکان سے ابا جب بھی آتے ہیں اتنے تھکے ہوئے ہی ہوتے ہیں پچاسوں گاہکوں کو جواب دے دے کر یہی حال ہوتا ہے۔ پریشان کیوں ہوں گے۔'' پھر ہلکی مسکراہٹ سے نیلوفر کو دیکھا۔ اب وہمی کہوں گی تو تمہیں برا لگ جائے گا۔

نیلوفر نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ ہانڈی کا چولہا جلانے لگی۔

اس بار نیلوفر وہمی ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کا اندازہ سچ تھا ابا واقعی پریشان تھے۔ نیلوفر کے سسرال والوں نے اچانک شادی کی بات کر دی تھی۔ وہ آتے مہینے شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے جبکہ منگنی کے ساتھ ایک سال کی بات کی گئی تھی۔ ابھی سات ماہ کا عرصہ تھا نیلوفر کی شادی میں۔ اب اتنے جلدی..... اتنے قلیل عرصہ میں.....!

''اتنے جلدی سب کیسے ہوگا۔ ہم کیسے تیاریاں کر سکتے ہیں آپ انہیں منع کر دیتے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔'' اماں بھی پریشان ہو گئیں۔

''کیا تھا..... انکار بھی کیا..... چند مہینے کی مہلت بھی مانگی مگر نیلو کا ماموں سسر کہہ رہا تھا ان کی بیٹی کے سسرال والے بھی رخصتی مانگ رہے ہیں آپا نے سوچا دونوں بھائی بہن کی شادی اکٹھے ہو جائے تو بیٹی کی شادی اور بیٹے کا ولیمہ ہو جائے گا۔'' ابا نڈھال سے مسہری پر بیٹھ گئے اور پیروں سے موزے کھینچ کر اتارنے لگے۔ ''اگر دیکھا جائے تو وہ بھی کچھ غلط نہیں ہیں ہر کوئی اپنی سہولت دیکھتا ہے۔''

''مگر ہماری سہولت تو نہ دیکھی انہوں نے..... ہمارے پاس دفن خزانہ ہے کوئی کہ نکال کر کھٹ سے جہیز تیار ہو جائے گا۔ جانتے تو ہیں وہ ہمیں کہ سفید پوش ہیں۔ جوڑ جوڑ کر پیسہ اکٹھا کر رہے ہیں اب یوں یکدم سے۔'' اماں جلال میں آ گئیں۔

''غصہ نہ کرو نیک بخت..... اب شادی تو کرنا ہی ہے رشتہ ختم تو کرنے سے رہے۔ بے کار کی بحث کا کیا فائدہ اللہ مالک ہے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔''

''سمجھ میں نہیں آتی مجھے تو آپ کی..... لو دیکھو ذرا انہوں نے کہہ دیا آپ نے سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ اپنی سہولت دیکھیں اور ہم نہ دیکھیں۔ اوپر سے ایسے لالچی لوگ جہیز کی ہمیں لسٹ تھما دی ہے وہ کہاں سے پورا ہو گا سب۔'' اماں نیلوفر کے سسرال والوں پر آیا غصہ تہ کیے کپڑوں پر نکالنے لگیں۔ کپڑے غصے سے اٹھا کر یونہی الماری میں گھسیڑ کر پٹ زور سے بند کر دیے۔

ابا مسہری پر آ کر لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر لیں۔

''کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے بلی نہیں بھاگ جائے گی۔'' اماں جھنجلا کر مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ پھر ابا کے چہرے پر نگاہیں ڈالتے ہوئے بے بسی سے لب بھینچ کر نرم پڑتے ہوئے بولیں۔

''چلیں چھوڑیں آپ کھانا کھا لیں پھر کچھ دیر آرام کر لیں۔'' اماں محبت سے ان کے پیر دبانے لگیں۔

''بھوک نہیں ہے کچھ دیر آرام کروں گا۔ پھر کھاتا ہوں۔ کمر درد سے پھٹ رہی ہے۔ سر الگ بھاری ہو رہا ہے۔'' ابا یہ کہہ کر کروٹ بدل گئے۔ اماں بجھے دل کے ساتھ مسہری سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆

گوری کر کے ہار سنگار
ہو جا چلنے کو تیار
سجن تجھے لینے آئے
او بلم تجھے لینے آئے

ارسلہ مشین کے ڈھکنے پر زور زور سے ہاتھ مار کر انتہائی بھونڈے انداز میں گا رہی تھی۔ اریبہ بھی تالیاں پیٹ پیٹ کر اس کا خوب ساتھ دے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ ہنس بھی رہی تھیں نیلوفر کو دیکھ دیکھ کر جو نہایت برے تیوروں سے دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

او میرا بابو چھیل چھبیلا میں تو ناچوں گی
او میرا بلما رنگ رنگیلا میں تو ناچوں گی
کجرا لگا کے، گجرا سجا کے میں شرماؤں رے

ارسلہ نے دوپٹا کمر پر باندھ لیا اور باقاعدہ ٹھمکے لگانے لگی۔ اریبہ کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔

''کچھ زیادہ نہیں ہو گیا۔'' نیلوفر کی برداشت جواب دے گئی تو اس نے مشین کا ڈھکنا اریبہ کے ہاتھ سے کھینچ کر ایک طرف پٹخا۔

''ارے رے.....'' ارسلہ نے جلدی سے ان کی کمر کے گرد بازو حمائل کر دیا۔ ''قسم سے مزا آ رہا ہے۔'' مسلسل ہنسے اور ناچنے سے اس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ ادھر نیلوفر نے تلملا کر اسے ہاتھ رسید کیا۔

''اب خوشی بھی نہ منائیں۔ بنو کی شادی کی تاریخ طے ہونے جا رہی ہے مذاق ہے بھلا۔ کیوں بیا۔'' اس نے اریبہ سے تائید چاہی۔

''اب تو مزے کریں گے۔ مایوں کا پیلا جوڑا خوب کامدانی ہو گا۔ لہنگا بناؤں گی۔ شادی میں شرارہ اور

ولیمے میں..... ہاں ولیمے میں کیا بنائیں بیا؟" وہ شرارت بھرے انداز میں نیلوفر کو دیکھنے لگی۔
"میکسی۔" اریبہ نے اس کی تال میں تال ملائی پھر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔
"اتنے مہنگے مہنگے کپڑے بنائیں گے۔ تم دیکھنا کیسے ڈیزائن کروائی ہوں۔ لوگ دنگ رہ جائیں گے۔"
"بس خرچے کی ہی بات کرنا۔ پہلے ہی یہاں کم خرچا سر پر پڑا ہے۔" نیلوفر بڑبڑا کر پھیلاوا سمیٹنے لگی پھر اختیار میں کچھ نہ ہوا تو کشن اٹھا کر اریبہ پر جڑ دیا۔
"تم بھی اس کے ساتھ بچہ بن جاتی ہو۔ یہ تو ہے ہی نکمی اور بے رحم لڑکی۔"
"اے اے..... لینگویج پلیز..... بے رحمی کی کیا بات ہے۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر نیلوفر کو گھورنے لگی دوسرے پل اس کے چہرے کے بگڑے تاثرات کو دیکھ کر یکدم ہنس پڑی۔
"قسم سے نیلو آپا تمہیں تو خوش ہونا بھی نہیں آتا۔ بندہ کسی اچھے تصور میں گم ہو کر ہی خوش ہو لے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھ ماری۔ نیلوفر کا چہرہ کسی احساس سے تپ گیا۔
"بے شرم کہیں کی۔" وہ اٹھ گئی۔ اٹھ جانے میں ہی عافیت تھی۔ اسی پل سکندر اندر داخل ہوا تھا ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا پکڑے۔ صحن میں پھیلی ابتری کو دیکھ کر ذرا سا چونکا پھر طائرانہ نگاہ دوڑائی۔
"خیریت تو ہے یہاں تو پہلے ہی خوشی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔"
"خوشی ہی خوشی۔" وہ کمر پر بندھا دوپٹا کھول کر کندھے پر ڈالنے لگی پھر سکندر کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا دیکھ کر چمک کر آگے بڑھی۔
"لو تم کو بھی خبر ہو گئی۔ مٹھائی بھی لے کر آ گئے۔ ارے واہ نیلو! یہ سکندر تو ہم سب سے زیادہ خوش ہے۔"
"لیڈیز میں کچھ سمجھا نہیں یہاں کون سی خوشی منائی جا رہی ہے۔" وہ حقیقتاً بوکھلا گیا تھا۔
"پہلے یہ بتاؤ یہ مٹھائی کس خوشی کی ہے؟" ارسلہ اس کے ہاتھ سے ڈبا اچک کر کھولنے لگی۔
"واؤ زبردست۔" اس نے گلاب جامن اٹھا کر منہ میں پورا گھسیڑ لیا۔ "دل سے لائے ہو لگتا ہے۔" وہ لذت لیتے ہوئے بولی۔
"بالکل دل سے ہی لایا ہوں۔ بے دلی سے مٹھائی کون لاتا ہے بھلا۔" سکندر نے اس کی عقل کو کوسا۔
"اب بتا بھی دیں یہ کس خوشی کی ہے۔" اریبہ بھی ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔
"جناب میری پروموشن ہو گئی ہے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے ارسلہ کو دیکھا۔ "لوگ کہتے ہیں ایک جگہ رک جانے والا ترقی نہیں کرتا۔"
"اوہو....." ارسلہ مٹھائی کا ڈبا بند کر کے اس کو تھماتے ہوئے بولی۔ "تو آپ اونچی پوسٹ پر آ گئے ہیں نوکر سے مالک بن گئے۔ مبارک ہو بھئی۔" اس کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔
"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔" نیلو نے یک دم ٹوک دیا۔ اسے بہت برا لگا۔ اس کے جملے سے زیادہ اس کا انداز۔
"نوکر اور مالک کا کیا سوال۔ تم اس کو رہنے دو سکندر۔ اس لڑکی کے دماغ میں تو بھوسا بھرا ہوا ہے۔ الٹی سیدھی ہی ہانکے گی۔"
"بھوسے سے بھی کوئی ادنیٰ چیز ہے تو اس کی مثال دو۔ مجھے تو بھوسا بھی قیمتی لگتا ہے اس کے دماغ سے۔" سکندر نے بھی پورا بدلہ اتارا تھا۔ مگر خلاف عادت وہ برا ماننے کے بجائے ہنسن کے پاس جا کر ہاتھ دھونے لگی۔
"اب تم لوگ بتاؤ یہاں کون سی خوشی منا رہے تھے تم لوگ۔" سکندر کو اچانک خیال آیا۔ اس نے نیلوفر سے پوچھا۔ نیلوفر یکدم نظریں چرا گئی اور جواب دینے کے بجائے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔
"شادی کی ڈیٹ فکس ہو رہی ہے آپا کی۔" اریبہ بولی۔

''ارے.....!'' سکندر خوش گوار حیرانی سے نیلوفر کی جانب گھوما۔
''جی جناب، اسی لیے تو ہم ڈھولکی کی پریکٹس کر رہے تھے۔'' اریبہ خاصی پرجوش نظر آ رہی تھی۔ خوشی سے چہرہ چمک رہا تھا۔
نیلوفر بجھے بجھے انداز میں باورچی خانے میں جا گھسی۔
''کتنا مزا آئے گا نا سکندر بھائی۔ آپی کی شادی میں سچ..... میں تو جی بھر کے ارمان نکالوں گی۔''
''بالکل کیوں نہیں۔ بہت دھوم دھام سے اسے رخصت کریں گے۔''
سکندر نے پیار سے اس کے سر پر چپت ماری اور یونہی نیلوفر کی طرف دیکھا جو باورچی خانے کے دروازے پر رک کر سکندر کی طرف بے ارادہ دیکھ رہی تھی۔ سکندر نے محسوس کیا اس کے چہرے پر ایک اضطراب ہلکورے لے رہا تھا۔
اس کی آنکھیں اداس دکھائی دے رہی تھیں۔ ان میں خوشی کی کوئی رمق دکھائی نہ دے رہی تھی۔ سکندر اچھی طرح جانتا تھا اس کی حساس طبیعت ہی اس کے لیے بڑا مسئلہ ہوتی تھی اسے خوش نہیں ہونے دے رہی تھی۔
سکندر تسلی آمیز انداز میں مسکرایا۔ وہ بھی دل گرفتگی سے جواباً مسکراہٹ اچھال کر فریج کھول کر چیزیں رکھنے لگی۔
''کیا خیال ہے اریبہ کیوں نا ایک ساتھ دونوں کو رخصت کر دیں۔''
سکندر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے ایک مہکتی نظر ارسلہ پر ڈالی جو اماں کے ڈر سے صحن کا پھیلاوا سمیٹ رہی تھی۔ کھلے بالوں کو بار بار کانوں کے پیچھے دھکیلتی۔ نیلے اور سیاہ کنٹراس کے سوٹ میں وہ اس کی آنکھوں کو خیرہ دل کو پرنور کر رہی تھی۔ سکندر کے انداز میں شرارت تھی۔
''دونوں کون۔'' اریبہ پہلے تو سمجھ نہ پائی پھر ارسلہ پر نظر ڈال کر گویا بات کی تہ تک پہنچتے ہوئے ہنسی۔
''ارسلہ آپا کو بھی۔''
''ہاں بالکل۔'' پھر جان کر اسے سنانے کو اونچی آواز میں بولا۔ ''اب تو پروموشن بھی ہو گئی ہے مٹھائی بھی کھالی ہے اب شادی کا لڈو بھی کھالے گی۔''
''ارے وہ کیسے بھئی۔'' اریبہ بچاری الجھ سی گئی۔ نیلوفر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ جھلکی۔ اس کا دھیان سکندر کی بات پر ارسلہ کی طرف گیا۔ اس کو پکا یقین تھا وہاں سے جواب ضرور آئے گا۔ اور یہی ہوا وہ تنک گئی اور سکندر کی طرف آتے ہوئے بولی۔
''اگر یہ اشارہ میری طرف ہے تو خاطر جمع رکھو۔ ترقی کے لڈو تک ہی بات رہنے دو۔''
''ہوں شادی کا لڈو کیوں نہیں؟'' سکندر نے بھی جواباً اسے گھورا۔ ''اچھا ہے نا ایک ساتھ دونوں کو رخصت کر دیں خالو کا خرچا بھی کم ہوگا اور اکٹھے بوجھ بھی اتر جائے گا۔''
''تمہیں بڑی فکر کھائے جا رہی ہے ابا کے خرچے کی۔'' وہ جھلس کر رہ گئی۔ سخت برا لگ رہا تھا سکندر اسے۔ اس وقت میں بوجھ نہیں ہوں اپنے ابا پر سمجھے تم۔''
''بوجھ تو ہو تم۔'' سکندر اٹھ کر اس کے نزدیک چلا آیا۔ پھر آہستگی سے بولا۔ ''ایسا بوجھ جسے میں با آسانی اٹھا سکتا ہوں۔''
وہ یک دم جھلس کر اس کی طرف پلٹی، اس سے پہلے کہ بلاسٹ ہوتی سکندر پیچھے ہٹا اور اریبہ کی موجودگی کا احساس کر کے پھر نیم مزاحیہ انداز میں اریبہ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولا۔
''آئیڈیا اچھا ہے نا بیا۔''
''زبردست۔'' اریبہ نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر تالی ماری۔
''اچھا بس بہت ہو گیا۔'' ارسلہ نے اریبہ کو آنکھیں دکھاتے ہوئے جھاڑو اس کی طرف پھینکی۔ ''یہ پکڑو اور

فائٹ صحن صاف کرو۔" وہ یہ کہتے ہوئے خود کمرے کی طرف چل دی۔ اریبہ منہ بنا کر رہ گئی۔
سکندر خاصی دیر بیٹھا رہا پھر جاتے جاتے نیلوفر کو مبارک باد دی تو نیلوفر جیسے تڑپ ہی گئی اور شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔
"تم تو ایسے مت کہو سکندر......!"
"تم پاگل ہو۔ خوشی کی بات پر خوش ہی ہوا جاتا ہے۔ تم بے کار کی بلکہ بے معنی خوف میں مبتلا ہو۔ یوں ہو جائے گا۔ ووں ہو جائے گا۔ یہ غلط سوچ رہی ہو تم۔" سکندر کا لہجہ تادیبی تھا۔
"میں سوچ نہیں رہی۔ ہم تو برت رہے ہیں۔" ایک گہری سانس اس کے سینے سے آزاد ہوگئی۔ "جب سے منگنی ہوئی ہے سکندر اپنا آپ اس زمین پر بوجھ سے لگنے لگا ہے۔ خوشی کا کیا سوال۔ ابا کے جھکے کندھے اور اماں کا متفکر چہرہ دیکھ کر۔ بس مر ہی جانے کو دل چاہتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں غیر محسوس طریقے سے نمی اتر آئی تھی۔
"مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عموماً والدین کو بیٹیوں کی شادی میں کم و بیش ان ہی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے نیلوفر۔ یہ صرف تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" سکندر اسے سمجھانا چاہا۔
"کہیں موزوں رشتے نہیں ملتے تو اس کی اذیت اور رشتے طے ہو جائیں تو جہیز کے نام پر لینا دینا۔ یہ تو ہر دور میں ہے اور رہے گا اس سے فرار تو ممکن نہیں۔ اس کا حل یہ تو نہیں کہ شادی نہ کی جائے۔ تم دراصل حساس زیادہ ہو۔" سکندر اس کے نزدیک آیا اور اس کے جھکے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔
"دعا کیا کرو خالو کو اللہ ہمت دے اور ان کے لیے۔" آسانیاں پیدا ہوں۔ فرار حل نہیں باہمت لوگ مسائل سے باخوبی نمٹتے ہیں اور بیٹیوں والے کا بازو تو اللہ خود ہوتا ہے۔ کیا اس ذات پر بھی یقین نہیں تم کو۔"
"اسی پر تو یقین ہے بس۔" نیلوفر تڑپ کر بولی۔
"تو پھر......!" سکندر نے اس کا چہرہ دیکھا وہ بے بسی سے نظریں چرا گئی۔ "جہاں یقین ہو وہاں خوف نہیں ہوتا۔ خوف تو بے یقین دلوں میں پرورش پاتا ہے۔ خدا کی رضا پر راضی رہنے والوں کے دل تو بہت مطمئن ہوتے ہیں۔ کوئی اضطراب نہیں ہوتا۔"
نیلوفر۔ رخ موڑ کر کیبنٹ میں دھلے برتن ڈھیلے ہاتھوں سے رکھنے لگی۔ لبوں کا کونا دانتوں میں دبائے وہ جانے کون سے احساس کے بہاؤ کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
اماں کب سے دروازے پر آ کر کھڑی تھیں۔ اندر آ گئیں۔
"یہ تو پاگل ہے سکندر۔ اس کا حساس پن ہی اسے لے ڈوبے گا۔" اماں کے لہجے میں تشویش تھی۔
"ارے نہیں خالہ خدا نہ کرے۔" سکندر پلٹا اور اماں کے ہمراہ کچن سے باہر آ گیا۔
"اسے سمجھاؤ سکندر۔ یہ الجھتی رہتی ہے مجھ سے بھی۔ خوش رہنا ہی بھول گئی ہے۔" اماں آزردہ سی ہونے لگیں۔ "اسے نہیں پتا یہ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں ذرا سی کوتاہی سے صدیوں کے فاصلے پر جا رکتے ہیں۔ پھر عمر نکل جاتی ہے ان فاصلوں کو پاٹتے پاٹتے۔" اماں کی نگاہیں کچن کے دروازے پر جا کر ٹھہر گئیں۔
"آپ فکر نہ کریں۔ وہ سمجھ دار ہے بس ذرا پریشان ہوگئی خرچے کا سوچ کر۔"
"ارے جب اللہ رشتہ جوڑتا ہے تو پھر ہر راستہ بھی آسان کر دیتا ہے۔ کام بنانے والا تو وہی ہے کارساز۔" اماں ڈھارس دیتے لہجے میں بولیں۔ نیلوفر باورچی خانے سے نکل کر کمرے میں چلی گئی۔
"میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ آپ اس کی طرف سے بے فکر ہو جایئے اور پھر میں ہوں نا...... مجھے آپ غیر مت سمجھیے۔ آپ کا بیٹا ہوں۔ نیلوفر کا بھائی ہوں۔" وہ تخت سے اٹھ گیا۔
"تمہیں کب غیر سمجھا ہے بھلا۔" اماں نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہاری اور عقیلہ کی تو مجھے بڑی ڈھارس ہے۔ خود کو اکیلا نہیں سمجھتی۔ بیٹے سے بڑھ کر ہو تم تو۔'' اماں اس کے ہمراہ دروازے تک آئیں۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور بہت سی دعائیں دینے لگیں۔

سکندر چلا گیا تو وہ دروازہ بند کرتے ہوئے سوچ رہی تھیں کہ سکندر کے روپ میں اللہ نے انہیں بیٹا ہی تو دے دیا ہے۔

☆☆☆

مہوش جب سے مری سے لوٹی تھیں بے حد پریشان اور دکھی تھیں۔ آبص کے رویے نے انہیں حقیقتاً پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔

''آخر وہ کب تک نادیہ کا سوگ مناتا رہے گا۔ زندگی تو نہیں گزر سکتی اس طرح۔ اکبر بالکل مرجھا کر رہ گیا ہے میرا بچہ۔'' مہوش شوہر کے سامنے بیٹھے ہوئے آزردگی سے کہہ رہی تھیں وہ بہت دکھی دکھائی دے رہی تھیں۔ انہیں کسی پل قرار نہیں تھا۔

وہ کھلنڈرا لڑکا کتنا بدل چکا تھا۔ ہنستا مسکراتا چہرہ سنجیدگی میں ڈھل کر بارعب لگنے لگا تھا۔ چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی اسے بہت بردبار سا مرد بنا رہی تھی۔ آنکھوں میں شرارتوں کی چمک دمک تو جانے کن گزرے زمانے کی باتیں ہو کر رہ گئی تھیں ان کی جگہ گہری اداسیوں نے لے لی تھی۔

''ابھی وہ ضدی ہو رہا ہے تو چھوڑ دو اس کو اس کے حال پر، سنبھل جائے گا تھوڑا وقت دو اسے۔'' گاؤن کی ڈوریاں کستے بیڈ پر دراز ہو گئے۔ ''اس نے مجھ سے کہا ہے وہ اس منتھ کے اینڈ میں آ جائے گا۔''

''ایک سال کم تو نہیں ہوتا سنبھلنے کے لیے، آپ جا کر دیکھیں ذرا اسے، کیا حالت بنا رکھی ہے اس نے۔ یہاں تھا تو پھر بھی بہتر تھا وہاں جا کر تو بالکل ہی بکھر کر رہ گیا ہے۔''

اکبر جیلانی نے سرہانے سے کتاب اٹھائی اور چشمہ آنکھوں پر ٹکاتے ہوئے جیسے کوئی ہوک سی اٹھی تھی ان کے سینے سے۔

''یہ بات تم سمجھ لیتیں۔ اتنی حساس پہلے ہی ہو جاتیں خیر۔'' انہوں نے بیوی کی آزردگی کو محسوس کر کے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب شکوہ بے جا تھا مہوش پشیمان تھیں، نادم تھیں۔ پچھتاوا از خود ایک سزا ہے۔

''ڈونٹ وری پریشان مت ہو سب ٹھیک ہو جائے گا اسے گھر آ جانے دو۔''

''میں نے سوچ لیا ہے بس اس کی شادی کر دوں گی۔'' مہوش جیسے ٹھان کر بیٹھی تھیں۔

اکبر جیلانی ہلکی سانس کھینچ کر رہ گئے۔

''وہ کم عقل ہے نادانی کا ثبوت دے رہا ہے مگر میں تو نادان نہیں ہوں۔ اسے یوں اس لڑکی کے لیے ٹوٹتے بکھرتے تو نہیں دیکھتی رہوں گی۔ وہ اس کی زندگی سے نکل چکی ہے اور اب کسی اور کا آنا۔ وہ جگہ پر ہونا ضروری ہے اکبر۔''

''ہوں مگر وہ مانے تب نا!'' انہوں نے سر اٹھا کر ایک نظر مہوش پر ڈالی جو کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

''اسے منانا پڑے گا۔ ارسلہ اچھی لڑکی ہے۔''

''ارسلہ!'' اکبر جیلانی نے کتاب سے سر اٹھایا۔

''رومی کی فرینڈ ہے۔ اکبر وہ لڑکی میرے جی کو بھا گئی ہے آبص کے لیے، یوں سمجھیں بہترین انتخاب ہے۔ اس سے زیادہ موزوں رشتہ نہیں مل سکتا۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے ڈیئر۔ مگر آبص راضی ہوگا۔ وہ تو پہلے ہی خفا ہے ہم سے اور بات آبص کی ہی نہیں وہ لڑکی کیا آبص سے شادی پر راضی ہوگی۔ اسے اسی کنڈیشن میں قبول کرلے گی۔'' انہوں نے اندیشہ ظاہر کیا۔ پھر جلدی سے سوچتے ہوئے بولے۔ ''میری مانو تو آبص کو ابرو ڈ لے جانے پر راضی کرو ابھی شادی کا رہنے دو۔''

''آپ تو بس حوصلے ہی توڑ ڈالتے ہیں۔ کیا کمی ہے میرے بیٹے میں۔ یہ معمولی فالٹ (نقص) کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے جس کی ایک لڑکی میرا مطلب ہے ایک غریب لڑکی تمنا کرتی ہے۔''

اکبر جیلانی چپ سے ہو گئے۔ وہ جانتے تھے اچھی طرح کے مہوش جو ٹھان لیتی ہیں وہ کر کے رہتی ہیں۔ وہ انہیں کسی بھی دلیل سے قائل نہیں کر سکتے تھے۔ سو چپ ہو کر کتاب میں گم ہو گئے۔

مہوش نے سوچوں کے تانے بانے بنتے ہوئے خود کو ڈھیلا چھوڑ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لیا۔

☆☆☆

فرحت بیگم..... نیلوفر کی ساس نے پکا قصد کر لیا تھا کہ اپنے بیٹے احمر اور نیلوفر کی شادی بیٹی کی شادی کے ساتھ ہی انجام دیں گی۔ بیٹے کے ولیمے میں بیٹی کے نکاح کا کھانا۔ کم خرچ بالا نشین۔ یہ شوشہ وہ اپنے بھائی کے ذریعے نیلوفر کے ابا تک پہنچا چکی تھیں۔ سکندر نے احمر کو فون کر کے بتایا تھا اور استدعا کی تھی شادی کی تاریخ کچھ مہینے آگے بڑھ جائے تو بہتر ہوگا۔

احمر کے لیے یہ خبر کسی افتاد سے کم نہ تھی وہ آفس سے گھر آیا تو فرحت بیگم اپنے پرانے طرز کے بڑے سے لکڑی کے نقش والے جھولے پر براجمان، ٹی وی میں منہمک تھیں۔ ان کی پسند کا ڈرامہ چل رہا تھا۔

''اماں، یہ آپ نے پھر نیا شوشہ چھوڑ دیا میرے سسرال میں۔'' وہ لیپ ٹاپ صوفے پر پھینکنے کے انداز میں رکھ کر اماں کے نزدیک چلا آیا۔

''کیا کہہ رہے ہو۔ کون سا شوشہ..... کیا شوشہ؟'' انہوں نے سر اٹھا کر بیٹے کو دیکھا بلکہ گھورا۔

''یہی شادی کا۔'' وہ جھنجلایا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ''کبھی جہیز کی لسٹ تھما کر آ رہی ہیں کبھی ان کی بھیجی ہوئی چیزوں میں مین میکھ نکال رہی ہیں کبھی کسی چیز کی ڈیمانڈ کبھی کس چیز کی۔'' وہ آستین فولڈ کرتا ہوا بیسن کی طرف جا کر منہ دھونے لگا۔ سخت خفگی تھی اس کے لہجے میں۔

''آئے ہائے، نہ سلام نہ دعا آتے ہی اماں کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا..... ہیں یہ کس نے کان بھر کر بھیجا ہے تمہیں، ذرا خبر تو ہو۔'' فرحت بیگم نے ٹی وی بند کر دیا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''کسی نے کان نہیں بھرے۔ بس کانوں تک آئی ہے یہ بات۔ مجھ سے مشورہ کیے بغیر آپ نے یہ اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا۔ کم از کم مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا۔'' وہ زور زور سے صابن رگڑنے لگا گویا سارا غصہ اسی پر نکال رہا ہو۔

''ارے واہ۔ یہ نئی کہی تم نے، اے میاں پہلے کب میں تم سے مشورہ لے لے کر کام کرتی رہی ہوں۔ رشتہ طے کر دیا تمہارا مشورہ کیے بنا۔ تب تو نہیں کہا تم نے کہ مجھ سے مشورہ نہیں کیا اماں۔ اور اب پر پرزے نکل آئے تمہارے!'' وہ از سر نو جائزہ لیتی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔ ''تمہاری منگیتر رام کہانیاں سنا رہی ہوگی تمہیں۔''

''کیا ہو گیا ہے اماں۔ میری کب بات ہوتی ہے اس سے، ایک باپردہ شریف فیملی ہے وہ۔'' وہ اسٹینڈ سے تولیا کھینچ کر منہ پونچھتے ہوئے ان کی طرف چلا آیا۔ ''اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں۔''

''آئے، میں کیا جانو۔ موبائل ہاتھ میں لیے پھرتے رہتے ہو کرتے ہو گے بات۔''

''جب کہہ دیا نہیں ہے تو نہیں ہے، آپ یہ بتائیے کہ یہ شادی کا کیا سلسلہ ہے؟''

''آئے لو۔ تم تو یوں بوکھلائے دے رہے ہو جیسے تمہارے سسرال میں بم دے مارا ہے۔ سیدھی سیدھی شادی کی تاریخ مانگی ہے۔'' انہوں نے پیر لٹکا کر چپلیں پیروں میں گھساتے ہوئے کڑے تیوروں سے احمر کو گھورا۔ ''تمہیں نہیں خبر بہن کی شادی ہے ہم بھی لاکھوں خرچ کر رہے ہیں اپنی استطاعت سے زیادہ ہی خرچ کر رہے ہیں بس سوچا ایک کھانے میں دونوں نمٹ جاؤ بھائی بہن۔ کیا غلط سوچا۔''

شادی افورڈ نہیں کر سکتے۔ وہ سفید پوش لوگ ہیں۔'' وہ رسان سے اماں کو سمجھاتے ہوئے بولا۔

''ایک تو ہمارے یہاں رسموں نے ہر ایک کی کمر توڑ رکھی ہے میرے سسر کی واجبی تنخواہ ہے۔ ان کے گھر میں کوئی مرد دوسرا نہیں ہے کمانے والا۔''

''اچھا بس زیادہ سسرال والوں کی چمچہ گری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سفید پوش ہیں تو کیا بیٹی نہیں بیاہیں گے۔ شوکیس میں سجا کر رکھیں گے بیٹی کو۔'' اماں جلال میں آ گئیں۔ ''میں نے کوئی کروڑوں کی ڈیمانڈ نہیں کر دی ہے کہ تم ان کے حمایتی بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ اے خیر سے عمر بھر جوڑا تو ہوگا نا بیٹیوں کے لیے کچھ نہ کچھ۔''

''آپ سے بحث فضول ہے اماں۔ آپ کو تو بس اپنی کرنی ہوتی ہے۔ اب جا کہاں رہی ہیں کھانا نہیں ملے گا کیا؟'' وہ اماں کو جھولے سے اتر کر کمرے کی جانب بڑھتے دیکھ کر بولا۔

''حنا پڑوس میں گئی ہے آتی ہے تو لگا دیتی ہے۔''

وہ بچوں کی طرح روٹھ گئی تھیں۔ احمر بھی مزید بدمزگی سے بچنے کے لیے خاموش ہو گیا اور ان کی بڑبڑاہٹ سنتا رہا۔

''آتے ہی دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے اپنے سسرال کی چمچہ گیری نہ کیا کرو میرے سامنے۔ خون کھولتا ہے میرا۔ ابھی تو اس مہارانی نے قدم رنجہ فرمایا نہیں ہے اور حمایتیں سمیٹ رہی ہے، آئے گی تو اماں کو نکال باہر کرنا۔''

فرحت بیگم کو موضوع ہاتھ آ گیا تھا۔ احمر نے سوچا اماں کی جلی کٹی سننے کے بجائے منہ لپیٹ کر سو لیا جائے۔

''جس نے بھی کان بھرے ہیں تمہارے اس ناس مارے کو کہہ دینا کہ شادی تو اسی تاریخ پر ہوگی جو میں نے رکھی ہے۔ ایک دن آگے نہ ایک دن پیچھے۔

''ٹھیک ہے اماں ٹھیک ہے۔ جو جی میں آئے کریں۔ بس ہاتھ ذرا ہولا رکھیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گیا۔ پھر اماں کے عتاب سے بچنے کے لیے کمرے میں دوڑ گیا۔

''ہاں، بڑے ہیرے جواہرات مانگ لیتے ہیں مجھے تمہارے کنگلے سسرال سے۔ لو دیکھو ذرا مجھے کہہ رہا ہاتھ ہولا رکھیں۔'' اس نے اماں سے گویا محاذ ہی کھول لیا تھا۔

☆☆☆

موسم صبح سے ہی ابر آلود تھا۔ شام اترتے ہی بارش ہونے لگی تھی۔ ایسی بارش جس میں نہ درخت گرے تھے نہ شور مچا تھا۔ ایک مدھم مدھم جھرنوں جیسی مترنم بارش۔ ارسلہ اپنی کچھ کتابیں اور اسٹیشنری کی چیزیں لینے نکلی تھی تب تک بارش شروع نہ ہوئی تھی بس موسم دلفریب ہو رہا تھا۔ واپسی پر اسے رومی مل گئی جو اس بک شاپ پر آئی تھی۔ ارسلہ کو دیکھ کر اس نے بے طرح خوش ہو کر اسے خود سے لپٹا لیا۔

''کچھ دعائیں یوں بھی پوری ہو جاتی ہیں۔ میں آج صبح سے آپ کو ہی یاد کر رہی تھی۔'' اس کا انداز نثار ہونے والا تھا۔ ارسلہ اس محبت پر نہال ہو گئی۔

''سنا ہے میں نے بارش میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔'' وہ شرارت سے ہنسی۔

''ہائے کاش! کچھ اور بھی مانگ لیا ہوتا۔'' رومی نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی پھر دونوں ہنسنے لگیں۔

رومی اسے اصرار کر کے جیلانی ہاؤس لے آئی۔

خوش گوار ہوائیں جسم و جاں سے ٹکرا کر فرحت کا احساس دے رہی تھیں۔ جیلانی ہاؤس کے باغیچے میں آ کر تو موسم کچھ اور رنگین اور دل فریب لگنے لگا تھا طراوت کا احساس بڑھ گیا تھا۔ شہریار کی آمد نے کچھ اور رنگینی بھر دی۔ اس کی اور رومی کی چھیڑ چھاڑ، جملے بازی اسے مزا دے رہی تھی۔

''آپ کے آنے سے میری بوریت دور ہو گئی ارسلہ۔ ورنہ یہ شہری بھائی نے تو مجھے تنگ کر کے رکھا ہوا تھا۔''

''اچھا..... میں نے تنگ کیا ہے۔ یا تم نے مجھے۔'' وہ ایکٹ اچھالتا ہوا بولا۔ ''کس قدر دقیانوسی لڑکی ہو۔ کوئی گھنٹہ بھر پہلے فون پر میری منتیں کر رہی تھی کہ شیری پلیز آ جاؤ اور اب آپ کو دیکھ کر اپنی بوریت کا رونا رو رہی ہے۔''

رومی اس کی جلی کٹی پر محظوظ ہو رہی تھی۔

''مس ارسلہ! اسی لڑکی سے ہرگز فرینڈ شپ مت کیجیے گا۔ ہوسکتا ہے آپ کے جانے کے بعد مجھ سے آپ کی برائی شروع کر دے۔''

''اے اے مسٹر! اب اتنی بھی نہیں ہو رہی ہے، آپ میرے ہی سامنے میری فرینڈ کو ورغلا رہے ہیں۔'' رومی ریکٹ اٹھا کر اسے مارنے کو بھاگی۔ دونوں بچوں کی طرح بڑے سے باغیچے میں بھاگنے لگے۔

ارسلہ دلچسپی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی اور محظوظ ہو رہی تھی۔ اسے بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے سوچا اچھا ہی ہوا وہ یہاں آ گئی۔ گھر کے سڑے بجھے ماحول میں اتنے اچھے موسم کا بھی بیڑہ غرق ہو جاتا۔'' گھر کا تصور کر کے اسے کوفت سی ہونے لگی۔ اس نے جیلانی ہاؤس کے باغیچے پر نگاہیں دوڑائیں اور آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دور دور تک پھیلی ہریالی۔ پام اور ناریل کے سڈول خوب صورت درخت۔ کیاری میں سجے خوش نما پودوں اور اس پر کھلے رنگ برنگے پھول۔

زندگی تو یہ ہے۔ جینا تو یہاں ہے۔ اس بند اور تاریک گھر میں تو بس سانس لیتا ہوا اور سانس بھی گھٹ گھٹ کر آتی محسوس ہوتی ہے۔ وہاں سے تو خوش گوار ہوائیں بھی گزرتے ہوئے اپنا راستہ بدل لیتی ہیں۔ جہاں بے کیف اور بے رنگ زندگی صدیوں پر محیط ہو جاتی ہے۔

خوشیاں تو تتلیوں کی مانند اس طرح کی آزاد فضاؤں میں رہنا چاہتی ہیں۔ یہیں منڈلاتی ہیں۔ ایسے ہی بڑے بڑے گھروں کے سرسبز باغوں میں رقص کرتی ہیں۔

اور یہ سکندر بچارا تنگ و تاریک دیواروں میں خوشیاں تلاش کر رہا ہے۔ اندھیرے میں روشن مستقبل کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اسے سکندر پر رحم آ رہا تھا۔ دوسرے پل اس نے سکندر کے تصور کو جیسے نخوت سے جھٹکا۔

رومی نے یک دم اس کا ہاتھ تھاما تو وہ اپنے خیالات سے نکل کر مسکرائی۔

''آج موسم بہت زبردست ہو رہا ہے لگتا ہے خوب بارش ہوگی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر روش پر چلتے ہوئے۔ پھر داخلی دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ خوش نما لابی کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ دیواروں سے لگے گداز صوفوں کی قطاریں اور اس کی میچنگ کے صوفوں کی پشت پر لہراتے پردے، اپنے قیمتی ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔ بڑے بڑے وازا امپورٹڈ معلوم ہو رہے تھے۔

''ابھی بارش نہ ہو تو اچھا ہے میں گھر پہنچ جاؤں پھر جتنی چاہے مرضی بارش ہو۔'' وہ چمکتے بڑے بڑے شیشوں کے پار دیکھتے ہوئے بولی۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا۔ بارش ہوگی تو لطف دوبالا ہو جائے گا۔ اور ابھی آپ کون سا گھر جا رہی ہیں۔ چلیں آئیں میں آپ کو آبص بھائی کا روم دکھاؤں۔'' رومی اسے آبص کی خواب گاہ میں لے آئی۔ ''میرا بہت ہی پیارا سا بھائی۔ میں نے بتایا تھا نا آپ کو کہ میرا ایک بھائی بھی ہے۔ یہ دیکھیں۔'' اس نے فریم میں جڑی ایک تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دی۔

ایک پل ارسلہ دم بخود رہ گئی۔

اتنا حسین مرد۔ وہ تو پہلے ہی اس خواب گاہ میں آ کر مسحور سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ دولت سے حسن جنم لیتا ہے۔ ہر شے سے ٹپکتی امارت، نفاست اسے حیران کر رہی تھی۔ اس پر آبص کی دیواروں پر لگی جا بجا تصاویر..... یہ ہیرو نما لڑکا اسے ہر تصویر میں زندہ جاگتا محسوس ہو رہا تھا۔

''پلیز آپ بیٹھیں، میں ذرا چائے اور اسنیکس کا آڈر کر آؤں۔ نفیسہ بڑے اچھے اسنیکس بناتی ہے۔''

رومی کو موسم نے خاصا چنچل کر دیا تھا۔ وہ کمرے سے نکل گئی تو ارسلہ خواب گاہ کا از سر نو جائزہ لینے لگی اور جیسے کسی سحر میں جکڑی آبص کے جہازی سائز بیڈ پر چت لیٹ گئی اور چھت سے لٹکتے خوش نما فانوس کو تکنے لگی۔ اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

ایسی ہی زندگی کے تو وہ خواب دیکھ رہی تھی۔ ایسا ہی محل نما گھر۔ ایسی پر آسائش خواب گاہ..... اور اس نے کروٹ لی اور آبص کی تصویر کو بے اختیار اٹھا کر تکنے لگی۔ اور ایسا ہی ہم سفر.....

ہائے مگر ایسے نصیب کہاں۔ ہائے کاش رومی ہی مجھے اپنے اس ہیرو ٹائپ بھائی کے لیے پسند کر لے۔ بھابھی بنا لے اپنی۔

وہ سوچتے سوچتے بھٹکنے لگی کہ یکدم چونک گئی اور تصویر جلدی سے الٹ دی۔ اور جیسے چوری بن گئی یوں جیسے اس کے دل کی آواز زور سے گونجی ہو اور ہر کسی نے سنی ہو۔

بیا ٹھیک ہی کہتی ہے پیسہ دیکھ کر میں لٹکی بن جاتی ہوں۔ وہ دل ہی دل میں ہنسی تھی۔

رومی نے اس کے آگے ہاتھ لہرایا تو اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

''کیا سوچا جا رہا ہے۔'' رومی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی طلسم کدے میں آ گئی ہوں۔'' وہ سچائی سے بولی اور آبص کی دیوار پر آویزاں خوب صورت تصویر پر ایک نظر ڈال کر بولی۔ ''اور کسی شہزادے کو دیکھ رہی ہوں۔'' اس کی بات پر روحی بے ساختہ ہنسی نہ روک سکی۔

''ارے واہ..... آپ بھی کسی شہزادی سے کم تو نہیں ہیں۔'' وہ اس کے سراپے پہ نگاہیں جماتے ہوئے سراہتے ہوئے بولی۔

''میں اور شہزادی.....'' ارسلہ کو لگا وہ اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔ ''میرے جیسی لڑکی شہزادی کہاں سے ہونے لگی۔ ایسے کپڑوں اور عام سے گھر میں رہنے والی عام سی لڑکی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔

''تو کیا شہزادی لگنے کے لیے پیسہ ہونا ضروری ہے۔''

''بالکل..... تم نے کبھی غریب شہزادی دیکھی ہے۔'' وہ ہنسی۔

رومی کو وہ اپنا اور اپنے ماحول کا مذاق اڑاتی محسوس ہوئی۔ اس لمحے اس کی آنکھوں میں محرومی چیختی دکھائی دی۔ اپنے حالات سے متنفر دکھائی دی وہ۔

''آپ کو پیسہ اچھا لگتا ہے۔ آئی مین..... یہ آسائشات..... لگژریز..... رومی کی نگاہیں اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''بھلا پیسہ..... لگژریز..... کسے ناپسند ہو سکتی ہیں۔'' رومی کی عقل پر جیسے اس نے ماتم کیا۔ ''سچ کہوں مجھے اتنے بڑے بڑے پر آسائش گھر بہت اچھے لگتے ہیں، جیسے تمہارا یہ گھر ہے۔''

''اگر یہ سب آپ کو مل جائے تو.....!''

رومی نے یہ کہہ کر گویا اس کی ساری حسرتوں کو ہوا دے دی تھی۔ اس کا دل سخت برا ہونے لگا۔ اسے لگا جیسے رومی اس کی کم مائیگی کا مذاق اڑا رہی ہو۔ لطف اٹھا رہی ہو۔ دل تو چاہا ایک لمحے کو رکھ کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے۔ اچانک رومی کی توجہ کھڑکی کی جانب ہوئی اور وہ زور سے چلائی۔

''واؤ رین ہیز بگن'' (بارش شروع ہو چکی ہے)

وہ کھڑکی کی طرف دوڑی بڑے بڑے شیشوں والی کھڑکی پر موٹے موٹے قطرے موتیوں کی طرح لڑھکتے آ رہے تھے۔

ارسلہ بھی چونکی اور گھبرا کر کھڑکی تک آئی۔ پھر باہر جھانکتے ہوئے تشویش سے بولی۔

''ارے یہ تو بہت تیز ہونے لگی ہے۔''
''چلو آؤ بھیگتے ہیں۔'' رومی مچل گئی۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلی۔
''نہیں رومی میں اب گھر جاؤں گی۔'' وہ نرمی سے رومی سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر فکرمندی جھلکنے لگی تھی اسے تو اب خیال آیا کہ وہ بنا بتائے بک اسٹال پر چلی گئی تھی پھر رومی کے ساتھ جیلانی ہاؤس چلی آئی۔ یہ خیال آتے ہی اس نے جلدی سے اپنا پرس کھولا اور موبائل نکال کر چیک کیا تو سترہ مس کالز دیکھیں۔
''اوف.....'' وہ چکرا کر رہ گئی۔ ''اماں نے تو اب ہنگامہ کھڑا کر دینا ہے۔'' خوشی کا احساس جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔
''کیا ہوا۔ آپ پریشان ہوگئی ہیں۔'' رومی اسے متفکر سا دیکھ کر سنجیدہ ہوگئی۔ ''کس کی کال تھی۔''
جواباً اس نے موبائل اسکرین رومی کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ رومی ہنس پڑی۔
''ریپلائی کر دیں نا..... بول دیں کہ میں رومی کے ساتھ بارش کو انجوائے کر رہی ہوں۔ رئیلی بہت مزا آئے گا۔ ہم لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔''
''نہیں روحی اماں جان کو آجانیں گی۔ میں یہ سارے مزے افورڈ نہیں کر سکتی۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔ جیسے قسمت کو کوسا ہو۔ پھر رومی کے ہمراہ باہر نکل آئی۔ وہ تصور میں اماں کو شور مچاتا۔ نیلوفر کو بوکھلایا ہوا دیکھ سکتی تھی۔
''شیری بھائی۔ ہم ارسلہ کو ڈراپ کر آتے ہیں۔ لانگ ڈرائیو بھی ہو جائے گی اس بہانے۔'' رومی نے شہریار سے کہا تو اس نے موبائل سے سر اٹھا کر ارسلہ کو دیکھا۔ پھر سر ہلا کر فوراً سے بیش تر اٹھ کھڑا ہوا۔
وہ تینوں گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔ بند شیشوں کے اندر اے سی کی خنک ریز ہوائیں ایک خواب ناک ماحول بنانے لگیں۔ ارسلہ کے دل میں موجود بے احساسات بھڑک اٹھے۔ اس کی ہمیشہ سے خواہش تھی کہ وہ کسی بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر لانگ ڈرائیو پر جائے۔ تارکول کی شاہراہوں پر بارش کو گرتے مچلتے دیکھے۔ اسے یکدم سکندر کی وہ کھٹارا سی بائیک یاد آ گئی۔ جس پر وہ پانچ سو بار آئسکریم کھانے جاتی رہی تھی۔ جو بارش میں بیسوں بار خراب ہوئی تھی ان منظروں کو یاد کر کے اس کا حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔
ہنہ! بائیک پر بیٹھ کر تو انسان مارے خجالت کے کڑھ سکتا ہے اس نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے شیشے کے پار دیکھا اور انتہا پسندی سے سکندر اور اس کی اکلوتی گھوڑی کے بارے میں سوچنے لگی۔
گاڑی اس کے گھر کے سامنے رک گئی ارسلہ نے رومی سے اندر آنے پر اصرار کیا مگر اس نے معذرت کر لی۔ شہریار کے ساتھ کم از کم وہ اندر جانے کا رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔
گاڑی جونہی آگے بڑھی سکندر کی بائیک جھٹکے سے اس کے پاس آ کر رکی۔ بارش سے بھیگا ہوا سکندر سخت غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے جانی گاڑی کو دیکھا پھر بائیک سے اتر کر اس کے نزدیک چلا آیا۔
''پورے شہر میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں اور محترمہ گاڑی میں سیر سپاٹے کرتی پھر رہی ہیں۔'' وہ اسے دیکھتے ہی پھٹ پڑا تھا۔
وہ سکندر کا حلیہ دیکھ کر ہنسنا چاہ رہی تھی، اس کے برہم ہونے پر اس کا سارا خوش گوار موڈ غارت ہو گیا وہ تنک گئی۔
''مجھے..... مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے بھلا۔'' وہ جلدی سے بھاگ کر شیلٹر کے نیچے آ گئی اور ڈور بیل بجانے لگی۔
''پاگل تھا اس لیے۔'' وہ تڑخ کر کہتا اسے ایک طرف دھکیل کر دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ جیسے نہ کھلا تو توڑ کر رکھ دے گا۔
''لائٹ نہیں ہے۔ بیل کوئی نہیں سنے گا اور تمہاری تو خاص کر۔''
''میں نے تو نہیں کہا تھا مجھے ڈھونڈنے نکلو۔ خواہ مخواہ کا غصہ نکال رہے ہو۔'' احساس تذلیل سے وہ بھی چیخ کر رہ گئی۔ کچھ حیران بھی تھی سکندر کو اس طرح کا غصہ کم ہی آتا تھا۔

"تمہارے علاوہ بھی اس گھر میں بہت سے لوگ رہتے ہیں جنہیں فکر ہے تمہاری اور مجھے یہ کام سونپا انہوں نے۔ تم بن بتائے نکلی تھیں۔ تمہاری غیر ذمہ دارانہ رویے سے یہاں سب کتنے پریشان ہیں۔ کال تک رسیو نہیں کی تم نے۔ بہت مصروف تھیں تم۔" اس کا لہجہ استہزائیہ ہوگیا۔

وہ ایک گہری سانس کھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اپنی غلطی کا احساس ضرور ہوا تھا مگر غلطی کا اعتراف کرتی یہ ارسلا کی سرشت میں نہ تھا، وہ بھی سکندر کے سامنے۔

"بکس لینے گئی تھی بس رومی مل گئی وہاں، ہم باتیں کرنے بیٹھ گئے یوں دیر ہوگئی۔"

"اچھا کہاں ہیں؟" اس نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا جہاں کسی قسم کی کوئی کتاب دکھائی دے رہی تھی۔ کندھے پر پرس جھول رہا تھا۔ وہ اس کی کھوج پر جھلس کر رہ گئی۔

"دیکھو سکندر مائنڈ یور اون بزنس ...... تم یہ ہر وقت ہیرو نہ بنا کرو۔ اس گھر میں اپنی پوزیشن ہیرو جیسی بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔" وہ غصے کے باوجود زیادہ غصہ نہ دکھا سکی پھر یکدم اسے دیکھتے ہوئے ہنسی نہ روک سکی۔ وہ شیلٹر کے نیچے نہیں کھڑا تھا سو بارش میں مسلسل بھیگ رہا تھا۔

"بالکل بھیگے ہوئے مرغے لگ رہے ہو اور اس کھٹارا میں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ جیسے مل ہی جانا تھا مجھے۔" دروازہ کھلا تو وہ اندر جانے کو مڑی۔

"اتنی حسین نہیں ہو کہ جہاز کا آڈر دیتا تمہارے لیے۔"

وہ بھی کرارا جواب دے کر دروازہ پورا دھکیل کر اندر چلا آیا۔ ارسلا بیچاری جلدی سے ایک طرف ہوگئی ورنہ دروازے کا پٹ اس سے ضرور ٹکراتا۔ دونوں بڑے تیوروں سے اندر داخل ہوئے تھے۔ مگر ارسلہ کا سارا غصہ، جھنجلاہٹ شرمندگی اور کھسیاہٹ میں بدل گئی۔ اماں اور نیلو کے چہرے دکھائی دیے۔ نیلوفر کے چہرے پر پریشانی دکھائی دے رہی تھی جبکہ اماں کے چہرے پر پریشانی کے ہمراہ غصہ بھی لہراتا، نظر آرہا تھا۔

"آ گئیں مہارانی۔ کہاں چلی گئی تھیں کوئی فکر ہی نہیں ہے گھر اور گھر والوں کی۔" اماں اسے دیکھتے ہی پھٹ پڑیں۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی مبادا اماں چپل پیروں سے نکال کر اسے ایک جڑ ہی نہ دیں۔

"کہاں سے ملی یہ تمہیں، کم بخت ماری۔ دل ہولا کر رکھ دیا ہم سب کا۔"

"ابھی ملی کہاں ہے مجھے۔" سکندر گلاس اٹھا کر کولر سے پانی بھرتے ہوئے بولا اور ذرا سا رخ موڑ کر کچھ اس انداز سے اسے دیکھا کہ وہ جز بز ہو کر اسے گھور کر کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

"میرے ساتھ نہیں آئی ہے۔ گاڑی سے اتری تھی کوئی لڑکا اور ایک لڑکی بیٹھے تھے گاڑی میں۔" وہ پانی بھر کر تخت پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔

"گاڑی میں ...... کس کی گاڑی۔" اماں اس کی راہ میں آ گئیں اور اسے گھور کر دیکھا۔

"اوہو اماں ...... کیا مصیبت ہے یہ سکندر زیادہ ہی ڈرامائی انداز اپنا رہا ہے۔ اللہ پوچھے اسے تو ...... میں رومی کے ساتھ آئی ہوں۔" وہ جھنجلائی ہوئی سی اماں کے برابر سے ہو کر کمرے میں جا گھسی۔ پھر کچھ سوچ کر پلٹ کر باہر نکل کر بولی۔

"بکس اسٹال پر مل گئی تھی وہ مجھے، وہیں باتیں کرنے لگ گئے۔ دیر ہوگئی۔ بارش شروع ہوگئی تو وہ مجھے ڈراپ کرنے چلی آئی۔ کوئی قیامت نہیں آ گئی کہ آپ لوگ یوں مجھے کٹہرے میں کھڑا کر رہے ہیں۔"

"قیامت ہی آ جاتی۔ ابھی تمہارے ابا گھر میں آ جاتے تو۔ بن بتائے گئی تھیں اور جب موسم کی خبر تھی۔ پھر تو گھر سے نکلنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" اماں آج کلاس لینے کے موڈ میں دکھائی دے رہی تھیں۔

"ننھی بچی ہوں نا کہ اپنی مرضی سے کہیں آ جا نہیں سکتی۔ آپ بلاوجہ بات کو بڑھا رہی ہیں اور یہ سکندر کو کیوں بھیجا مجھے ڈھونڈنے [illegible]

اس وقت زہر لگ رہا تھا۔

''اچھا بس زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے چوری اوپر سے سینہ زوری۔'' اماں کو اچھا خاصا جلال آ گیا۔ نیلوفر اسے آنکھیں دکھانے لگی کہ وہ روم میں چلی جائے۔ بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

''ارے یہ تو بچے کا آسرا ہے ہمیں۔ وگرنہ تمہارے ابا کہاں مارے مارے پھرنے۔'' بارش سے کہیں زیادہ اماں برس رہی تھیں۔

وہ مزید ان کے عتاب سے بچنے کے لیے روم میں جا گھسی اور دروازہ بند کر دیا مگر بھلا ہوا پڑا کا۔ بجلی غائب۔ اندھیرے اس کا منہ چڑانے لگا۔ ساکت وصامت پنکھا اپنے نصیب کو رو رہا تھا۔ اس نے چڑ کر گردن سے دوپٹہ کھینچا اور مسہری پر پھینکا۔ پیروں سے چپل جھٹک کر پھینکی اور مسہری پر گر گئی۔

''خاک انجوائے کروں یہاں بیٹھ کر موسم کو..... ان دیواروں میں اماں کو ہی برستے دیکھ سکتے ہیں، بارش کو نہیں۔''

وہ سلگ رہی تھی اپنے نصیب کو کوس رہی تھی جو اس کا اب معمول بنتا جا رہا تھا۔ اسے روی کا باغیچہ وہ محل نما گھر، وہ حسین خواب گاہ۔ سب یاد آ رہے تھے اس ہوش ربا محل سے نکل کر تو یہ گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

''یہ روی کون ذات شریف ہے۔'' سکندر اماں کے وہاں سے چلے جانے کے بعد نیلو کے پاس چلا آیا اور رازدارانہ انداز میں پوچھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

نیلوفر کپڑا اٹھا کر کھڑکی کے شیشے کو صاف کرنے کے لیے کھڑکی کھول رہی تھی۔ جہاں پانی باریک باریک لکیروں کی صورت میں لکڑی کی فریم سے اندر آ رہا تھا۔ اس نے سکندر کی طرف دیکھا اور ہلکی سانس کھینچی۔

''بتایا تھا تمہیں اریبہ کی ایک سہیلی ہے۔ اب اس سے اس کی دوستی ہو گئی ہے۔ اریبہ سے زیادہ اس سے ملنا جلنا ہو رہا ہے۔''

''ہوں۔'' سکندر کی ہوں خاصی معنی خیز تھی پھر ہلکی سانس کھینچتے ہوئے دیوار سے لگ کر سگریٹ نکال کر سلگایا اور دھیرے دھیرے کش لگانے لگا۔ یہ عیاشی وہ خالہ یا خالو کی غیر موجودگی میں کر لیا کرتا تھا۔

''تو یہ ہے وہ ممکنہ خطرہ۔'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

نیلوفر نے شیشے پر کپڑا پھیلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ سکندر کی نگاہیں دیوار پر کسی غیر مرئی نقطے پر گویا مرکوز تھیں۔

''تم سمجھو تب ناں۔ جب تک تمہیں احساس ہو گا تب تک یہ خطرہ نگل چکا ہو گا تمہاری محبت کو۔'' اس نے کھڑکی کے پٹ بند کر کے چٹخنی لگائی پھر کپڑا جھٹک کر لکڑی کے فریم پر پھیرنے لگی۔

''نیلو، محبت اور دولت میں کس کی جیت ہوتی ہے۔'' سکندر نے پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے نیلوفر کچھ کہتی وہ سوچتے ہوئے بولا۔

''ضروری تو نہیں ہر بار دولت جیت جائے۔ محبت کے پاس ہزار رستے ہوتے ہیں محبوب کی طرف آنے کے۔'' اس نے اپنے لہجے کو مضبوط بنانے کی کوشش کی مگر جانے کیوں اعتماد مفقود تھا۔ اس کا احساس خود اسے بھی ہوا۔

''دیر تو ہو چکی ہے پھر بھی کوشش کر دیکھو۔'' نیلوفر نے یہ کہتے ہوئے بجھی نظروں سے سکندر کو دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔

''عرصہ ہوا میں نے بھی دولت کے سامنے محبت کو جیتتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اب دیکھنا چاہتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ذرا سا مسکرائی۔

سکندر کو لگا وہ اس پر ہنسی تھی دل ہی دل میں عجیب تلوار جیسی یہ مسکراہٹ سکندر کو اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

نیلوفر نماز کے لیے وہاں سے اٹھ گئی اور روم میں چلی گئی تھی مگر وہ کتنی دیر وہیں کھڑا اپنے دل میں ایک چبھن

دم لائٹ آ گئی ہر شے واضح ہو گئی۔

''خدا کا شکر..... اس گھر کے نصیب بھی جاگ گئے آج خلاف معمول لائٹ جلدی آ گئی۔ اے واپڈا والوں تیرا شکریہ..... کم بخت ماروں تیرا شکریہ۔'' اس کی بڑبڑاہٹ کمرے سے باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو سکندر اس کے اس جلے کٹے انداز پر محظوظ ہو کر ہنستا مگر اس وقت اس کے وجود پر عجیب سا سناٹا اترا ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے گھر سے نکل آیا۔

پورے راستے وہ ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔ کہ اب اسے فوراً سے بیشتر اماں کو لے کر آنا پڑے گا ارسلہ کا رشتہ لے کر۔ نیلوفر نے جس خطرے سے اسے باخبر کیا تھا وہ خطرہ خود اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

☆☆☆

تارکول کی سڑک پر رواں دواں گاڑیوں کے کھیل کو تکتے تکتے وہ دونوں چپ تھے بالکل چپ۔ جیسے ایک دوسرے کی موجودگی کو محسوس کر رہے ہوں۔ جانے کتنی دیر ہو جاتی۔ نادیہ شاہ نے جیسے چونک کر آبص کی طرف دیکھا۔ پھر ہلکی سانس کھینچ کر دھیرے سے بولی۔

''تم اس طرح مت آیا کرو۔''

''کیوں؟'' اس نے ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔

''میں یہ سب افورڈ نہیں کر سکتی۔''

''کیا سب؟''

''یہی لوگوں کی نگاہیں، ان کے سوال اور کل مجھ پر اٹھنے والی انگلیاں۔''

''تو پھر کہاں ملیں۔'' وہ اس کے آگے آ گیا۔ اس کا اٹھتا قدم رک گیا۔

''گھر پر تم آنے نہیں دیتی ہو۔ کسی ریسٹورنٹ میں ہم مل نہیں سکتے بس یہی جگہ رہ گئی ہے جہاں میں گھنٹہ بھر کھڑا تمہارے باہر نکلنے کا انتظار کرتا رہتا ہوں۔'' اس نے کالج بلڈنگ کو دیکھا پھر نادیہ شاہ کو۔ ''پھر پوچھو اس انتظار میں بھی عجیب ہی لذت ملتی ہے۔''

''تم سمجھتے کیوں نہیں ہو آبص میں.....'' وہ اس کی نگاہوں سے بچنے کے لیے قدم اٹھانے لگی دونوں کا رخ نزدیکی پارک کی جانب تھا جس کے انٹرنس پر بنے بنچ پر وہ کبھی کبھی آ کر بیٹھا کرتے تھے۔

''کم آن، یہاں کس کو فکر ہے کہ تمہیں میرے ساتھ دیکھیں اور سوچیں۔''

''فکر لوگوں کو ہو نہ ہو مجھے ہے۔ میرے گھر والوں کا اعتماد مجروح ہوتا ہے آبص۔''

''میں پریشان نہ ہوتا تو نہیں آتا، فون پر بات کر لیتا۔ مگر تم سے ملنے دیکھنے کو آج بہت بے چین تھا۔'' وہ اپنی فطری سچائی سے کہہ رہا تھا۔ مگر یہ دکھ یہ اضطراب صرف اس کے چہرے پر ہی رقم نہیں تھا وہ بھی اداس تھی بس فرق یہ تھا کہ وہ ظاہر نہیں کر پا رہی تھی۔

یہ مسکراتا کبھی یکدم سنجیدہ ہو جانے والا لڑکا اسے بہت عزیز تھا۔ ہر ہر روپ میں دل موہ لینے والا تھا۔ اس کا دل آبص کو قریب دیکھ کر ہر بار نئے جذبوں سے آشنا ہوا تھا۔ ہر بار خود کو مضبوط رکھنے کا عمل بکھرا تھا اور جب سے آبص نے اس کو بتایا تھا کہ اس کے پیرنٹس اس شادی کے خلاف ہیں۔ اس کا جھگڑا چل رہا ہے۔ اسے لگا اس کا دل بالکل خالی ہو کر رہ گیا ہو۔ جیسے سارے دیے ایک ایک کر کے بجھتے چلے گئے ہوں۔

''کہیں یہ عمر بھر کا روگ نہ بن جائے تم انتہا پسند ہو رہے ہو۔'' وہ اپنے دل کی کیفیت کو سنبھال کر رسان سے کہنے لگی۔

''کیا انتہا پسندی ہے۔ یہ کہ جس سے محبت کی جائے اس سے شادی کرنے کے لیے سنجیدہ ہونا یا اپنے من پسند من چاہی ساتھی کی تلاش اور اس کو اپنانے کی خواہش انتہا پسندی ہے تمہارے نزدیک۔'' وہ خفا ہونے لگا۔ اور

اس سے کچھ فاصلے پر بنچ پر بیٹھ کر اس کے چہرے کا رخ جھٹکے سے اپنی طرف موڑا۔
''تمہیں پتا ہے میں بہت کم چیزیں دنیا سے اپنے لیے چنتا ہوں۔ میرا حصول بہت محدود ہے میری خواہشات بہت محدود۔ مگر جہاں اور جس پر ہاتھ رکھ دیا اسے پانے کے لیے جاں کے زیاں تک بھی جا سکتا ہوں۔''

نادیہ شاہ نے خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی وارفتگی یہ دیوانگی اسے اندر ہی اندر دہلا گئی۔
''تم بھول رہے ہو کہ تمہارے دل، تمہارے وجود پر صرف تمہارا حق نہیں ہے تمہارے پیرنٹس کا بھی ہے۔''
''ہاں، مگر ان کو یہ حق تو خدا نے بھی نہیں دیا کہ وہ اسے اجاڑ دیں برباد کر دیں۔'' اس نے بنچ کی کھردری سطح سے پشت ٹکا کر ایک گہری سانس کھینچی اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں کی قندیلیں آج ماند تھیں۔ اس کے چہرے پر حزن پھیلا ہوا تھا، وہ مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں رات بھر جاگنے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ وہ گھر والوں کی اس مخالف روّیوں سے شدید توڑ پھوڑ کا شکار تھا۔
''ایسا نہیں ہے آبص والدین کبھی برباد نہیں کرتے۔ ہاں بہتر سے بہترین کی تلاش میں وہ اکثر اولاد کے جذبات کو نظر انداز کر جاتے ہوں گے۔ مگر برا نہیں چاہ سکتے۔ اور سنو۔ بس یوں سمجھو کہ ہمارا اتنا ہی ساتھ تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے نگاہیں رواں دواں گاڑیوں پر مرکوز کر لیں اور پلکیں جھپک جھپک کر آنکھوں کی زمین پر اترنے والی نمی کو پھیلنے سے روکنے کی کوشش کرنے لگی۔
''کیوں سمجھوں ایسا، پاگل ہو گئی ہو تم۔'' وہ خفگی سے اسے گھورنے لگا۔
''پاگل پن یہ ہے جو تم دکھا رہے ہو، میں تو ہوش مندی کی بات کر رہی ہوں۔'' وہ افسردگی سے مسکرائی۔ وقت کی ساتھ ساتھ رجحانات اور پسندیدگی میں تبدیلی آ ہی جاتی ہے۔ تم اپنے پیرنٹس کی پسند کو اپنی پسند بنا لو اور.....''
''اور تمہیں بھول جاؤں۔'' وہ اس کی بات کاٹ گیا۔ ''یہی سمجھانا چاہ رہی ہو نا تم اتنی دیر سے مجھے۔''
''ہاں۔'' وہ بلا تامل سر ہلا گئی۔
''بہت مضبوط بننے کی کوشش تو کر رہی ہو۔ مگر یہ مضبوطی ریت کی دیوار ہے سوچ لو دور ہٹ گیا تو بکھر جاؤ گی۔'' وہ جھٹکے سے بنچ سے کھڑا ہو گیا۔
نادیہ شاہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا جواباً وہ ابرو کو جنبش دے کر یوں مسکرایا جیسے اس کا تڑپنا اسے مزا دے گیا ہو۔ وہ لب بھینچ کر چہرہ جھکا گئی۔
''میں اس محبت کو دل کے اندر دفن کر دینا پسند کروں گی جس کی وجہ سے برسوں کے رشتوں میں دراڑ آنے کا خطرہ ہو، تلخیاں اور الجھنیں پیدا ہو رہی ہوں۔ فاصلے رشتوں کے درمیان بننے لگیں۔ اس محبت کو دل میں ہی کہیں دفن کر دینا بہتر ہے آبص۔'' وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے اٹھ گئی۔
آبص جیب سے گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا وہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔
''باتیں اچھی کر لیتی ہو مگر ضروری نہیں تمہاری باتوں کو سراہنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل درآمد بھی کرنے لگوں۔'' وہ قطعاً غیر سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔
وہ اس پر ایک نظر ڈال کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

میں محبت میں بھی توحید کا قائل ہوں فراز
ایک ہی شخص کو محبوب بنائے رکھنا

وہ گنگنایا۔

''تم نے ملک چھوڑنے کی دھمکی دی ہے۔'' چند لمحے خامشی کے بعد وہ پوچھنے لگی۔
''ارے گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔''
''تمہیں کیسے پتا چلا؟''
''تم نے ہی کہا تھا کہ میں نے دھمکی دی ہے اور عموماً دھمکی ملک چھوڑنے کی ہوتی ہے، عمر بھر منہ نہیں دکھاؤں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔'' وہ ہنسی جیسے مذاق اڑا رہی ہو۔
''ہاں بالکل۔'' وہ سر ہلانے لگا۔ ''اور ساتھ میں یہ بھی دھمکی دی تھی کہ خودکشی کرلوں گا۔''
''بکومت۔'' اس نے لرز کر اسے ٹوک دیا۔ دوسرے پل خفگی کا تاثر اس کے چہرے پر پھیلنے لگا وہ تنبیہ کرتے ہوئے بولی۔
''ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس طرح کفریہ انداز اختیار کرے۔ یہ فقط دھمکی نہیں ہے ہمارے ایمان کی کمزوری کی دلیل بھی ہے۔ آئندہ تم ایسی بات سوچو گے بھی نہیں۔''
''اوکے باس۔'' آئندہ سوچوں گا بھی نہیں ..... بس خوش۔'' وہ کسی فرماں بردار بچے کی طرح بولا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔
''بس اسی طرح ہنستی رہو نا دیہ۔'' وہ اسے دیکھے گیا۔
''تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔''
وہ شرما کر سر جھکا گئی تھی۔
نصیر کاکا کو لگا وہ کرسی کی پشت پر سر رکھے سو گیا ہے۔ انہوں نے اس کی گود سے ڈائری اور قلم اٹھانا چاہا کہ اس نے موندی آنکھیں کھول دیں۔
''کب سے اسی طرح بیٹھے ہوئے ہیں، تھوڑا آرام کرلیں۔'' نصیر کاکا ڈائری اور پین سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولے۔ ''میں سمجھا آپ کو نیند آ گئی ہے۔''
''آپ نہ چھوتے تو شاید میں کچھ اور یادیں سمیٹ لیتا۔ بہت دور نکل گیا تھا میں۔'' وہ مسکرایا۔
نصیر کاکا نے دل گرفتگی سے اسے دیکھا۔ پھر پردے برابر کر کے اس کے نزدیک چلے آئے۔
''ایک بات کہوں آبس میاں!''
''میں جانتا ہوں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' وہ گہرا سانس لے کر کرسی سے اٹھا اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔
''جب سے امی گئی ہیں آپ بے چین ہیں۔''
''ہاں ٹھیک اندازہ لگایا۔ بیگم صاحبہ بہت دکھی ہو کر گئی ہیں یہاں سے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کا دکھ بھی کم نہیں ہے۔ ماں ہیں آپ کو اس حال میں کیسے دیکھ سکتی ہیں۔''
''یہ دکھ بھی تو انہی کے دیے ہوئے ہیں۔'' وہ تلخی سے مسکرایا۔
''ہو جاتی ہے کبھی بڑوں سے بھی غلطی۔''
''غلطی!'' وہ جیسے تڑپا تھا۔ ''میری زندگی اجڑ گئی۔ آپ غلطی کہہ رہے ہیں۔''
''انہیں کیا خبر تھی آپ دل پر لے لیں گے۔ اگر انہیں آپ کے جذبات کی شدت کا اندازہ ہوتا تو شاید وہ آپ کی بات مان لیتیں۔'' اب بھول جائیں وہ ساری باتیں اسی میں بھلائی ہے۔ کب تک آپ ناراض رہیں گے اور کب تک وہ وہاں آنسو بہاتی رہیں گی۔''
''آپ نے سنا نہیں نصیر کاکا۔ مما کیا کہہ رہی تھیں۔ میرے لیے ایک متوسط گھر کی لڑکی تلاش کی ہے انہوں

ہاہا۔ ''کیا تضاد ہے۔'' وہ تمسخر سے ہنسا مگر درحقیقت وہ ہنسا نہیں تھا بکھرا تھا بری طرح۔ ''نادیہ شاہ اس لیے ریجیکٹ کی گئی تھی کہ وہ مڈل کلاس کی تھی۔ جیلانی ہاؤس کے اسٹینڈرڈ (معیار) کی نہیں تھی۔ مما اور پاپا کو اپنے ہم پلہ بہو چاہیے تھی تاکہ سوسائٹی میں وہ سر اٹھا کر اپنی بہو کا تعارف کرا سکیں۔ اور اب، اب کہاں گیا وہ غرور۔ سوسائٹی کا وہ خوف۔ ہاں اس لیے کہ میں معذور ہو گیا۔ ان کا بیٹا اس قابل نہیں رہا کہ اسے اپر کلاس کی لڑکی مل سکے۔ کسی بیوروکریٹ...... کسی مل اونر کی بیٹی نہیں مل سکتی۔'' وہ ہنس نہیں رہا تھا بلکہ رو رہا تھا سلگ رہا تھا جل رہا تھا۔

''معاف کر دیں آبص میاں......! انہیں معاف کر دیں۔'' نصیر کاکا درحقیقت آبص کے لیے۔ اس کی اس تنہائی کے لیے تڑپ رہے تھے۔

''ماں باپ کو سزا نہیں دیتے۔ ان کی سزا یہی بہت ہے کہ آپ ناآسودہ ہیں۔ آپ کی یہی ناآسودگی۔ یہ داغ، یہ اذیت ہی ان کی سزا ہے۔ پچھتاوے کیا کم سزا ہوتے ہیں۔'' وہ آبدیدہ ہو گئے۔ ان کی بوڑھی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ ''والدین کے لیے اولاد کی خوشی ہی ان کی خوشی ہوتی ہے اور اولاد کا غم ہی ان کا غم ہوتا ہے۔''

آبص گم صم ہو گیا...... اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''محبت مل جائے گی مگر ماں باپ جیسی ہستیاں نہیں ملتیں۔ وہ شرمندہ ہیں نادم ہیں معافی مانگ رہے ہیں تو معاف کر دیں۔ ماں کے آنسو بہت قیمتی ہوتے ہیں اس پر ساری محبتیں قربان آبص میاں۔ انہیں سمیٹ لیں۔ اور دکھی نہ کریں۔''

نصیر کاکا اسے جھنجوڑ کر چلے گئے۔ وہ سلگتی خامشی سے آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔

☆☆☆

مہوش اور روی دونوں بڑے اہتمام سے سج سنور کر حیات علی کے چھوٹے سے گھر میں آئی تھیں۔ نیلوفر کی شادی کی مبارک دینے اور ارسلہ کا ہاتھ مانگنے...... روی آبص کی کئی تصاویر بھی لے آئی تھی یوں تو اس کی موبائل گیلری بھائی کی خوب صورت تصویروں سے بھری پڑی تھی مگر وہ یہ تصویر خصوصاً ارسلہ کی والدہ کے لیے لائی تھی۔

ادھر ارسلہ ان کے آنے کے مقصد سے ناواقف تھی مگر اس کے لیے ان کا آنا ہی کسی عید سے کم نہ تھا وہ ان کی خاطر مدارت میں لگ گئی۔ جلدی سے سکندر کو فون کرنے لگی۔

''پلیز سکندر...... میرے مہمان آئے ہیں کچھ کھانے کی چیزیں لا دو۔ سموسے، رول اور آئس کریم اور ہاں کولڈ ڈرنک تو ضرور۔'' اس نے تو فرمائشی پروگرام ہی نشر کر دیا۔

''خیریت تو ہے۔ ایسے کون سے مہمان آ رہے ہیں جس کی اتنی خاطر ہو رہی ہے۔''

''تم آؤ گے تو خود دیکھ لینا۔''

''خیر میں آ تو نہیں سکتا۔ کسی لڑکے کو دیکھو بھیجتا ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ خوش ہو گئی۔

ادھر نیلوفر خاموش نگاہوں سے اس کی ساری کارروائیاں، بے قراریاں، خوشی سے ادھر ادھر اٹھتے قدم۔ سب دیکھ رہی تھی اسے یہ سب بہت برا لگ رہا تھا...... بہت برا۔ دل دکھ سا رہا تھا۔

اماں تو مہوش کی میٹھی میٹھی باتوں کے جال میں پوری طرح جکڑی دکھائی دے رہی تھیں۔ مہوش ارسلہ کی تعریفیں کرتے نہ تھک رہی تھیں ساتھ ہی ساتھ اپنے آنے کا مقصد بھی واضح کر دیا۔ اماں بچاری بوکھلا کر رہ گئیں۔

''میری مانیں تو نیلوفر کے ساتھ ہی ارسلہ کو بھی بیاہ دیں میرے آبص سے۔'' مہوش ارسلہ کے کمرے سے جاتے ہی بولیں۔ اماں حیرت سے ان کا منہ تکنے لگیں۔

''ایکچوئلی مما بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی ہیں۔ آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔ جتنی تسلی کرنا چاہیں کر لیجیے۔ بس

ارسلہ چائے کی ٹرے لیے ڈرائنگ روم میں آئی تو موضوع بدل چکا تھا۔

''مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے آپا۔'' اریبہ پلیٹ میں سموسے رول نکالتے ہوئے نیلوفر کی طرف کر رازدارانہ انداز میں بولی۔ ''مہوش آنٹی بہت لاڈ دکھا رہی ہیں ارسلہ آپی سے اور ہاں آبص بھائی بھی نکال کر اماں کو دکھا رہی ہے رومی۔ اب آپ بتایئے ہے نا دال میں کالا۔''

''آبص...... رومی کا بھائی ہے اس سے پہلے میں نے کبھی ذکر نہیں سنا۔'' نیلوفر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''میں نے بھی بس ذکر ہی سنا ہے رومی کے منہ سے۔ دیکھا تو نہیں ہے تصویر میں تو بڑے چارمنگ بالکل انگلش مووی کے ہیرو لگتے ہیں۔'' اریبہ بے خیالی میں بول کر پھر جلدی سے نیلوفر کے گھورنے پر ور کھ گئی۔

''فضول باتیں بہت کرنی آ گئی ہیں تمہیں۔ چلو یہ سارا کچھ ڈرائنگ روم میں لے جاؤ۔ اور کھلاؤ ت کو۔'' نیلوفر عجیب کڑکتے لہجے میں کہہ کر کچن کا پھیلاوا سمیٹنے لگی۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ ے کو وہ لحہ بہ لحہ محسوس کرتی آئی تھی وہ خطرہ عین سر پر پہنچ گیا تھا۔

کتنے بزدل مرد ہو سکندر۔ بس نام کے سکندر ہو۔ اتنے عرصے میں ارسلہ کو اپنے نام کی انگوٹھی نہیں پہنا سکے نے بے چارگی آمیز کرب سے گزرتے ہوئے رول سموسوں اور برگر سے سجی پلیٹیں دیکھیں جو سکندر ئے تھے ارسلہ کی اک ابرو جنبش پر۔

''آہا...... اس احمق کو کیا خبر یہ سارا اہتمام کس لیے اور کیوں ہے۔''

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ خود ہی سینہ کوبی کرنے لگے۔ مہمان گئے تو اماں الجھی الجھی دکھائی دے رہی تھیں و بتانے لگیں کہ مہوش اپنے بیٹے کے لیے ارسلہ کو پسند کر گئی ہیں۔ رشتہ کی بات کرنی ہیں۔ یہ دھچکا تو نیلوفر ں چکا تھا۔

ادھر ارسلہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا پورے وجود پر خوشی کا احساس کسی نشے کی طرح طاری تھا۔ ا ہا تھا جیسے اندھیرے میں اس کے لیے کرن پھوٹی ہو۔ بجھے دیے میں تیل پڑ گیا ہو۔ تپتی جھلستی دھوپ م رس پڑا ہو۔ صحرا میں گویا بارش کی رم جھم۔

''اتنے بڑے لوگ ہیں، اتنے امیر مگر غیر تو ہوئے ہیں نیلو۔ اور غیروں میں بیٹی بھلا کیسے دے سکتے ہیں بوکھلاہٹ طاری تھی ایک خوف ہزار اندیشے۔

''بھلا ممکن ہے۔ وہ کہاں، ہم کہاں۔ زمین آسمان کا کیا جوڑ۔'' اماں نیلوفر سے کہہ رہی تھیں۔

ارسلہ کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ اماں کے جملے تیر کی طرح سینے میں پیوست ہوئے تھ ت نہ ہوا تو تڑپ کر اندر چلی آئی۔

''ارے واہ...... ممکن کیوں نہیں ہے۔ ایسا کیا غلط ہے کہ یہ جوڑ نہیں بن سکتا۔'' وہ یکدم اندر آ کر بولی۔ اں کے ساتھ نیلوفر بھی ششدر رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سیما بنت عاصم

چالباز نیلم

وہ بہت حسین صورت تھی۔ جن کے لیے کہا جاتا ہے لاکھوں میں ایک۔ پہلی نظر میں وہ کوثر کو بڑی من موہنی سی لگی۔ چینی مٹی کی گڑیا جیسی نازک وحسین۔ مگر وہ جو کہتے ہیں۔ انسان کی اصل خوب صورتی اس کی زبان میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ تو کچھ ہی دنوں میں اس ساری خوب صورتی کا پردہ چاک ہوگیا۔ اس کی اصل خوب صورتی بھی سامنے آہی گئی۔ چند بالشت کی چھٹانک بھر لڑکی.....ایک نہ دو......فٹوں لمبی زبان۔

اس کا نام نیلم تھا.....وہ اک چلتی پرزہ لڑکی تھی۔

کوثر کو یہ بات۔ کچھ دنوں میں جا کر سمجھ آئی۔

کوثر کا شوہر اسلم..... والدین کے گزرنے کے بعد اس دو منزلہ مکان کا اکلوتا وارث تھا۔ اس کا کیا کیا جائے کہ مہنگائی کے اس دور میں ایک تنخواہ پر گزارا ممکن ہی نہ تھا۔ اسلم کی اک کمائی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ۔ سو نچلا پورشن کرایہ پر اٹھانا بھی ان کی مجبوری ٹھہری۔ اگرچہ کوثر کرایہ دار کے معاملہ میں انصاف سے چلتی۔ نچلے پورشن میں کرایہ دار کے لیے۔ مقدور بھر ہر آرام وسہولت میسر تھی۔ گیس بجلی کے بل میں ساجھا تھا۔ گرمیوں میں پانی کی تنگی پڑ جاتی۔ کرائے کے مکان اک اک کر کے خالی ہوتے چلے جاتے۔ اب کرایہ دار تو منہ اٹھا کر جہاں سینگ سمائیں۔ چلے جائیں، مکان دار کہاں جائیں۔ سو کسی طرح دینی ہی پڑتی۔ مگر تا کجے۔

کرایہ دار کے گھر پر اگر نیلم جیسی مکار اور چالباز لڑکی کی اجارہ داری تھی۔ تو لے دے کیوں نہ ہوتی۔

کوثر پر نیلم کی گزوں لمبی زبان کی اصلیت آہستہ آہستہ جا کر کھلی۔ اس گھر کا باوا آدم ہی نرالا تھا۔ ماں بیٹیوں سمیت گھر کا گھر کمانے جاتا۔ دن بھر گھر میں نیلم رہتی۔ اور گھر بھر کی باگ دوڑ اسی کے ہاتھوں میں تھی۔ تنخواہیں...... ساری کی ساری اسی کے تھبہ میں جاتیں۔ شاید اسی لیے گھر بھر میں اس کی چلتی۔ اور اس کا راج۔ الامان الحفیظ۔

چوپٹ اماں کو دکھائی تو پڑتا۔ سنائی نہ دیتا۔ اس پر کانوں کی کچی نیلم ان کو جو چابی بھر دیتی۔ وہ اسی پر پھدکتی پھرتیں۔ نکھے ابا۔ بیٹیوں کی کمائی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر کھاتے۔ کام کے نام پر دنیا زمانے کی خاک چھان کر گھر لوٹتے۔ تنخواہ کے نام پر منہ چڑا جاتے تو شور مچتا۔ ماں بیٹیوں کے کمانے کے سبب۔ گھر میں نکھے ابا کی حیثیت صفر تھی۔ تب بھی وہ چھاتی پر چڑھ کے دندناتے۔ کبھی جو فساد پڑتا، رات میں دن نکل آتا۔ دنیا تماشا دیکھتی۔ بات یہیں تک رہتی تب بھی گوارا تھی۔ ان کی زبانوں کا پھرنا، دھاندلی، اور اس پر......دھوکا بازی، ڈھٹائی الامان الحفیظ۔

ایک پنکھا...... دو بلب بتا کر مکان لیا گیا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں کایا پلٹ گئی۔ اک اک بجلی کے سب آئٹمز آ گئے۔ صاف کھلی دھوکہ بازی تھی۔ گھر بھر کے کمانے جانے پر بھی۔ گیس بجلی کی بچت کہاں سے ہوتی تھی۔ صبح کا ناشتا ڈکار...... دوپہر کی روٹی باندھ کر ہی تو نکلتے۔ گیس کا چولہا دھڑا دھڑ جلتا۔ دن رات پنکھے...... فریج...... بلب جلتے...... یونٹ تین سو سے بڑھ کر بنے تو بجلی کا بل دگنا۔ گرمی کی شدت میں پانی کی تنگی پڑی تو ٹینکر ڈلوایا اور ٹینکر کے پیسے کرائے سے کاٹ لیے اور وہی نیلم کا توتے کی طرح آنکھیں

کرایہ پانی بجلی گیس سمیت بنتا ہے۔ گیس بجلی
ئے تو کوثر نے سر پیٹ لیا۔ آدھے سے زیادہ
ں میں پھنک گیا۔
چھ دنوں میں دیکھنے میں آیا کہ چھ افراد کا تو بس
تھا۔ درحقیقت ایک گھر میں دو کنبے پلتے دن بھر
کا پڑاؤ یہیں رہتا۔ وہ خود کرایہ کے گھر کی مکین
ری میں کام کرنے جاتی۔ دن بھر بچہ نیلم کے
۔ صبح اسے فیکٹری ڈراپ کر کے داماد صاحب

کی بائیک سسرال کے آنگن میں آن کھڑی ہ
کے بہانے۔ وہ خود بھی وہیں پڑا نظر آتا۔ تو ا
بجلی..... گیس و دیگر خرچ بچا ہی بچا۔
پھر سننے میں آیا۔ نیلم کا رشتہ کسی بڑھیا
کے لائق وفائق سپوت سے اسی داماد صا
توسط سے طے پایا تھا۔ شاید اسی احسا
وصولنے کو وہ دن رات سسرالیوں کے جھر
راجا اندر بنا مٹھی چمپی کراتا رہتا۔ گھر بھ

صاحب کی دھاک ہی نہیں راج بھی چلتا تھا۔ اک لفظ اسے کہنے کی دیر تھی ساس سسر سمیت سالیاں تک میدان میں اتر آتیں۔ پھر اسی پر بس نہ رہی۔

کچھ دن گزرے کرایہ داروں کے گھر کا مختصر سامان ایک کمرے میں سمٹ گیا۔ آنے بہانے پہلے بہن بہنوئی کا بوریا بستر آیا۔ اور پھر مکمل پڑاؤ۔

اب بھلا آسان بات ہے۔ چھ افراد کی جگہ نو افراد کا خرچ۔ دیگر معاملات تو رہے ایک طرف باتیک کا پہیہ گھسیٹ گھسیٹ کر داماد صاحب نے صدر دروازہ کی چولیں ہلا دیں۔ اک روز دروازہ کٹے ہوئے شہتیر کی مانند زمین بوس ہوا۔ لو جی چھٹی ہوئی۔

معرکہ تو ہونا ہی تھا۔ کوثر کے چڑھانے پر اسلم نے ان کا گھیراؤ کیا۔ اور وہی، ننھے ابا کا توتے کی مانند آنکھیں پھیرنا۔

"ہمارے گھر ہماری بہن بیٹی نہ رہے گی تو کیا آپ کی رہے گی۔" پرلے درجے کا عامیانہ انداز تھا۔ اسلم کا خون کھول کر رہ گیا۔

"کہانی صاف تھی۔ ننھے داماد، کرایہ اور گھر کا خرچ بچانے کو سسرال کے ٹکڑوں پر آپڑے تھے۔ ان کے گھر کا کارخانہ سسرال، بیگم اور سالی کے دم سے چلتا تھا۔ بیگم گھر کی دال روٹی چلانے کو فیکٹری سدھارتی۔ تو بچہ نیلم سنبھالتی۔ اور اب تو صاف بے روزگاری کا بہانہ لے کر، سسرال کے در پر آپڑے۔

اسی داماد کی نظر عنایت سے نیلم کا رشتہ اس کے جگری دیرینہ دوست سے طے پایا تھا۔ گھرانہ کھاتا پیتا تھا۔ سوزمین پر دھنسے، گڑا بلتے، اپنے گھر کی جگہ صاف ستھرے علاقے میں گھر لینا بھی ان کی مجبوری ٹھہری۔ اب اس کا کیا کیا جائے کہ کوثر کا سارا کرایہ بلوں کی مد میں پھنک جاتا۔ صدر دروازہ، داغ مفارقت دے گیا تو خرچ ہزاروں کا بنتا تھا۔ وہاں پر واکس کا فرکوٹھی۔

بات یہیں تک رہتی تب بھی چلتی۔ مگر بات سے بات نکلتی تھی۔ سو اک اور بات سامنے آئی۔

☆☆☆

اس روز کسی کام سے کوثر نے نچلے پورشن میں جھانکا تھا۔ "اوئی اللہ۔" نیچے کا منظر پا کر کوثر کی آنکھیں چوپٹ کھل گئیں۔ سالی بہنوئی کی ایسی محبت کہیں دیکھی نہ سنی۔ نیلم مزے سے پیر پسارے، کان میں ہینڈ فری ٹھونسے، پیر ہلا رہی تھی اور بہنوئی صاحب انہی قدموں پر مزے سے سر رکھے۔ چیونگم چباتے جانے کن راز و نیاز میں مشغول تھے۔

پھر یہ مناظر آئے روز نظر آنے لگے۔ بیوی کو فیکٹری ڈراپ کر کے یہاں سب سسرالیوں کے سارھانے کے بعد سسر سے چار ہاتھ بڑھ کر ننھے بہنوئی صاحب کا ٹھکانا یونہی سالی کے قدموں میں رہتا۔ اس دوران کبھی جو کوئی بھولا بھٹکا نکل ہی آتا۔ وہ دم دبا۔ یہ جا وہ جا۔ اب یہ تو کہنے والی بات ہی نہ تھی اندھے کو بھی نظر آتا تھا کہ بہنوئی صاحب کی نکل پڑی تھی۔

یہاں تو اندھیر نگری والا معاملہ تھا۔ کسی کی کوئی کل ٹھکانے پر نہ تھی۔

اس پر ان کے مزاج، الامان الحفیظ۔ مکان کا کرایہ کیا دیتے۔ مانو مالک مکان کو اس کے مکان سمیت خرید رکھا ہو۔ گھر کا گھر چھاتی پر چڑھ کر دندناتا نظر آتا اور سب سے بڑھ کر ڈھائی فٹ کی فتنی نیلم۔

"اپنی اوقات میں رہ کر بات کرو۔" ہم مالک مکان کو اتنا سر نہیں چڑھاتے۔" وہ یوں بولی جیسے مالک مکان سے گھر کی جھاڑو لگواتی رہی ہو۔

سو غضب کی ٹھنی اور ایسی ٹھنی کہ محلہ والوں نے بھی تماشا دیکھا۔ اور نیلم کی بادن گز کی زبان ایک طرف اور ساری دنیا ایک طرف پھر کوثر بھلا کیسے پیچھے رہتی۔ سورج کے لتے لیے۔ وہ کہاں خاطر میں لاتے تھے۔

"جایئے..... جایئے..... کرایہ دے کے رہتے ہیں۔ کوئی مفت میں نہیں رہتے اس گھر میں۔"

"تو کس نے کہا ہے کہ کرایہ بھرو۔ کوئی تمہیں مفت میں رکھتا ہے تو مفت میں رہ لو۔ کس سے پوچھ کے تم نے دوسری فیملی ساتھ رکھی ہے۔ مل بانٹ کے کرایہ دو گے تو تمہارا فائدہ ہی ہے نا۔ ایسی تیسی تو ہماری ہوگئی۔"

"یوں ہے تو یونہی سہی۔ آپ اپنے کرائے سے مطلب رکھیے۔"

"مکان خالی کرو میرا۔ ایسے بے ایمان کرایہ

دار ہم نہیں رکھتے۔"

"کیوں خالی کر دیں۔ مکان کیا دو چار مہینے کے لیے کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ نیا مکان ڈھونڈنا۔ سامان ڈھونا۔ سستا کام ہے کیا۔ جب خالی کرنا ہوگا بتا دیں گے۔"

"گیس پانی بجلی سب کنکشن اوپر تھے۔ کوثر نے سارے وال بند کرنے کی دھمکی دی۔ وہاں پرواہ کس کافر کو تھی۔

"آپ کر کے دکھایئے۔ پھر کرایہ کس سے وصول کریں گی۔" یہ اسی چھٹا نک بھر کی آفت کی پرکالا کی زبان تھی۔ لیجیے جناب۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ کرایہ نامہ میں صاف درج تھا کہ کرایہ دار ساجھا کرنے کا پابند ہے۔ اس بار زمانے بھر کے نکھٹو سے ابا میدان میں اتر آئے۔

"تو جایئے۔ تھانہ پولیس آپ جیسے شریف لوگوں کے لیے ہی تو ہیں۔ جایئے جایئے۔ پولیس کی مدد لیجیے۔ وہیں فیصلہ ہو جائے گا۔"

کوثر نے سر پیٹ لیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ تھانہ پولیس سے دبنے والے لوگ نہیں ہیں اور اس پر دہی ڈھٹائی ودھاندلی۔

"تم سے مکان خالی کرایا جائے تو کرا کے دکھاؤ۔"

"چپ کر...... اپنی اوقات میں رہ۔ دو بالشت کی لڑکی ہو کر سر کو چڑھتی ہے۔" کوثر کو غصہ آ گیا۔

"تو چپ کر...... کتیا...... ہڈی نہیں ملی تو بھونک رہی ہے۔"

ادھر جواب دو بدو تھا۔ کوثر کی سماعتوں کو کوئی سنسناتا ہوا تیر چھیدتا گزرتا چلا گیا۔ ادھر نیلم کے فرشتوں کو بھی کیا خبر تھی کہ یہ گالی خود اس کے گلے پڑ جائے گی۔ کوثر نے اوپر کی منزل کا سارا ملبہ کاٹھ کباڑ نیچے کھینچ مارا۔ اک ہاہاکار مچ گئی۔ مگر اس کے اندر کی کھولن نہ مٹی۔ نہ اس گالی کا ازالہ ہو سکا۔ کانوں میں بار بار وہ گالی سائیں سائیں گونجتی۔ اک زمانہ ان کی عظمت و شرافت کو سلام کرتا تھا۔ اور اس بالشت بھر کی لڑکی کی یہ مجال۔ بعد ازاں اسلم بار بار اسے تسلی دیتا رہا۔

"جانے بھی دو۔ گالی تمہارے چپک تو نہیں گئی نا۔ تم نے بھی تو حد کر دی۔ اوپر سے اینٹیں پتھر، اور جانے کیا الا بلا نیچے کھینچ ماری۔ کسی کے لگ جاتی تو

اور اس چھٹانک بھر کی۔ مرچ کی گزوں لمبی زبان۔ سنا نہیں، کیا کہا۔ کتیا۔ ہڈی نہیں ملی۔" کوثر کی سانسیں دھونکنی کی طرح چلنے لگیں۔

"جانے بھی دو..... بچ کی گالی..... نس کے نالی....."

مگر کوثر کے کلیجے میں جیسے برچھی سی اتر گئی تھی۔ وہ جلبلاتی پھرتی۔ مگر اس کے اندر کی کھولن نہ مٹی۔ کانوں میں وہ گالی بار بار گونجتی۔ اس کے اندر آگ ہی آگ بھر جاتی۔ بس نہ چلتا سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دے۔ قریب تھا کہ بیچ بچ نوبت تھانہ پولیس پر آ جاتی کہ پرلے درجے کی گھنی مسینی اماں اور نکھے ابا نے جانے کن وقتوں میں موقع تاک کر اسلم کو جالیا اور جانے کیا کچھ کہا کہ وہ الٹا کوثر کو ہی سمجھانے بیٹھ گیا۔

"جانے بھی دو۔ فساد تو تمہارا نیلم سے ہے نا۔ اور وہ بے چاری ہے کتنے دن کی۔ اگلے مہینے تو شادی ہے۔"

اور کوثر تو جیسے بھری ہی بیٹھی تھی۔

"مت کہیں اسے بے چاری۔" فتنی ہے فتنی۔ چھٹانک بھر کی لڑکی نے سارے گھر کو مٹھی میں کس رکھا ہے۔ گھر بھر کے منہ میں اسی کی زبان بولتی ہے۔"

"اگر ایسا ہے بھی تو وہ جانیں۔ ہمارا کیا لینا دینا۔"

"ہاں تو میں بھی دیکھوں گی نا۔ اس کی فٹوں لمبی زبان اور مکار فطرت کو کون جگر والا بھگتے گا۔ چار دن میں چٹیا پکڑ کر باہر نہ نکال دے تو میرا نام بدل دینا۔"

"اوہو کوثر...... تم بھی حد کرتی ہو۔ یہ ان کے معاملات ہیں...... وہ جانیں...... ہمارا ان سے کیا لینا دینا۔"

"اچھا...... اور وہ جو آئے بہانے ماں کے کان بھر کے سو بار مجھ پر چڑھائی کروانے کی کوشش کر چکی ہے یہ قطامہ۔"

"ہاں تو تم کون سا ادھار رکھتی ہو۔ منٹوں میں لتاڑ کے باہر کا رستہ دکھا دیتی ہو۔ اور چھوٹتے ہی مکان خالی کرنے کا الٹی میٹم۔"

"تو اور کیا ان کے پیر پڑ جاؤں۔ میں تو کہتی ہوں تھانہ پولیس کے ذریعے نکال باہر کروان کم بختوں کو۔"

"اب دیکھو انسان کو نرمی اور جھکاؤ تو رکھنا ہی پڑتا

تو گھر بدنام ہوگا۔کوئی کرایہ دار نہیں ٹھہرے گا۔"
"ارے بھاڑ میں جائے۔ پڑا رہے خالی۔ ان بدبختوں سے تو جان چھوٹے۔ اور یہ پرلے درجے کی فتنی ...... چالباز نیلم ...... ابا کے نکھٹو پن اور چوٹ اماں کے سبب گھر گرہستی کیا ہاتھ آگئی خود کو کسی ریاست کی مہارانی سمجھنے لگی ہے۔ دیکھوں گی ...... اس کی کرتوں دوسرے گھر کیسے چلتی ہے۔"

"کسی کی مجبوری بھی سمجھتے ہیں۔ لڑکیوں کے رشتے کے لیے مناسب گھر لینا کوئی نرالی بات تو نہیں ہے۔ وہ بتا رہے تھے کہ ان کے اپنے گھر پر اثرات ہیں۔ اس کا بکنا بھی مشکل ہے۔"

کوثر کے تلووں کو لگی سر پر بجھی۔

"پرلے درجے کے جھوٹے، مکار اور فریبی لوگ ہیں۔ اور ایسے کوئی لعل نہیں جڑے ہیں۔ ہمارے گھر میں۔ انہیں مکان بہت ہمیں کرایہ دار بہت۔"

"اللہ نے سو بار معافی کے ساتھ ...... ان کے کٹرا بلتے زمین میں دھنسے گھر سے تو لاکھ درجے بہتر ہی ہے نا۔ اب تم جیسی عورت کو یہ سمجھانے والی بات تو نہیں کہ دوسروں کے لیے۔ آسانیاں پیدا کرو تو رب تمہیں آسانیاں فراہم کرے گا۔"

"نیلم کے بعد کرن ...... اور کرن کے بعد ...الی ...... تم دیکھ لینا، یہ سالوں سال یہاں سے کہیں سرکنے والے نہیں ہیں۔ یونہی ہماری چھاتی پر چڑھے مونگ دلتے نظر آئیں گے۔"

اگر ایسا ہے بھی تو کیا برا ہے۔ نچلے پورشن کے تین کمرے ان کے لیے زیادہ ہیں۔ گھر کا سامان کم ہے۔ رہے بل تو یہ معاملات تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو ہوتا ہی ہے نا۔"

"ارے مجھ سے پوچھو۔ انہیں کرایہ بھاری پڑ رہا ہے۔ نکھٹو داماد ...... کماؤ بیٹی کو گھر میں ڈال لیا۔ تو کرایہ میں ساجھا بن گیا۔ ہماری ایسی تیسی ہوگئی۔ دونوں ہی کو ایک دوسرے کا آسرا ہے۔ کرایہ خرچ میں سہولت ہوگئی وہ الگ۔ بیگم دن رات نوٹ چھاپتی ہیں تو یوں کہ نیلم کے ہاتھوں میں پلی رہا ہے۔ لگے ہاتھوں بہنوئی صاحب بھی چلتی گنگا میں ہاتھ دھوتے نظر آتے ہیں۔"

روانی و جذبات میں کوثر کے منہ سے سچ نکل گیا۔

اسلم ٹھٹکا ...... "چلتی گنگا ......؟"

"ناچار اسے بتانا ہی پڑا۔ اور اسلم کی وہی ازلی شرافت و اعلا اوصاف جن پر ریجھ کر کوثر کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھمایا گیا تھا۔

"اب دیکھو ...... اگر بات سچ نہ نکلی بہتان ہی ہوا نا۔ اور اگر ایسا تھا بھی تو تم نے ان پر کان یا نظر رکھ کر کچھ اچھا کیا ......؟"

مگر کوثر کو پکا یقین تھا معاملہ کچھ اور ہے۔

☆☆☆

نہ نہ کرتے ...... اسلم کی بات اس کی عقل میں سما ہی گئی۔ کچھ دنوں میں بات آئی گئی ہوگئی۔ نیلم کی شادی سے کچھ پہلے ...... اسلم نے دوڑ دھوپ کر کے نچلے پورشن کے لیے بجلی کا الگ کنکشن لگوا دیا تھا۔ لوجی گل ای مک گئی۔

نیچے دو فیملیز کے سبب۔ گیس کے بل کی مد میں دو حصہ ان کی طرف لگائے گئے۔ اسلم نے ہر معاملہ چار لوگوں میں بیٹھ کر نمٹایا تھا۔ پھر شادی کا ہنگامہ جاگ پڑنے سے قبل ...... کوثر و نیلم کو گلے ملوا دیا تھا۔ مگر گلے ملنے سے دلوں کی کدورتیں مٹیں تو کیا ہی کہنے۔ پھر اسی ماہ۔ شادی پر جو طوفان بدتمیزی نہ مچنا تھا۔ مچا۔ ساری ساری رات فل والیوم میں ریکارڈنگ، کوثر لہو کے سو سو گھونٹ پی کے چلتی۔ اسلم کا پڑھایا درگزر کا سبق اپنی جگہ درست سہی۔ مگر اس کے دل و دماغ سے وہ گالی نہ نکلتی۔ کتیا۔ جب بھی یہ لفظ اس کی۔ سماعتوں میں گونجتا اس کے اندر اک غبار سا بھر جاتا۔

نیلم کی شادی میں ...... کوثر نے مارے باندھے ہی شرکت کی تھی۔ دولہا پر نظر پڑتے ہی کوثر کی تمام امیدوں پر پانی پڑ گیا۔ شکل سے ہی دبو، زن مرید سا نظر آتا تھا۔ نیلم جیسی مکار چالباز، چلتی پرزہ لڑکی، جلد ہی اس کی لگام میں کس لے گی۔ گمان پختہ تھا۔ کھانے سے فراغت پاتے ہی۔ جب دلہن سج دھج کر اسٹیج آ رہی تھی۔ کوثر بچوں کے سونے کا بہانہ کر کے اٹھ گئی تھی۔

باراتی خاتون کا نیلم کے لیے تبصرہ تھا۔ کوثر نے گزرتے ہوئے سنا تو دل ہی دل میں ہنسی۔ جب گز بھر کی زبان سے بالا پڑے گا تو پوچھوں گی۔

مگر وہ جو کہتے ہیں کہ کچھ خوابوں کی تعبیر الٹی ہوتی ہے۔ اسی طرح کچھ گمان بھی اوندھے منہ جا پڑتے ہیں۔ سو یہ معاملہ بھی کوثر کی امید و توقعات کے برخلاف الٹا پڑ گیا تھا۔

نیلم کی سسرال میں گھر بھر پر ساس صاحبہ کا راج تھا۔ سو سب سے پہلی تان میکے آمد پر ٹوٹی۔ وہ جوان سب کا خیال تھا کہ پہلی بیاہی بیٹی کی طرح نیلم بھی آنے بہانے میکے پڑی رہے گی۔ مالدار گھرانے میں بیٹی بیاہ کر چاروں ہاتھوں سے چوری چھپے کی کارروائیاں بھگتاتی جائیں گی۔ لگے ہاتھوں بہنوئی صاحب بھی برسوں پرانی دوستی کی آڑ میں اپنا الو سیدھا کرتے رہیں گے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں..... سیر کو سوا سیر..... تو وہی بات رہی۔ بات نیلم کے میکے آنے پر آئی تو سو بہانے تیار۔ کبھی جو ساس نند کے جھرمٹ میں چلی ہی آتی تو وہ سب چپل کی طرح اس کی چوکسی کرتیں۔ موبائل فون کی اجازت نہ تھی۔ سنا کہ گھر بھر کی نوکرانی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ کچھ ہی دنوں میں سارے کس بل نکل گئے تھے۔ بادن گز کی زبان حلق میں جا پڑی تھی۔

اب ان ماں بیٹیوں کا زیادہ وقت نیلم کی بڑھیا ساس کی شان میں قصیدہ خوانی میں گزرتا۔ یہ تو کہنے والی بات ہی نہ تھی۔ ان کا گھر اندھا پڑ گیا تھا۔ بھانجا۔ نیلم کے ہڑکے میں ہاتھوں میں آ گیا۔ وہ سب نیلم کی شکل کو ترس گئے تھے۔ کچھ دنوں میں سننے میں آیا کہ بہنوئی صاحب پر بھی بین لگ گیا۔ وہ جلبلا کر، وقت بے وقت فون گھماتے۔ نیلم کے شوہر کے دماغ میں شک کا کیڑا کلبلاتا۔ انہوں نے برسوں پرانی دوستی کی شرم دلائی۔ نیلم کے میاں نے اس دوستی پر ہی مٹی ڈال دی۔ لو کر لو گل۔ کوثر نے سنا تو خوب ہی مزا لیا۔ جیسے کو تیسا۔ الٹی ہو گئیں سب تدبیریں۔ والا معاملہ تھا۔ نیلم کی ساری پھوں پھاں ناک کے رستے نکل گئی تھی۔ سنا کہ اب وہ گم صم رہتی تھی۔ شوہر سمیت سسرال والوں نے مل کر اس کی لگامیں کس لی تھیں۔

☆☆☆

نیلم کا ولیمہ، اگلے ماہ، نند کی رخصتی کے ساتھ تھا۔ اور ہائے ری عورت کی چٹخارا باز فطرت..... کوثر کھنچی چلی گئی تھی۔ ڈنر سے کچھ پہلے جب اسلم سگریٹ پینے کے لیے شادی ہال سے باہر نکلا۔ کوثر کا گود والا بیٹا باپ کے لیے مچلنے لگا۔ کوثر اسے لیے باہر آئی۔ تو اسلم کو نیلم کے شوہر کے ساتھ کھڑا پایا۔ سلیم بچے کو آئس کریم دلانے نکل گیا۔ اور کوثر کی ایک رسمی سی احوال پرسی کی دیر تھی، وہ پھٹ پڑا۔

''پرلے درجے کی مکار اور سیاست دان ہے یہ نیلم، گھر میں قدم رکھتے ہی میرے کان بھر کے گھر میں پھوٹ ڈلوا کر گھر بھر سے میرا دل پھیرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ اللہ بھلا کرے اماں کا، انہیں بہوؤں کو سنبھالنے کا ہنر آتا ہے۔ اب عورت گھر کے، کام کاج نہ کرے گی تو کیا کرے گی۔ مگر اس کا دھیان جانے کہاں سفر کرتا ہے۔ اپنی اوقات سے بڑھیا زندگی نصیب ہے مگر اس کا دل نہ جانے کہاں پڑا رہتا ہے۔ مجھے تو دال میں کالا لگتا ہے۔ آپ تو مکان دار ہیں۔ آپ کو تو پتا ہوگا؟''

وہ بری طرح بھرا ہوا اور چڑا ہوا لگ رہا تھا۔

کوثر کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ نیلم کی گالی کانوں میں سائیں سائیں گونجنے لگی۔ لوہا گرم تھا۔ بس اک چنگاری کرید کے ہوا دینے کی دیر تھی۔ آگ ہی آگ پھیل جاتی سب کچھ بھسم ہو جاتا۔ بس اک ثانیہ کا عمل تھا۔ آر یا پار، مگر اسی ساعت نے فیصلہ دیا تھا۔ بدلہ لینے کی قدرت رکھتے ہوئے وہ معافی دینا افضل ہے۔ بھلا دیتا ہی کیا ہے۔ یہ بدلہ انسان کو۔ اک دلی تسکین اک کمینی سی خوشی۔ یہ خوشی کسی کی زندگی سے بڑھ کر تو نہیں۔ بے شک سزا و جزا کا مختار پروردگار ہے۔ جس عیب پر وہ پردہ ڈال رہا ہے۔ اسے افشا کرنا۔ کہاں کا انصاف ہے۔

کوثر بے ساختہ نفی میں گردن ہلا کر اندر کی طرف مڑ گئی تھی۔ ایک یقین تھا۔ اس کی یہ نیکی۔ کسی اچھے صلہ کی صورت میں ضرور لوٹائی جائے گی۔

☆☆

صدف ریحان گیلانی

یہ سال کیسا رہے گا

"میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس سال بھی میرا نصیب مجھ سے روٹھا رہے گا۔ کیا اس سال بھی میری شادی نہیں ہو سکے گی۔ آخر میرا محبوب مجھے کب ملے گا؟"

اُفف۔ ایک تو یہ ہمارا قومی مسئلہ۔ جس کا شکار ہر دوسرے گھر میں سے ایک تیسرا فرد تو ضرور ہے۔ اور اسی باعث یہ سوال بھی اب تو قومی سوال کا درجہ پا چکا ہے۔ جو انتہائی دردناک لہجے میں پوچھنے والی کوئی بہت ہی بے چاری سی خاتون تھی۔ جس کی فریاد محبوب تک پہنچے بھی یا نہیں۔ لیکن اس کے انداز نے یقیناً کروڑوں نہیں تو لاکھوں دلوں کو تڑپا کر رکھ دیا ہوگا اور کئی دردمند دل والے حضرات تو سامان باندھنے کو اٹھ کھڑے ہوئے ہوں گے۔ سخاوت تو یوں بھی آج کل کے نوجوانوں کے سینوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ماں کی ہزار آوازوں پر نہ اٹھنے والے بیٹے معشوقہ کی ایک پکار پر دوڑنے والے بانکے سجیلے بن جاتے ہیں۔ گھر والوں کے کہنے پر ایک کلو ٹماٹر تک تو لا نہیں سکتے ہاں گر کوئی صنف نازک ایک پاؤ چلغوزے بھی مانگ لے تو خود کو گروی رکھ کر بھی لے آتے ہیں۔ اور میرا خیال تھا اگر بڑی بڑی آنکھوں والی طرحدار سی میزبان بس اتنا ہی کہہ دے کہ ان موصوفہ سے شادی کون کرنا چاہتا ہے تو ایک منٹ میں رشتوں کی لائن لگ جائے گی۔ لیکن وہ فقط مسکرا کر بولی تو یہ۔

"ہاں جی تو مس فروا! شکیلہ کے اس سوال پر آپ کا حساب کیا کہتا ہے؟" اور مس فروا جو بنا دوپٹے کے جدید تراش خراش کے لباس میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بڑا اکڑ کر بیٹھی ہوئی تھیں کچھوے کی مانند کچھ اور گردن نکال کر مسکرائیں۔

"بہت اچھا سوال کیا ہے مس شکیلہ نے۔ لڑکی ہو یا لڑکا یہ سوال سب کی زندگیوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ زندگی کا وہ رخ ہوتا ہے جو آپ کو ایک نیا موڑ دیتا ہے۔ اور مجھے یہ بتاتے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آنے والا سال بہت سے لوگوں کے لیے بہت سی خوشیاں لے کر آئے گا۔ بہت سے رکے ہوئے کام حل ہوں گے کیونکہ زحل اپنے مدار سے نکل آیا ہے اور خاص طور پہ جو شکیلہ کا ستارہ ہے وہ تو......"

"ارے واہ۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا آپ بھی مارننگ شوز دیکھتے ہیں۔ اور پھر فروا کمال کا ستاروں کا حال۔ ہائے سچ میں کیا کمال کی باتیں کرتی ہے۔ سو فیصد سچ۔ جو بتاتی ہے نا بالکل ویسا ہی ہوتا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے کسی نے اپنی جاب کے لیے پوچھا تھا۔ اس نے بتایا......"

"لاحول ولاقوۃ۔ میں کیوں دیکھنے لگا یہ فضول خرافات۔ عجیب بے تکے سوالات اور اس سے بڑھ کر بے ڈھنگے جوابات۔ وہ تو یوں ہی اسکرول کرتے اس کلپ پر ہاتھ لگ گیا اور تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے کہ تم بہت پابندی سے دیکھتی ہو ان محترمہ کے مارننگ شوز۔ حد ہے یار۔ تم سے مجھے ایسی بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔ یہ سب تو چینل کے اسکرپٹ کا

ا ہے۔ اپنے اپنے پروگرام کی ریٹنگ
کے لیے آج کل ہر کسی نے ایسی ایک
اتون پکڑ کر بٹھا لی ہے۔ بھلا بتاؤ جنہیں
نگ کے کپڑوں جوتوں اور میک اپ کے
ونڈنے سے فرصت نہ ملتی ہو ایسی خواتین کو
ں الف بے کا بھی کیا پتا۔ یہ سب تو تک
ل رہی ہیں یہاں۔ ڈرامہ ہے یہ سب۔
م کو کام سے لگا رکھا ہے اور جو کام سے لگے
فارغ کر ڈالا۔ ان جیسی عورتوں نے تو

بنگالی بابا جیسے کئی اور بابوں کا کاروبار ٹھپ ک
ہے اور سب سے برا حال تو ان بے چارے
والوں کا ہوا ہے۔ جو فٹ پاتھ پر ٹاٹ بچھا
دس بیس بیس روپوں میں فال نکالا کرتے تھے
بھلا کما کر شام میں وہ بھی بچوں کو دال روٹی کھلا
ہوں گے۔ لے کر اس پر بھی ان لوگوں نے لا
دی۔ اب میں نے کبھی کسی فٹ پاتھ پر ال
نکالنے والوں کو نہیں دیکھا۔ چلتا کر دیا سب کو
کیا جانے کتنی آہیں سمیٹے بیٹھی ہیں یہ حسن کے

پھرتے شاہکار۔"

میں نے سیل فون ٹیبل پر رکھ کر گرما گرم کافی کا مگ اٹھالیا جو بیگم میرے لیے بنا کر لائی تھی۔ اور اس نے گھنی پلکیں اٹھا کر خفگی سے مجھے دیکھا تھا۔

"آپ تو ٹھیک ٹھاک بدگمان ہو رہے ہیں۔ سب کو ہی جھوٹ کا پلندہ قرار دے دیا۔ جبکہ اب ایسا بھی نہیں اوران کی وجہ سے کسی کا کاروبار کیوں ٹھپ ہونے لگا۔ ان پڑھ بابوں اور فال نکالنے والوں سے آج کل کے آسٹرولوجر کا بھلا کیا مقابلہ۔ اب فرواکمال کو ہی لیجیے۔ بہترین یونیورسٹی کی ڈپلوما ہولڈر ہے......"

"تم نے دیکھی ہے اس کی ڈگری؟"

"آں ---- دیکھی تو نہیں۔ لیکن اس نے خود بتایا تھا کہ وہ دہلی کی یونی ورسٹی......"

"اور تم نے یقین کرلیا اُو۔ جانے دو یار۔ یہ آن دا اسکرین لوگ اوران کی باتیں۔ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ جنہیں تم اسٹیج پر بڑی بڑی باتیں کرتا دیکھتی ہو۔ یہ سب بھی دراصل اداکار ہی ہوتے ہیں۔ بس یہ ہے کہ ان کی کیٹگری ذرا الگ ہوتی ہے۔ یوں سمجھو یہ لوگ وہ مسالا ہوتے ہیں جو چاٹ پر اس کا ذائقہ بڑھانے کے لیے چھڑکا جاتا ہے۔ یہ لوگ بزنس کرتے ہیں میری جان بزنس۔ خیر ہم یہ کیا ٹاپک لے کر بیٹھ گئے۔ تم یہ بتاؤ امی اور سب لوگ کہاں ہیں۔ کوئی نظر نہیں آرہا۔" میں نے مگ واپس میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"امی اور شازمہ تو شاندانہ کی طرف گئی ہیں۔ اس کی ساس کی عیادت کے لیے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ثانیہ اور ضیغم ابھی آفس سے نہیں لوٹے اور ابو جی مسجد سے۔ باقی رہ گئیں بوا جی تو وہ بھی نماز پڑھ رہی ہیں اور شکر ہے وہ مصروف ہوئیں۔ جب سے امی اور شازمہ گئی ہیں انہوں نے ایک منٹ کے لیے مجھے اپنے پاس سے اٹھنے نہیں دیا۔ میرا کتنا ٹائم ضائع کروادیا۔ جبکہ میں نے لاکھ کہا کہ مجھے کھانا بنانا......"

"کیا......؟ مطلب تم نے اب تک کھانا نہیں بنایا؟" میری تو چیخ ہی نکل گئی اس اطلاع پر۔

"کہاں سے بناتی۔ بوا جی ہلنے دیتیں تو تب نا۔ پتا نہیں کہاں رہ کر اتنی بڑی ہوئی ہیں۔ بالکل بچوں کا سا حال ہے۔ اکیلے کمرے میں بیٹھتے انہیں ڈر لگتا ہے۔ گھبراہٹ ہوتی ہے۔ ان سے کہا بھی کہ میرے ساتھ کچن میں چلیں۔ میں وہاں کھانا بنالوں گی اور آپ آرام سے بیٹھی رہیے گا۔ مگر نہ جی انہیں تو کچن کا سوچ کر ہی پالا (سردی) لگ رہا تھا۔ لاکھ کہا میں وہاں ہیٹر جلادوں گی۔ مگر انہیں تو ہیٹر سے الرجی۔"

"اُف۔ اب تم یہاں کھڑے باتیں بنا کر میرا دماغ مت کھولاؤ۔ پلیز گو۔ کھانے کا کچھ کرو یار۔ بھوک سے برا حال ہے میرا۔" میں تڑپ اٹھا۔

"اچھا نا جارہی ہوں۔ وہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ بوا جی کے روم میں چلے جائیں۔ اگر وہ یہاں آگئیں نا تو پھر آپ کو پتا ہے ان کا۔ ایک تو وہ کمرے کی ہر چیز کا بغور جائزہ لیں گی اور پھر......"

"اچھا بابا۔ میں نے سن لیا۔ مجھے پتا ہے بوا جی کا۔ میں چلا جاتا ہوں ان کے روم میں۔ لیکن پلیز فار مائی سیک، تم تو کچن میں چلی جاؤ یا آج بھوکا مارو گی مجھے۔"

"توبہ ہے کیسی الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔ جارہی ہوں میں اور آپ......" وہ دروازے تک جاتے جاتے پھر پلٹی۔

"وہیں جارہا ہوں میری جان کی دشمن۔ آفس سے تھکا ہارا آیا ہوں اور بجائے اس کے کہ تم میرے آرام کی فکر کرو۔ الٹا مجھے زبردستی بوا جی کے پاس بھیج رہی ہو۔ یاد رکھنا اس ظلم پر میں قطعاً معاف نہیں کروں گا تمہیں۔" میں نے اسے گھورا اور اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ بوا جی کی پکارنے جہاں اس کے پیروں میں پھرکی باندھی وہیں میں بھی چھپاک سے باہر تھا۔

☆☆☆

"آئے ہائے کیا زمانہ ہوا کرتا تھا وہ بھی۔ جب ہر گھر کی صبح اللہ کے پاک نام سے ہوا کرتی تھی۔ گھر کی بہو بیٹیاں منہ اندھیرے ہی اٹھ کر کاموں سے لگ جایا کرتی تھیں۔ کوئی آٹا گوندھ رہی ہے۔ کوئی لسی کی بلو

ہے۔ کوئی صحن میں لگے بستر سمیٹ رہی ہے۔ کیا رونقیں ہوا کرتی تھیں وہ بھی۔ میں جب بیاہ کر اپنے سسرال گئی تو یہ بڑی حویلی تھی ہماری۔ دو کنال پر تو باغ ہی تھا اس کے پچھواڑے۔ جامن' آم' شہتوت' کھجور کے یہ اونچے اونچے درخت تھے وہاں اور ایسے ہرے بھرے کہ دیکھتے ہی طبیعت سرشار ہو جاتی۔ اللہ بخشے اگلے ہی دن میری ساس نے میرے ہاتھ میں نئی جھاڑو پکڑا کر کہا تھا۔ یہ لو دلہن آج سے اس باغ کی ذمہ داری تمہاری۔ اب اس کی دیکھ ریکھ' صفائی ستھرائی کا تمہیں ہی خیال رکھنا ہے۔ تم جتنا دل سے اس پھلواری کو سنبھالو گی۔ بس سمجھ لینا اتنے ہی تمہیں بھاگ لگیں گے۔ اور میں ٹھہری سدا کی سیدھی سادی۔ ان کی اس بات کو پلو سے باندھ لیا۔ ہر روز جو لور کے تڑکے اٹھ کر وہاں پیر دھرنا تو سورج سر پر آ جاتا تھا مگر مجال ہے جو کبھی ماتھے پر اک شکن بھی آئی ہو۔ یا پھر کسی کے سامنے تھکان کا اظہار کیا ہو۔"

"افف۔ اس کا مطلب ہے بواجی آپ کی ساس تو انتہائی ظالم خاتون تھیں۔ آپ جیسی پتلی پتنگ لڑکی کو اتنے بھاری کام پر لگا دیا تھا انہوں نے۔"

بواجی کی رام کہانی سن کر شازمہ شدید دکھی لہجے میں بول اٹھی تھی۔ مجھے اس کے انہیں دیے گئے خطاب پر بے اختیار ہنسی آئی تھی۔ مگر جسے بوجہ ادب دبا گیا۔ کیونکہ ہماری بواجی (جو کہ دراصل ابو کی سب سے چھوٹی اور پیاری پھوپھو ہیں۔ جو دو ماہ قبل ہمارے ہاں آئیں تو بطور مہمان تھیں۔ مگر پھر جن کا دل کچھ اس طور لگا کہ اب یہاں سے جانے کا ذکر تک نہیں کرتیں) خاصی نازک مزاج ہیں۔ مگر صرف مزاج کی حد تک۔ باقی اگر انہیں کسی بات پر یا کسی پر غصہ آ جائے تو ان کا اگلے کی گردن پر ایک پاؤں رکھنا ہی کافی ہوگا۔ اور تیسرے دن آپ کو اس بے چارے کے قل شریف پڑھوانا پڑیں گے۔ خیر یہ سب تو ایک مذاق تھا۔ ویسے بواجی بہت زندہ دل خاتون ہیں۔ چونکہ خاندان میں بچ جانے والی واحد بزرگ ہیں۔ اسی لیے بھی ہم سب انہیں خصوصی محبت اور عزت دیتے ہیں۔ ان کے آنے سے ہمارے گھر سب اکثر ان کے پاس بیٹھے گپ شپ لگا رہے ہوتے۔ وہ باتیں ہی خوب مزے کی کرتی تھیں۔

"ہائے نہیں بیٹا جانے والوں کی برائی نہیں کرتے اور وہ ظالم نہیں تھیں۔ بڑی بھلی مانس عورت تھیں۔ بہت ہی اصول پسند۔ زندگی میں بہت سی اچھی باتیں میں نے ان ہی سے سیکھیں۔ اب یہی دیکھ لو وہ جب تک زندہ رہیں۔ انہوں نے اپنی پانچ بہوؤں کو ایک ہی گھر میں رکھا تھا اور میری نظر میں ایک عورت کی یہ بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ رنگ رنگ کے مزاج کی بہوؤں کو سنبھالنا کوئی آسان بات نہیں ہوتی۔ کسی کے نخرے اونچے۔ کسی کی باتیں وکھری تو کسی کی عادتیں۔ لیکن سب کو یک جان کر لینا بڑے ہی دل گردے کا کام ہے بیٹا۔ یہ تو میں نے بھی جب اپنی تین بہوئیں سنبھالی نا تو تب جا کے خبر ہوئی کہ کس مشکل سے انہوں نے سب کو ایک مٹھی میں کر رکھا تھا۔ اب تم اپنی بھابھیوں کی ہی مثال لے لو۔ بڑی اور چھوٹی دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"وہ کیسے بواجی؟" ان کی بات نے میرے بڑھتے قدم روک لیے تھے۔ میں وہیں ان کے سامنے جا بیٹھا۔

"اے میاں تم کہاں سے ادھر آن ٹپکے۔ یہاں خالص عورتوں کی باتیں چل رہی ہیں۔ تمہارا بھلا یہاں کیا کام۔" وہ کھٹاک سے کچھ یوں بولیں کہ میں شرمندہ سا ہوتا پھر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ...... سوری۔ مجھے پتا نہیں تھا۔ آپ کریں خالص عورتوں کی باتیں میں......"

"دس از ناٹ فیئر بواجی۔ کون سی عورتوں کی باتیں۔ حد کرتی ہیں آپ بھی۔ آپ کو میں عورت نظر آ رہی ہوں۔" شازمہ تڑپ کر گویا ہوئی۔ بواجی نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر اک چپت رسید کی۔

"سچ ہی کہتے ہیں آج کل کی نسل میں ذرا برداشت نہیں اور عقل تو سمجھو چھلنی میں لے کر آئے ہیں۔ ارے ذرا سا مذاق کیا تھا میں نے تم دونوں تو تتے

موسوی۔ ایک تو تمہاری ماں نے بھی اللہ جانے تمہارا نام کہاں سے نکالا تھا۔ لیتے ہوئے زبان کو بھی بل پڑتا ہے۔ اور یہ لو خیر سے بڑی عمر ہے نام لیا اور حاضر۔ تمہاری ماں بھی ادھر ہی آ گئی۔ چلو اچھا ہے۔ میں رات ہی سوچ رہی تھی کہ بہو سے بات کروں گی۔"

"کون سی بات بوا جی۔" امی دن سیٹر پر آن فروکش ہوئیں۔

"ارے بھئی وہی جس پر میں دیکھ رہی ہوں تمہارا رتی بھر دھیان نہیں ہے۔ میں تمہیں ایسا سمجھتی تو نہیں تھی۔ میرا تو خیال تھا تم ایک سمجھ دار عورت ہو۔ آدھا دن کتابیں پڑھ کر گزارتی ہو۔ آخر کچھ سیکھا تو ہوگا ان سے۔ مگر مجھے تو لگتا ہے سب پڑھ کر گنوا دیا۔ سچ پوچھو تو مجھے خوشی نہیں ہوئی تمہارے اس رویے سے۔ یہی وہ دن ہیں جب تم انصاف کا ترازو ہاتھ میں پکڑ لو گی تو آگے کے دن بھی تمہارے سکون اور توازن میں گزریں گے۔ مگر میں تو حیران ہوں کہ تم کیسے اتنی لاپروائی برت رہی ہو۔"

"ارے۔ ارے بوا جی ہوا کیا ہے۔ آخر ایسی کیا خطا سرزد ہوئی ہے مجھ ناچیز سے۔ پہلے وہ تو بتائیں مجھے۔" امی تو بوکھلا اٹھیں۔ ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ پھر انہیں۔

"میں نے کب کہا کہ خدانا خواستہ تم نے کوئی خطا کی ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا بہو۔ اور اللہ نہ کرے ایسی کوئی نوبت آئے۔ قبل اس کے کہ کسی اور کی توجہ اس طرف ہو۔ تم اس سے پہلے ہی دھیان کر لو۔ اب دیکھو زرنش بچی صبح سے اٹھ کر کام میں لگی ہوئی ہے۔ اس کا ایک پاؤں اپنے کمرے میں ہوتا ہے اور ایک باورچی خانے میں۔ مانو اس وقت میں پہیہ بنی ہوتی ہے بے چاری۔ میاں کو تیاری میں مدد دینا۔ سب کا ناشتا بنانا۔ ایک ایک کا خیال رکھنا اس اکیلی کے لیے یقیناً مشکل ہوتا ہوگا۔ جبکہ اب گھر میں افراد بھی زیادہ ہو چکے ہیں اور ایک وہ ہمارے چھوٹے میاں کی دلہن ہے۔ صبح سویرے بنی ٹھنی کمرے سے باہر آتی ہے۔ آرام سے بنا بنایا ناشتا کیا۔ اور میاں کا ہاتھ پکڑ مزے سے یہ جا وہ جا۔ شام ڈھلے گھر واپسی ہوگی۔ بنا بنایا کھانا کھایا اور پھر کمرے میں۔ اللہ اللہ۔ تے خیر صلا۔ اتنے مہینے ہو گئے چھوٹے میاں کی شادی کو اور اس نے ابھی تک گھر کے کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالا تو اس میں سراسر تمہاری ہی کوتاہی بنتی ہے۔ دیکھو میرا مقصد خدانا خواستہ اس گھر میں کوئی فساد ڈالنا نہیں ہے۔ لیکن میں کیا کروں کہ کہیں ہوتی ناانصافی اور کسی کی صاف نظر آتی غلطی مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوتی۔ بے شک تم برا مان جاؤ پر میں تو خدا لگتی کہوں گی۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا۔"

بوا نے دوٹوک اور واضح الفاظ میں اپنا موقف بیان کیا تھا اور جو ٹھاکر کے میرے دل کو لگا تھا۔ واقعی یہ سب میں بھی دیکھ رہا تھا۔ زرنش کو صبح میں کچن میں چھوڑ کر جاتا تھا اور واپسی پر بھی مجھے وہ وہیں ملتی تھی۔ گھر میں افراد بڑھنے سے ظاہر ہے اس پر کام کا بوجھ بھی بڑھ گیا تھا اور اب اکثر اسی وجہ سے اس کے چہرے پر تھکن کے آثار بھی ہوتے تھے۔ لیکن یہ شکر ہے کہ اس نے ابھی تک مجھ سے اس بارے میں کوئی شکایت نہیں کی تھی۔ اور یقینی طور پر یہ اس کی اعلا ظرفی تھی۔ جو وہ خندہ پیشانی سے سب ذمہ داریاں سنبھال رہی تھی۔

"آپ نے تو بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے بوا جی۔ آپ کی بات بالکل درست ہے۔ لیکن میں تو ثانیہ کی جاب کی وجہ سے اسے اب تک رعایت دے رہی تھی۔ مگر یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ میں انجانے میں اک بڑی کوتاہی کا شکار ہو رہی ہوں۔ ایسے میں تو زرنش کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اور یہ واقعی ٹھیک نہیں ہو رہا۔ اب آپ ہی بتائیں اس مسئلے کا کیا حل نکالا جائے۔" امی کو بھی فوراً احساس ہوا تھا۔ انہوں نے بوا جی سے ہی مدد مانگ لی۔

"بھئی میں نے بھی تین تین بہوئیں سنبھالی ہیں اور جب تک انہیں ایک گھر میں رکھا۔ ان تینوں کے درمیان پورے گھر کے کام بانٹ رکھے تھے۔ اور یہ بھی ہدایت کر رکھی تھی کہ اگر کبھی کوئی بحالت مجبوری اپنی ذمہ داری پوری نہ کر سکے۔ تو دوسری اس کی مدد کر

دے۔ تاکہ کسی اور وقت میں اسے بھی آسانی میسر آسکے۔ یوں مل جل کر گھر کا نظام چلتا رہتا تھا۔ ان کے درمیان نا اتفاقی اور ناچاقی کا امکان بھی کم رہتا کہ اس طرح انہیں بھی ایک دوجے کی اہمیت اور ضرورت محسوس ہوتی رہتی تھی۔ تم میری مانو تو اسی طرح ان دونوں میں کام کی تقسیم کردو۔ صبح پہلے چھوٹی بہو باورچی خانے میں جائے اور اپنا اور میاں کا ناشتا بنالے۔ تاکہ اسے پھر دفتر کے لیے میاں اور خود اپنی تیاری میں آسانی رہے۔ اور باقی سب کے لیے جیسے روز زرنش بناتی ہے وہ ویسے ہی بنائے۔ یوں اس وقت میں اس کے لیے کام بھی کم ہو جائے گا۔ بھی میاں کو تیاری کروانے میں بھی آسانی ہوگی۔ صفائی ستھرائی اور کپڑوں کی دھلائی کے لیے ملازمہ آتی ہے نا۔ اسے تم خود دیکھ لیا کرو۔ ارے تم بھی ذرا کتابوں سے سر اٹھا کر چلا پھرا کرو۔ اس طرح صحت بھی بہتر رہتی ہے۔ اور سارے گھر کی خیر خبر بھی۔ اور دوپہر میں تو سارے مرد باہر ہوتے ہیں۔ ہلکے پھلکے ناشتے کھانے سے کام چل جاتا ہے۔ ہاں شام کا کھانا ثانیہ بہو کے ذمے لگاؤ۔ اگر وہ نوکری کرتی ہے تو یہ اس کا شوق اور اس کے میاں کی مرضی ہے۔ اگر اسے کوئی مسئلہ لگتا ہے۔ تو صاف کہو پھر نوکری چھوڑ دے۔ اور آرام سے گھر داری کرے۔ جیسے زرنش کر رہی ہے۔ اور پیچھے بچی ہماری شازمہ گڑیا۔ تو یہ دونوں بھابیوں کا برابر ہاتھ بٹایا کرے گی۔ بھئی اسے بھی تو ہم نے کام کاج سکھانے ہیں۔ آخر کل کلاں کو اس نے بھی تو اپنے گھر جانا ہے۔ کیوں کیا خیال ہے۔ ٹھیک ہے نا؟" بوا جی اسے دیکھتے شرارت سے مسکرائیں۔ وہ منہ بسورتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوہو...... بوا جی آپ کی باتوں میں لگ کے تو بالکل کسی بات کا احساس نہیں رہتا۔ مجھے یونی کے لیے تیار ہونا تھا۔ بھئی میں تو چلی۔"

"ارے...... ارے آرام سے...... یہ ہوا کے

میں تھامی ناشتے کی ٹرے کو بمشکل الٹنے سے بچایا۔ شازمہ کا بازو لگنے سے زمین برد ہونے والی تھی۔

"اوہ...... سوری...... سوری بھابھی۔ مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ آپ کی سواری باد بہاری سامنے سے آ رہی ہے ورنہ میں اپنی سواری کو پہلے ہی بریک لگا لیتی۔ خیر شکر ہے کہ بچت ہوگئی۔ نہیں تو صبح صبح یہ سامنے میری تو شامت بلا دیتا۔"

"تو بھلا ثانیہ کو تم سے کیا شکایت ہے۔ ارے میں ہوں یہاں، کسی کی مجال جو میری گڑیا کو کچھ کہے۔"

شازمہ کے تیزی سے بولے گئے جملے کی بوا جی کو کچھ اور ہی سمجھ آئی تھی۔ ہم سب ہنس دیے۔

"اوہ۔ بوا جی۔ کتنی اچھی ہیں آپ۔ کتنا خیال ہے آپ کو میرا۔" شازمہ نے ہنستے ہوئے ان کے گلے میں بازو ڈال دیے تھے۔

"ارے میری جان مجھے تو تم سب کا خیال ہے۔ سب میرے پیارے بچے ہو۔ مجھے تو سب کی ہی فکر رہتی ہے اور ادھر آؤ بہو۔ آرام سے ناشتا کرو یہاں ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر۔" انہوں نے زرنش کا ہاتھ تھام کر پاس بٹھانا چاہا تھا۔

"ارے بوا جی چولہے پر چائے رکھی ہے۔ آپ ناشتا شروع کریں۔ میں بس ابھی لے کے آئی۔" وہ ان کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے چلی گئی۔

"ماشاء اللہ۔ بہت ہی پیاری اور سمجھ دار بچی ہے۔ دل خوش کر دیتی ہے۔ اپنی ہے نا تو سب کا احساس کرتی ہے۔ مگر مزا تو تب ہے جب اسے بھی اسی اپنائیت کا احساس دلایا جائے۔ کیوں بہو؟" بوا جی نے ایک ابرو اچکاتے امی سے تائید چاہی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

بزرگ بھی کتنی بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ بالکل ایک گھنے سایہ دار درخت کی مانند جن کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں گھروں میں اترنے والی دھوپ کو وقت سے

بچے ان سے نالاں رہتے ہیں۔ لیکن جس طریقے سے انہوں نے اک اہم مسئلے کی نشاندہی دی اور پھر اس کا حل پیش کیا۔ میں تو ان کی فہم و فراست کا قائل ہو گیا تھا۔

زرنش میری بیوی ہے۔ مجھے اس سے محبت بھی ہے۔ فطری طور پر مجھے اس میں خوبیاں ہی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر کبھی کوئی کوتاہی نظر سے گزری بھی ہو تو شاید میں نے توجہ نہیں دی۔ اور میرے علاوہ گھر میں بھی اب تک کسی کو خاص شکایت نہیں ہوئی۔ بلکہ سب ہی اس کے رویے سے خوش اور مطمئن ہیں۔ بلا شبہ وہ ایک اچھی بیوی ہی نہیں اچھی بہو بھی ثابت ہوئی تھی۔ اور اب تو یہ صرف میرا ہی خیال نہیں تھا۔ بلکہ بوا جی نے بھی حمایت کر دی تھی۔ اور بھئی جب آپ کی پیاری بیوی کی خاندان کے بزرگ بھی تعریف اور توصیف کریں تو پھر سیروں خون تو بڑھتا ہی ہے۔ میرا دل پہلے سے کہیں بڑھ کر سرشار تھا۔ آج کی صبح مجھے ہر روز سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ اور وہ بھی۔ تب ہی تو میری نگاہ اس کے چہرے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ میں آئینے میں خود کے بجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔ سب چیزیں تو نکال دی ہیں آپ کی۔ یا پھر کچھ بھول گئی ہوں میں؟" وہ الماری کا پٹ بند کرتی فکر مند ہوئی تھی۔

"بہت ہی اہم چیز بھول گئی ہو ڈیئر وائف۔" میں نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورتے اور بوکھلا دیا۔

"اوہ میرے اللہ اب کیا رہ گیا؟ دیکھیں اب پہیلیاں مت بجھوانے لگ جایئے گا۔ جو چیز رہ گئی ہے جلدی سے بتا دیں۔ ویسے تو میں نے آپ کے موزے، گھڑی، سیل فون، نیلی فائل، بجلی کا بل یہ سب ہی کچھ تو ٹیبل پر رکھ دیا ہے۔ ان کے علاوہ اور کیا تھا؟" وہ ماتھے پر ہاتھ رکھے کچھ سوچتی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"یہ کون باندھے گا؟" میں نے مسکراتے ہوئے ٹائی اس کی آنکھوں کے آگے لہرائی۔

"افوہ۔۔۔ آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ اب اتنا سا

بھی بس جلدی سے آ جائیں۔" وہ دروازے کی جانب بڑھی تھی کہ میں نے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"اب ایسی دیر بھی نہیں ہو رہی مجھے۔ بن جائے گا ناشتا بھی۔ تم پہلے یہ ناٹ لگاؤ۔ اور دھیان سے کہیں غصے میں ناکس دینا۔ ویسے اس وقت دل تو یہی چاہ رہا ہو گا نا۔" میں نے شرارت سے اک آنکھ دبائی۔ وہ گھور کر رہ گئی تھی۔

"خدانا خواستہ میں کیوں چاہوں گی ایسا۔ آپ ہی تنگ کرتے ہیں مجھے۔ بچوں کی طرح ضد پر ہی اڑ جاتے ہیں۔ پہلے اچھا بھلا خود ہی شرافت سے تیار ہو جاتے تھے۔ اب ہر صبح سو سو نخرے اٹھانا پڑتے ہیں مجھے آپ جناب کے۔ سچ سچ بتائیں کہیں بوا جی کو آپ نے ہی تو صلاح نہیں دی تھی۔" اس کی تشکیک بھری نظریں میرے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"ارے میں بھلا ایسا ذہین و فطین کہاں۔ مجھے تو تمہارے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا ہے نہ سجھائی۔ یہ سب کچھ تو بوا جی کا اپنا دانشمندانہ مشاہدہ تھا۔ جس کے ثمرات اس وقت مجھے مل رہے ہیں۔ انہیں ہی فکر ہو رہی تھی تمہاری کہ بہو صبح سے رات تک کچن کی چکی میں پس رہی ہے اور یہ گھر صرف اس کی تو ذمہ داری نہیں ہے نا۔ اب ثانیہ کو بھی اس کا ہاتھ بٹانا چاہیے اور خصوصاً اس وقت میں تمہیں سارے گھر سے زیادہ صرف میرا خیال کرنا چاہیے۔ اینڈ بلیوی میں ان کے اس بہترین فیصلے پر دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔ وہ ہم سب سے ہی نہیں تم سے بھی بہت پیار کرتی ہیں اور یہ سب تو انہوں تمہارے ہی بھلے کے لیے کیا تھا۔ لیکن کیا تم خوش نہیں ہو؟"

مجھے فکر لاحق ہوئی تھی۔ ناٹ لگاتا اس کا ہاتھ تھاما۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے نچلے لب کا کونا دانتوں میں داب لیا۔ لیکن چہرے پر پھیلتا گلابی پن اور وہ مسکراہٹ جو وہ مجھ سے چھپانا چاہتی تھی۔ وہ اس کی چمکتی آنکھیں سے چھلک پڑ رہی تھی۔ میں نے بھی ستانے کو جھٹ سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیا۔

"جب تم خوش ہی نہیں ہو تو مت کرو میرا کوئی

ہاتھ پرے کر دیے۔ وہ کاندھے جھٹکتی پیچھے ہٹ گئی۔

”اوکے۔ ایز یو وش۔ میں اپنا ناشتا بنانے جا رہی تھی۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو پہلے جا کر اپنا ناشتا بنا لیجیے۔ کہیں آپ آفس سے لیٹ نہ ہو جائیں اور وہ آپ کا کھڑوس باس آپ کو صبح سویرے ہی جھاڑنے لگے۔“

”ارے ——— ارے اللہ کی بندی یہ اس وقت کس کا تذکرہ نکال بیٹھی ہو۔ وہ چنگیز خان کا بچہ کہیں میرے پیچھے لگ ہی نہ جائے اور مذاق برطرف اب جلدی سے جا کر ناشتا بناؤ کہیں سچ میں دیر نہ ہو جائے۔ چلو چلو جلدی کرو۔“ میں اپنی چیزیں سمیٹنے لگا وہ بھی ہنستی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ میں اس کے پیچھے ہی کچن میں آیا تھا کہ اسے عین دروازے میں سر تھامے کھڑے پایا۔ میں تو گھبرا ہی گیا۔ لپک کر اس تک آیا۔

”کیا ہوا۔ ایسی کیوں کھڑی ہو؟“

”آپ نے بوا جی کو کوئی صلاح دی تھی یا نہیں۔ لیکن اب تو مجھے شک ہی نہیں بلکہ پکا یقین ہے کہ انہیں ایسا عظیم مشورہ میرے کسی دشمن نے ہی دیا تھا۔ اُف۔ دیکھیں تو آج پھر شانزیہ اتنا پھیلاوہ کر گئی ہے۔ کسی بھی چیز کو واپس اس کی جگہ پر رکھنا تو جیسے اس کی شان کے خلاف ہے۔ مجال ہے جو ———“

”اوہ گاڈ۔ زرنش کی بچی تم نے مجھے دہلا کے رکھ دیا۔ یہ بھی کوئی بات ہے یوں پریشان ہونے والی۔ یار سمجھا کرو اس نے آفس جانا ہوتا ہے۔ اسے جلدی ہوتی ہے۔ تم یہ کیوں نہیں دیکھ رہیں کہ وہ کم از کم اپنا اور ضیغم کا ناشتا تو بنا گئی ہے۔ تمہاری ذمہ داری میں کچھ تو کمی آئی ہے نا۔ اور اس پھیلاوے کا کیا ہے۔ سمٹ جائے گا۔ تم یہ سب چھوڑو۔ میرے لیے ناشتا بناؤ۔ ہری اپ۔“ میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ بھی بڑبڑاتے ہوئے چولہے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

”ارے واہ...... کیا سچ میں —— اوہ یہ تو بڑے مزے کی خبر ہے۔ جلدی سے بتاؤ پھر کیا سوچا تم نے اور دیکھو اگر آج کل اسٹڈیز کی وجہ سے سوچنے کا وقت نہیں

عامل کو ملاؤ۔ تمہیں جھٹ اس کا سلوشن مل جائے گا۔ تمہارے لیے یہ مبارک رہے گا یا منحوس فوراً پتا چل جائے گا۔ ہے نا۔ کیسا اچھا مشورہ دیا ہے نا؟“

شانزمہ حسب معمول ضرور اپنی کسی سہیلی سے بات کر رہی تھی۔ مجھے اس کے الفاظ نے چونکا دیا تھا۔ اسکرین سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ اب جنتے ہوئے اس طرف کی بات سن رہی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی بوا جی کے تیکھے چتون بھی اسے ہی حصار میں لیے ہوئے تھے۔ یقیناً ان کے لیے بھی اس کا دیا گیا ”مشورہ“ اچنبھے کا باعث بنا تھا۔ اور میرا لیا اندازہ غلط نہیں تھا کچھ ہی دیر میں اس کے کال ڈراپ کرتے ہی انہوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

”ارے لڑکی یہ کس سے بات کر رہی تھیں تم اور یہ کیا الٹے سیدھے مشورے دے رہی تھیں۔ اور کس کا نام لیا تم نے عامل کل ——— فلل ———“ وہ اٹک کر رہ گئیں۔

”عامل قلوس بھٹر بوا جی۔“ شانزمہ نے جلدی سے ان کی مشکل آسان کی۔

”ارے ہاں جو بھی ہے وہ کم بخت ——— مجھے تو نام سے ہی کوئی فراڈیا لگ رہا ہے۔ اور توبہ ——— توبہ ——— یہ آج کل کے بچے بھی کیا سیکھ رہے ہیں۔ بھلا کسی کام کے لیے عاملوں سے بھی مشورے لیے جاتے ہیں کیا۔ ارے وہ کم عقل اور بدنیت بھلا کیا جانیں غیب کا علم۔ علم تو دین دار، نیک عمل اور صالح لوگوں کی میراث ہوا کرتا ہے۔ لیکن آنے والے کل پر تو ان کا بھی اختیار نہیں۔ وہ بھی اگلا وقت بتانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مسئلہ آن پڑے یا کوئی کام رک جائے تو اس کے لیے ہمارے بزرگوں نے تو ہمیں استخارہ کرنا سکھایا تھا۔ کہ یہ اللہ کا حکم بھی ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ بھی۔ تم بھی اپنی سہیلی کو کوئی ایسا ہی صائب مشورہ دیتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔ اب سچ مانو تو بہت دکھ ہوا ہے تمہاری اس بات سے۔ تم کیسے جانتی ہو اس منحوس آدمی کو؟“

”ارے ...... ارے آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔

اکثر عائزہ کے منہ سے ہی سنتی ہوں۔ ایکچو ئیلی اس کی ماما کچھ توہم پرست سی خاتون ہیں۔ وہ اپنا ہر کام شروع کرنے سے پہلے ان ہی عامل صاحب کے پاس جاتی ہیں۔ وہ بہت معتقد ہیں ان کی۔ انہیں لگتا ہے کہ ان کے مشورے سے ان کا ہر کام باآسانی ہو جاتا ہے۔ جبکہ عائزہ کا خیال ہے کہ ان کے گھر میں ہرآنے والی مصیبت کا سہرا ان ہی عامل موصوف کے سر جاتا ہے۔ اسے سخت چڑ ہے ان سے اور میں تو اسے یونہی تنگ کرنے کو چھیڑ رہی تھی۔ اس کے کزن جوزف کا رشتہ آیا ہے نا اس کے لیے۔ امریکا میں ہوتا ہے وہ۔ اور میں اسے استخارہ کرنے کا مشورہ کس طرح دیتی۔ وہ تو کرسچن ہے نا بواجی۔'' شازمہ نے تو انتہائی معصومیت سے بتایا تھا۔ مگر بواجی کو تو پورے چارسو چالیس وولٹ کا کرنٹ لگا۔

''کک..... کیا کہا..... کیا ہے وہ۔''

''کرسچن..... مطلب عیسائی.....'' شازمہ نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''لاحول ولاقوۃ۔ یونی ورسٹی یہ کرنے جاتی ہو تم۔ چوڑوں سے دوستیاں کرنے۔ کہاں ہے تمہاری ماں فوراً بلاؤ اسے۔ تم سے پہلے تو اس کے کان کھینچوں۔ کیا وہ ذرا خیر خبر نہیں رکھتی تمہاری۔ ارے میرے بچے کسی سے دوستی گانٹھنے کا نام بھی لیتے تھے نا تو پہلے میں خود جا کر اگلوں کا پورا خاندان چھان کر آتی تھی۔ پھر اجازت ملتی تھی انہیں کسی سے صاحب سلامت بنانے کی اور یہ آج کل کی ماؤں کا حال دیکھو۔ سوئی پڑی ہوتی ہیں ہر معاملے میں۔ کچھ پتا ہی نہیں باہر بچے کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ تم ابھی جس سے اتنے ٹھٹھے لگا رہی تھیں۔ پڑھائی کے علاوہ وہاں یونی ورسٹی میں کیا اس کے ساتھ مل کر کھاتی پیتی بھی ہو؟''

''جی بالکل..... اور ہم تو.....'' اور بواجی نے اسے مزید بولنے ہی نہ دیا۔ جھڑک کر بولیں۔

''ہائے۔ ہائے۔ پرے ہٹو لڑکی اور کان کھول کر سن لو۔ آئندہ خبردار جو میرے لیے اپنے ہاتھوں سے کچھ کھانے پینے کو لائیں۔ حد ہو گئی۔''

''حد تو واقعی ہی میں ہو گئی ہے بواجی۔ آپ نے تو حیران کر دیا ہے مجھے۔ یہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں۔ آپ تو پانچ وقت کی نمازی ہیں۔ قرآن پاک کی باقاعدہ تلاوت کرتی ہیں۔ اور پھر بھی ایسا رویہ۔ ہمارا مذہب تو ہمیں دوسرے تمام مذاہب کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا سکھاتا ہے۔ اور ہماری تعلیم بھی ہمیں یہی سکھاتی ہے۔ آپ کو پتا ہے ہماری یونی میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ اور طالبات پڑھتے ہیں۔ جن میں سب کے سب مسلمان ہی نہیں ہیں بلکہ وہاں ہندو' عیسائی' سکھ اور بھی کئی مذاہب کے ماننے والے ہیں۔ اور ہم سب ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ ہم نے کبھی کسی سے تفرقہ نہیں رکھا۔ بلکہ ہمیں تو ہمارے ٹیچرز نے ہی گروپس میں تقسیم کر رکھا ہے۔ تاکہ ہمیں ایک دوسرے کا احساس رہے اور ہم پڑھائی میں ایک دوسرے کی مدد بھی کر سکیں۔ وہاں ہم کسی کو اس نظر سے نہیں دیکھتے کہ وہ کون ہے۔ وہاں ہم سب ایک جیسے انسان ہوتے ہیں اور عائزہ تو بہت بریلینٹ اسٹوڈنٹ ہے۔ وہ ہمارے گروپ کی ہیڈ ہے اور کیا آپ جانتی ہیں۔ اب تو حالات بہت بدل چکے ہیں۔ ہمارے وطن میں پہلے بھی اقلیتوں کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اور اب تو مزید توجہ دی جا رہی ہے۔ ان سے تعلقات بہتر بنائے جا رہے ہیں۔ حکمران بھی ان کی مذہبی تقریبات میں جانے لگے ہیں۔ ان کے لیے نئے راستے کھولے جا رہے ہیں..... اور.....''

''ہاں باہر والوں کے لیے راستے کھولے جا رہے ہیں اور اندر والوں پر زندگی کے راستے تنگ کیے جا رہے ہیں۔ ان موئے حکمرانوں کی تو بات رہنے ہی دو تم۔ اس معاملے میں میرا منہ مت کھلوانا ورنہ کھری کھری سنا دیتی ہوں میں اور بات سنو تم یہ بات کو کہاں سے کہاں لے گئی ہو۔ میں تمہیں کیا کہہ رہی تھی۔ اور تم مجھے کس طرف الجھا رہی ہو۔ بس میں نے صاف کہہ دیا آئندہ اس لڑکی سے دور ہی رہنا۔''

وہ سخت خفا ہوتے ہوئے اٹھ کر چلی گئیں۔

''میں اس سے کیسے دور رہ سکتی ہوں جب ایک ساتھ پڑھنا لکھنا' اٹھنا بیٹھنا ہے تو۔۔۔یہ بواجی بھی نا۔ بھلا یہ کوئی بات تھی ناراض ہونے والی۔ اففف۔ یہ اب امی اور ابو کو بھی میرے پیچھے لگا دیں گی۔ بھائی آپ دیکھ رہے ہیں ان کو۔'' وہ میرے آگے فریاد کناں ہوئی تھی۔

''بہت اچھے سے دیکھ لیا ہے میں نے۔ اور یہ سب دیکھ کرنا مجھے ایک نصیحت بھی ہوگئی ہے۔'' میں نے رخ اس کی طرف پھیرا۔

''وہ کیا؟'' وہ میرے پاس آ بیٹھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھتے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

''میری پیاری سی بہنا وہ یہ کہ تمہاری اس درگت کو لائیو دیکھنے کے بعد میں نے کبھی بھول کر بھی اپنے ان تین کولیگز کا تذکرہ بواجی کے سامنے نہیں کرنا۔ جن کے لیے میں ابھی آن لائن کرسمس گفٹس سرچ کر رہا تھا۔''

''ہیں سچ ..... ارے یہ آپ نے خوب یاد دلایا۔ مجھے بھی عائزہ کے لیے گفٹ لینا ہے۔ آپ نے اپنے کولیگز کے لیے کیا پسند کیا دکھائیں ذرا؟'' وہ میرے سیل فون پر جھک آئی۔ جسے میں نے فوراً دور کیا۔

''ڈیئر سس ..... جو میں نے ان کے لیے پسند کیا۔ تمہاری سہیلی کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ سو اس کے لیے تم خود کچھ دیکھ لو۔''

''اوکے۔ وہ تو میں دیکھ لوں گی۔ ویسے ایک خیال آ رہا تھا ذہن میں۔ اب دیکھیں نا ہمارے ہاں تو عید کے آنے کا سن کے ہی ہر طرف مہنگائی کا طوفان اٹھا دیا جاتا ہے۔ غریب بے چاروں کو تو اس ایک عید کی شاپنگ کرنا پہاڑ سر کرنے کے برابر لگ رہا ہوتا ہے۔ کجا کہ اگلی عید کی تیاری۔ مگر وہ عائزہ ہے نا وہ بتا رہی تھی کہ اس کا ننھیال امریکا میں ہوتا ہے۔ وہاں ہر سال اس مہینہ یعنی کہ دسمبر میں گرینڈ سیلز لگتی ہیں۔ تمام چیزوں پر ففٹی اور کہیں تو سیونٹی پرسنٹ آف ہوتا ہے۔ اور جو اس کے ماموں اور خالہ ہیں نا وہ ان دنوں میں وہاں کی تقریباً ہر مارکیٹ سے شاپنگ کرتے ہیں۔ اور اس طرح کرتے کرتے وہ اگلے پورے سال کی شاپنگ کر لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ گرومری کی بھی کئی اشیاء اسٹور کر لی جاتی ہیں۔ سچی ایسے کتنا فائدہ رہتا ہوگا نا ان کو۔ ایک بار خرچا تو ہو جاتا ہوگا لیکن بار بار کی دردسری سے جان چھوٹ جاتی ہوگی۔ بازاروں میں روز روز جانا اور شاپنگ کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ مجھے بھی یہ کام بہت ہی بورنگ لگتا ہے۔ اگر ہمارے ملک میں بھی ایسا کوئی نظام بن جائے تو میں بھی سارے سال کی شاپنگ ایک ہی چکر میں کر لوں۔ مگر اس کے لیے پیسے بھی تو اتنے ہی زیادہ چاہیے ہوتے ہوں گے نا۔ ہے نا بھائی؟'' وہ مجھ سے تائید چاہ رہی تھی۔ میں نے سر ہلا دیا۔

''آہ ہا— ہمارے یہ خواب اور خیال۔ ویسے چلیں پورے سال کی شاپنگ بھی ایک مشکل کام ہی ہے۔ لیکن تھوڑی سی شاپنگ کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے نا کیوں بھائی؟'' وہ ایک بار پھر مجھ سے سوال کناں ہوئی تھی۔ سیل کی روشن اسکرین پر اسکرولنگ کرتے میں نے دوبارہ سر ہلا دیا۔ وہ اب مجھے کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی اور میری نظریں بے شک اس کے چہرے پر نہیں تھیں۔ لیکن میں اس کے سب رنگ اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ وہ بار بار شاپنگ شاپنگ کس لیے کر رہی ہے۔ سب سمجھ میں آ رہا تھا لیکن اسے تنگ کرنے کا بھی اپنا ہی مزہ۔ میں سنجیدہ صورت لیے اپنے مشغلے میں گم تھا۔

''اور ہاں یاد آیا کچھ دن پہلے بھابھی بھی کچھ ایسا ہی ذکر کر رہی تھیں۔ انہیں شاپنگ پر جانا تھا۔ لگتا ہے بھول گئیں۔ ٹھہریں میں انہیں یاد کروائی۔''

''خبردار، جو اس کے سامنے نام بھی لیا۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ اگر وہ بھول گئی ہے تو اللہ کا واسطہ اسے بھولا ہی رہنے دو۔ کیوں دشمن بنتی ہو میری چھوٹی سی جیب کی۔ اب مجھے یہ بتاؤ تمہیں کتنے پیسے چاہئیں؟'' کیسی اور کہاں کی سنجیدگی۔ میں نے جھٹ والٹ نکالا۔

''یہ ہوئی نا بات۔ ویسے جتنا آپ آسانی سے دے سکتے ہیں دے دیں۔''

''آسانی تو اسی میں ہے کہ یہ والٹ واپس جیب میں ڈال لوں۔'' میں نے اسے چڑایا۔

''بھا.....'' اس نے پھر منہ کھولا تھا کہ میں نے

جتنے ہاتھ لگے اتنے نوٹ اس کی ہتھیلی پر دھر دیے۔

☆☆☆

پہاڑی علاقوں میں موسم کی پہلی برفباری شروع ہو چکی تھی۔ اسی باعث سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ آج تو آسمان سے دھند بھی سرِ شام ہی اتر آئی تھی۔ ہر نظارا دھندلایا ہوا تھا اور تمام چیزیں برف کی طرح ٹھنڈی۔ مگر مقامِ حیرت تو یہ تھا کہ ایسے ٹھٹھراتے ہوئے ماحول کے باوجود میرے کمرے کا ٹمپریچر بنا کسی ہیٹر کے بھی گرم تھا۔ فوری تو سمجھ ہی نہ سکا مگر جب زوجہ ماتھے پر بل ڈالے منہ پھلائے یہاں وہاں خواہ مخواہ کی چک پھیریاں کاٹتے ہوئے اٹھا پٹخ بھی کرتی رہی تو سمجھنے میں قطعاً دشواری نہ رہی کہ اصل میں تو مزاجِ یار گرم ہے۔ یہ جو مجھ تک لپٹیں آ رہی ہیں سب اسی کا شاخسانہ ہے۔ لیکن اس کا موڈ اس بری طرح آف کیوں ہے۔ اس سے یہ پوچھنے کا مطلب؟ تو وہی ہے جو میرے سب شادی شدہ بہن بھائی جانتے ہوں گے کہ ایسے وقت میں آپ کا نصف بہتر کیسا ری ایکٹ کر سکتا ہے۔ اور میں ٹھہرا ایک معصوم انسان۔ ہر شریف آدمی کی طرح مجھے بھی بیوی کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ سو بہتری اسی میں تھی کہ چپ چاپ منہ سر لپیٹ کر بستر میں دبک جاؤں اور میں یہی کرنے کو تھا کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ دھپ سے میرے پاس آن بیٹھی۔ میں زبردستی ہونٹ پھیلا کر مسکرا دیا۔

"ماشاء اللہ...... آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔ یہ زنک کلر بہت اٹھتا ہے تم پر۔ بالکل ایسے ہی کہ جیسے صرف تمہارے لیے بنا ہو۔" بیوی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے جھوٹی تعریف کا ٹھنڈا پانی ڈالیں۔ ہر سمجھدار شوہر کی طرح میں نے بھی یہی ٹرک آزمائی تھی۔ مگر یہاں تو الٹا اثر ہوا۔ اس نے سرخ ہوئی آنکھوں کو مزید کھول کر مجھے گھورا۔

"ایک تو آپ بھی نا کلر بلائنڈ ہی رہیں گے۔ کس نے کہا یہ زنک کلر ہے؟ غور سے دیکھیں یہ بوتل گرین کلر کا سوٹ ہے میرا۔" (دھت تیرے کی)۔

"اوہ...... اچھا اچھا...... ہاں وہ مجھے نیند آ رہی ہے نا تو شاید اس لیے کچھ غلط کہہ گیا۔ اور تم بھی مجھے بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔ چلو چھوڑو ساری باتیں میرا خیال ہے آرام کرتے ہیں۔"

"ہاں آپ تو یہی کریں۔ اور کام ہی کیا ہے اس کے سوا۔ صبح کے منہ اندھیرے آفس چلے گئے شام کو گھر آئے کھایا پیا آرام کیا۔ رات پڑی سو گئے۔ یہی تو زندگی ہے اور بس۔ میں تو جیسے اس کمرے کا کوئی فالتو سامان ہوں۔ جس کی آپ کو نہ فکر ہے نہ پروا۔ مجھ پر جو بھی بیت جائے آپ کی بلا سے۔"

"ارے۔ ارے یہ کیسا الزام ہے مجھ ناچیز پر۔ کب تم سے غفلت برتی ہے میں نے۔ کس دن پروا نہیں کی۔ میرے اس کمرے میں سب سے زیادہ قیمتی اور انمول صرف تم ہو۔ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں تمہیں۔ اور کمال ہے تم ہی گلہ کر رہی ہو۔ دس از ناٹ فیئر یار تمہیں اچھی طرح پتا ہے تم کیا ہو میرے لیے۔ اور پھر بھی ایسا شکوہ۔ تمہارے منہ سے کچھ جچتا نہیں۔ میرا قصور کیا ہے پہلے یہ تو بتاؤ ملکہ عالیہ پھر کوئی دفعہ لگانا مجھ پر۔" میں تو جذباتی ہو گیا اس کے الفاظ پہ۔ اور وہ تو پہلے ہی اس کیفیت میں گھری ہوئی تھی۔ منہ بسورتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کسی کا میں کیا قصور نکالوں گی۔ اور آپ کو کچھ کہنے کی میری کیا مجال۔ آپ تو آرام کریں میں ہی دفع ہو جاتی ہوں یہاں سے۔" اور میں نے جھٹ بازو تھامتے اسے اگلا قدم اٹھانے سے روکا۔

"بری بات یہ کس لہجے میں بول رہی ہو۔ اینڈ مائی سوئیٹ وائف آئی ایگریڈ کہ تم بنا میک اپ کے بہت پیاری لگتی ہو۔ تمہارا یہ حسین چہرہ ویسے ہی بہت گلو کرتا ہے۔ اسے چمکانے کے لیے تمہیں کبھی کسی مصنوعی سہارے کی ضرورت نہیں پڑی لیکن آج یہ غصہ کیوں۔ دیکھو تم جو کہنا چاہتی ہو وہ بنا پہیلیاں بجھوائے بھی کہہ سکتی ہو۔ میرا باس تو دماغ کی لسی بنانے کا ماہر مانا جاتا ہے۔ لیکن تم تو اس سے بھی بڑھ گئیں، کچی لسی بنانے پر ہی تل گئی ہو۔ جو بھی مسئلہ ہے وہ تم مجھے سیدھے سبھاؤ بتا

سکتی ہو۔اس طرح کسوٹی کھیلنے کا مطلب؟"

"پاگل ہوگئی ہوں میں۔دماغ خراب ہوا ہے میرا۔" وہ تنک کر کہتی پھر سے بیٹھ گئی تھی۔

"کمال ہے۔اتنی سردی میں تو پکا ہوا ساگ مہینہ بھر تک خراب نہیں ہوتا اور یہاں تمہارا دماغ ایک ہی دن میں خراب ہوگیا۔صبح تو بھلی چنگی چھوڑ کر گیا تھا میں تمہیں۔یہ میرے آتے آتے....."

"پلیز صمصام۔اگر آپ نے اسی طرح مذاق ہی اڑانا ہے میرا تو پھر بہتر یہی ہے کہ آپ آرام ہی کریں اور چھوڑیں میرا ہاتھ۔" وہ رو دینے کو تھی۔اٹھنے کو پر تولے میں نے اس بار بھی کوشش ناکام بنادی۔

"اچھا چلو اب کچھ نہیں بولتا میں۔تم کہو جو بات تمہیں پریشان کیے ہوئے ہے۔کیا ہوا ہے۔کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟"

"کیا کہنا ہے کسی نے۔کچھ باتیں نہ کہہ کر بھی کہہ دی جاتی ہیں۔ان کے لیے لفظوں کا پیرہن ضروری نہیں ہوتا۔رویوں کا جامہ بھی پہنایا جاسکتا ہے۔آپ کو پتا ہے نا کتنا پیار کرتی ہوں میں شازمہ سے۔لیکن اب میں دیکھ رہی ہوں کچھ دن سے وہ بدلتی جارہی ہے۔آپ کو پتا ہے آج کیا ہوا۔اس کی کسی فرینڈ کے ہاں بھتیجا پیدا ہوا ہے۔اس سنڈے اس کا عقیقہ ہے اور امی نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس دن اس کے ساتھ چلی جاؤں۔وہ اسے اکیلے کہیں جانے کی اجازت نہیں دیتی ہیں اور جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں میں ہی تو جاتی ہوں اس کے ساتھ۔چاہے کسی سہیلی کے گھر جانا ہو یا شاپنگ پر اور میں نے شازمہ سے اتنا ہی پوچھا تھا کہ اسے بچے کے لیے کوئی گفٹ لینا ہوگا یا کچھ اور خریدنا ہے تو ہم اکٹھے چلے جائیں گے۔اب دیکھیں نا میں نے اس سیزن کی اب تک کوئی شاپنگ نہیں کی۔سارے کپڑے جوتے اور بیگ پچھلے سال کے ہیں جو آؤٹ آف فیشن ہو چکے ہیں۔اب اس تقریب میں جانے کے لیے کم از کم ایک ڈھنگ کا جوڑا تو ہونا میرے پاس۔مگر اس نے تو صاف کہہ دیا۔

"ارے نہیں۔نہیں بھابھی گفٹ تو امی نے منع کردیا۔انہوں نے کہا ہے۔نقد رقم تحفے میں دے دینا بہتر ہے کیونکہ اتنے سے بچے کے کپڑے تو دس دن بعد ہی چھوٹے پڑ جاتے ہیں۔اور کھلونوں سے کھیلنے کی عمر میں تو ابھی کافی ٹائم پڑا ہے۔اور مجھے بھی کچھ خاص نہیں خریدنا تو اسی لیے میں تو شاپنگ پر نہیں جاسکتی۔تو پھر ایسا کرتے ہیں آپ رہنے دیں۔اس روز ثانیہ بھابھی میرے ساتھ چلی جائیں گی۔ان کے پاس تو بہت سارے جوڑے ہیں اور کئی تو انہوں نے ابھی پہنے ہی نہیں۔اور پھر اس دن سنڈے بھی ہے ان کے آفس کا مسئلہ بھی نہیں ہوگا۔اور یوں میرا مسئلہ حل ہوجائے گا۔بلکہ میں ابھی ان سے بات کرکے آتی ہوں۔"

"ارے تو اس میں غلط کیا ہے۔کیا ہوگیا ہے تمہیں زرنش۔شازمہ اب بھی تم سے اتنا ہی پیار کرتی ہے۔تم کیوں اس کی محبت پر شک کررہی ہو یار!اور پھر ثانیہ کا بھی اس سے وہی رشتہ ہے جو تم سے ہے۔اب وہ اسے بھی اپنی سہیلیوں سے ملوانا چاہتی ہوگی۔تو بھئی یہ اس کا رائٹ ہے۔اور یہ تم نے کب سے اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر پریشان ہونا شروع کردیا ہے۔مجھے بہت حیرت ہورہی ہے۔میں تو اس زرنش کو جانتا ہوں جو فراخ دل اور بڑے ظرف کی مالک ہے۔جو سب سے پیار کرتی ہے۔اور سب کا احترام کرتی ہے۔جسے رشتوں کو توازن سے برتنا آتا ہے۔اور جانتی ہو میں اس کی من موہنی صورت کا عاشق تو ہوں ہی لیکن اس کی انہی پیاری عادتوں کی وجہ سے اس کے عشق میں دیوانگی کی حد تک پاگل ہو چکا ہوں۔میری دنیا اس سے شروع ہوکر اسی پر ختم ہوتی ہے۔وہ میرا جنون ہے۔اور میں چاہتا ہوں مجھ پر یہ خماری تا عمر برقرار رہے۔میں اس مدہوشی سے باہر نہیں آنا چاہتا۔سو پلیز ڈونٹ بریک دس اینچن۔"

میں نے بولتے بولتے سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔ہاتھ اب بھی میرے ہاتھ میں تھا۔شازمہ نے ضرور میری اس دن کی بات کو یاد رکھتے زرنش سے یہ رویہ اختیار کیا ہوگا۔میں خوب سمجھ گیا تھا۔مگر اب یہ بات کسی اور طریقے سے زوجہ کو بھی سمجھانا تھی

اور ہر سیانے شوہر کی طرح میرا طریقہ کار بھی صرف اور صرف محبت کا ٹانک تھا۔ جو ہمیشہ پر اثر رہتا ہے اور وہی ہوا جو اب تک ہوتا آرہا تھا۔ وہ سارا غصہ بھول بھال بچوں کی سی معصومیت سے مسکرادی۔

"ایک تو آپ بھی نا۔ بس باتیں بنانے لگتے ہیں۔ کبھی تو میری کسی بات کو بھی سنجیدگی سے سن لیا کریں۔"

"اتنی دیر سے میں ہی سن رہا تھا۔ اب میری باری ہے زوجہ محترمہ! اور اب آپ کو سننا ہے اور خبردار ہمیشہ کی طرح بھاگنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ میں نے تو ابھی صرف ہیڈ لائن لگائی ہے۔ پورا مضمون تو باقی ہے۔"

"پورا مضمون سننے بیٹھ گئی نا تو میرے کئی کام رہ جائیں گے۔ ابھی بواجی کے لیے قہوہ بھی بنانا ہے۔ میں دیکھوں انہوں نے نماز عشاء پڑھ لی ہوگی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ان کا قہوہ تیار کرنے کے بعد اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے اس خاکسار کے لیے مزیدار سی کافی بھی بنا لائیے گا۔" میں نے لگاوٹ سے فرمائش کی تھی اور اس کا جواب حسب توقع تھا۔

"ابھی لائی۔" اور اس کے کمرے سے نکلتے ہی میں نے سر اٹھائے چھت کو تکتے اک گہرا سانس لیا تھا۔

☆☆☆

"اے بہو۔ مغرب کی نماز بھی ہو چکی۔ شام ڈھل گئی۔ لیکن یہ بچے ابھی تک گھر کو نہیں لوٹے۔ میرا تو دل ہولنے لگا ہے۔ پتا تو کرو کہاں ہیں یہ سارے کے سارے؟" لاؤنج میں ٹی وی دیکھتی امی سے بواجی کہہ رہی تھیں۔ جب میں وہاں پہنچا۔

"یہ لیں جی آپ کا ایک بچہ تو آگیا آپ کے پاس۔" میں ان کے گرد بازو پھیلا کر ساتھ بیٹھ گیا۔

"ماں صدقے جائے۔ شکر ہے کوئی تو آیا۔ میں تو فکر مند ہوگئی تھی۔ پورا دن گزر جاتا ہے تم لوگوں کو دیکھے بنا۔ اب کچھ زیادہ ہی دیر نہیں کرنے لگے تم سب؟"

"ارے کہاں بواجی۔ آفس ٹائمنگ تو وہی ہے۔ بس یہ ہے کہ اب دن خاصا چھوٹا ہو گیا ہے۔ پہلے کہیں سات بجے کے بعد اندھیرا ہوا کرتا تھا اور اب پانچ بجے ہی دن ڈوب جاتا ہے۔ اسی لیے آپ کو ایسا لگ رہا ہے اور ہاں ابھی میں راستے میں تھا جب مجھے ضیغم کا فون آیا تھا۔ وہ اور ثانیہ کچھ دیر سے آئیں گے۔"

"خیریت۔ اب یہ آدھی رات کو کون سی میٹنگ ہے ان کی؟" امی پوچھ رہی تھیں۔

"میٹنگ نہیں ہے۔ ان فیکٹ ثانیہ کے چھوٹے بھائی کو جاب ملی ہے۔ وہ اسے وش کرنے گئے ہیں۔"

میں نے زرنش کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے بتایا۔ جو بلیک سوٹ پر ریڈ ویلوٹ کی دلکش شال لیے خود بھی بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ ہلکا سا میک اپ اور سنہری جیولری نے اس کا روپ کچھ اور اجال دیا تھا اور مجھے یاد آگیا اس کی یہ خاص تیاری آج اپنے میکے جانے کے لیے تھی۔ صبح ہی تو اس نے مجھ سے کہا تھا۔ کئی روز ہو گئے تھے اسے سب سے ملے ہوئے اور اسی یاد دہانی کے لیے اس نے مجھے دن میں کئی بار کال بھی کی تھی۔ اب میں بے اختیار نظر چرا گیا۔ اس کے چہرے پر یک لخت اترتی سنجیدگی میری نگاہ سے مخفی نہیں رہی تھی۔ وہ پلٹ کر بیڈروم کی جانب مڑ گئی۔

"اوہ...... اچھا...... چلو یہ تو اچھی بات ہے۔ اللہ بچے کو ترقی دے۔ ابھی تمہارے ابو آتے ہیں تو انہیں کہتی ہوں۔ کال کر کے ابراہیم بھائی کو مبارک باد دے دیں۔" امی کہہ رہی تھیں۔

"جی ضرور۔ اور میں فریش ہو کر آتا ہوں بوا جی۔ پھر گپ شپ کرتے ہیں۔" خالی گلاس میز پر رکھتے میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں...... ہاں بالکل جاؤ۔ بدلو یہ کسے ہوئے کپڑے۔ اللہ جانے کیسے سارا دن گزارتے ہو تم لوگ اس بدیسی لباس میں۔ یہ موئے انگریز ہمارے گھر سے جا کر بھی ہمارے درمیان سے نہیں گئے۔ ہر جگہ اپنی نشانیاں چھوڑ گئے اللہ مارے۔ لو بھلا بتاؤ مرد کی جو شان شلوار قمیص میں نظر آتی ہے وہ ان پتلونوں میں کہاں۔ یہ تو......" بواجی کی بات پر مسکرانا تو بنتا تھا مگر مجھ جیسا شوہر کیا خاک مسکراتا جسے گھر آتے ہی اک نئی فکر لاحق ہوگئی

ی۔زوجہ کا موڈ بری طرح آف ہو چکا ہے یہ میرا
یال ہی نہیں بلکہ وہ کھلی حقیقت تھی جس کا سامنا کرے
ں داخل ہوتے ہی کرنا پڑا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' میں نے تو محبت بھری
گاہ سے دیکھتے کہا تھا۔لیکن ادھر سے اک سرد نظر
سے نوازا گیا۔

''اچھی بیویاں تھکے ماندے شوہر کا استقبال اک
یار بھری مسکان سے کرتی ہیں۔تا کہ اس کی سارے
ن کی تکان اتر جائے۔مگر یہ کیا کہ تم نے میرے آتے
ں مجھے گھورنا شروع کر دیا ہے۔ایسی حسین صورت پر
راتی خرانٹ قسم کے تاثرات زیادہ دیر رکھے جائیں نا
جھریاں پڑنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔کیوں دشمن
ی ہو خود اپنی خوب صورتی کی۔چلو مسکرا کر دکھاؤ۔''

''مجھے تو رونا آرہا ہے کتنی بے چینی سے آپ کا
نتظار کر رہی تھی۔پتا ہے نا ہمیں کہاں جانا تھا۔میں
نے تو امی کو بھی بتا دیا تھا۔وہاں سب ہمارے منتظر
ں اور یہاں.....''

''مجھے اندازہ ہے۔لیکن میری جان تم بھی
ت کو سمجھو۔ضیغم اور ثانیہ وہاں دعوت پر تو نہیں گئے۔
ں نے بتایا تو ہے۔وہ آجائیں گے کچھ دیر تک اور
م نے کون سا شہر سے باہر جانا ہے۔کچھ لیٹ ہو
ائیں گے لیکن ہم جائیں گے ضرور۔تم خواہ مخواہ اپنا
ر میرا موڈ خراب مت کرو۔''

''موڈ تو خراب ہو گیا۔ثانیہ کے بھائی کو جاب ملی
ر وہ جھٹ اس کی خوشی میں شامل ہونے چلی بھی گئی اور
د ہے لاسٹ ملتھ بینش کا کیسا شاندار رزلٹ آیا تھا
مگر میرے کہنے پر بھی آپ مجھے اسی دن نہیں لے کر
گئے تھے۔آپ کے پاس تو وقت ہی نہیں تھا۔پورے
ندرہ دن بعد فرصت ملی تھی آپ کو۔میں تو اپنوں کی خوشی
ھی باسی کر کے مناتی ہوں اور اب بھی کتنے روز گذر
گئے ہیں مجھے وہاں گئے ہوئے۔سب کی صورت دیکھنے
کو ترسی ہوئی ہوں۔آج جانے کا پلان کیا بھی تو وہ بھی
ٹل گیا اور ثانیہ تو ہر ویک اینڈ پر جا کے مل بھی آتی ہے۔

تھا۔مگر یہ بات ہے ضیغم کی جو اس کی ہر خوشی کا خیال رکھتا
ہے۔اب آج کے آج ہی اسے میکے بھی لے
گیا۔اور ایک آپ ہیں جب بھی.....''

''ہاں..... ہاں اب رکھ دو سارے الزام مجھ
غریب پر۔گن گن کر نکالو میری غلطیاں۔کھنگالو ساری
ہسٹری۔میں ہی برا ہوں۔تمہارا خیال نہیں رکھتا۔تم
سے محبت نہیں کرتا۔تمہیں جان بوجھ کر میکے نہیں لے
جاتا۔تمہیں اپنوں سے ملنے نہیں دیتا کہ کہیں تم ان سے
میری شکایتیں نہ لگا دو۔ان سارے مظالم کی داستان نہ
سنا دو جو میں دن رات تم پر روا رکھتا ہوں۔میں تو جابر
ہوں۔بے حس ہوں۔میں تو.....'' زرنش نے کیا میری
خطائیں گنوانی تھی کہ میں اس سے پہلے ہی شروع ہو گیا
۔ایک تو سارے دن کی تکان۔پھر شہر بھر کی ٹریفک کے
اژدہام سے نبٹ کر آنا۔اس پر گھر پہنچتے ہی نیا فضیحتہ۔
ایک دم غصہ ہی ایسا آیا تھا کہ حد نہیں۔بے شمار محبت اور
بے اندازہ احساس کر کے بھی جب اپنے ہمدم سے کسی
کمی کا شکوہ سننے کو ملے تو پھر دماغ ایسے ہی گھوم جاتا ہے
جیسا کہ میرا۔میرا تو بس نہ چلا تھا کہ اسی طیش میں
کمرے کی ہر چیز اٹھا کر باہر پھینک دوں۔

''بس اب شروع ہو جائیں۔پہلے میری کوئی
بات سنی ہے جو آج سنیں گے۔یہی تو دکھ ہے مجھے کہ میرا
تو کوئی دکھ سننے والا ہی نہیں رہا۔کس سے کہوں جا کر
۔میری کیفیت کو سمجھنے کے بجائے الٹا مجھ پر ہی گرم ہو
رہے ہیں۔آپ کو تو موقع ملنا چاہیے مجھ پر برسنے کا
۔ایسا بھی کیا غلط کہہ دیا میں نے جو اتنا برا لگ گیا
ہے۔۔ٹھیک ہی کہہ گئے ہیں سیانے۔سچ تو کسی کو
برداشت ہی نہیں ہوتا۔سچائی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔اگر
میں بہت سی باتوں پر چپ رہتی ہوں نا تو اس سے یہ
مت سمجھیں کہ مجھے اس کا احساس نہیں ہوتا۔مجھے بے
حد تکلیف ہوتی ہے۔بہت اندر تک درد ہوتا ہے۔مگر یہ
اور بات ہے کہ کبھی گلہ نہیں کرتی۔''

''تو اب کیا کر رہی ہو؟'' اس کی بھیگتی پلکیں
دیکھ کر مارے بے بسی کے میں فقط اتنا ہی پوچھ سکا۔

کی ہے۔" وہ ویلوٹ شال کے پلو سے آنکھیں رگڑ
کر مزید لال کر چکی تھی۔ اور میں اس کی انتہا درجے
کی معصومیت کو دیکھتے اش اش کر اٹھا۔

"واہ کیا کہنے۔ صدقے جاؤں تمہاری اس ذرا
سی بات کے۔ بلکہ اس ذرا سی بات کا ہی صدقہ اتاروں
ذرا خبردار جو آئندہ تم نے مجھ سے یہ ذرا سی بات کی۔
جانتی ہو اگر تم اسی طرح کی ذرا ذرا سی باتیں کرتی رہی نا
کسی دن میری یہ ذرا سی جان بھی جا سکتی ہے۔"

"اللہ نہ کرے کیسی فضول بات کر رہے ہیں۔" اس
کی بھیگی آنکھوں میں یک دم ڈھیر ساری خفگی اتری تھی۔

"لو بھلا میں نے کب کی فضول بات؟ میں
نے بھی تو ذرا سی بات ہی کی ہے۔" میں نے اس کی
پلک پر اٹکا اک موتی نرمی سے چنتے لاپروائی سے کہا۔

"ایک تو آپ بھی نا....." وہ ہمیشہ کی طرح
جلد ہی سارا غصہ بھول بھال میرے شانے سے سر ٹکا
چکی تھی۔ اور مجھے اس کی یہی ادا دل و جان سے پسند
تھی۔ اس کی خفگی کبھی بھی چند لمحوں سے زیادہ کی نہیں
ہوتی تھی۔ کہہ سن کر اندر کا غبار نکالا اور پھر پہلے سی
ہو گئی۔ اور اس کی اسی عادت کی وجہ سے میرا غصہ بھی
زیادہ دیر تک ٹک نہیں پاتا تھا۔ میں نے اسے اپنے
محبت بھرے حصار میں لے لیا۔

"ایک بات کہوں؟" میرے ہاتھ پر ہاتھ
رکھتے اس نے اجازت چاہی تھی۔

"ایک نہیں ہزار کہو۔" میں فراخدل بنا۔

"آپ نا اب مجھ سے اتنی محبت بالکل بھی نہیں
کرتے جتنی کہ حشیم ثانیہ سے کرتا ہے۔" اس نے
دھیمے لہجے میں ایک بار پھر "ذرا سی بات" ہی کی تھی۔
جو میری جان کے درپے ہوئے۔

اف..... اچھی بھلی زندگی گزار رہا تھا میں۔
کوئی پریشانی نہیں تھی مجھے۔ دکھ کیا ہوتا ہے میں نے
کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ کسی کو کبھی مجھ سے کوئی گلہ
شکوہ نہیں ہوا تھا۔ میں ایک مکمل انسان تھا۔ اس کے
علاوہ وہ خوش نصیب شخص جو دنیا کے چند ایک اچھے

میرے بھائی کی شادی ہو گئی اور بس..... اس دن
سے میرے برے دن شروع ہو گئے۔ اب ہر دن
میرا اور اس کا تقابل کیا جاتا ہے اور یہ کام کوئی اور نہیں
میری ہی بیوی کرتی ہے۔ میری ساری محبتوں کو پس
پشت ڈال کر اور میرے لیے یہ کتنا عظیم صدمہ ہے۔
کاش اسے کوئی بتا سکتا۔ ہائے۔ اس سے بڑا بھی ظلم
کوئی ہو گا اس روئے زمین پر۔ میں جاؤں تو جاؤں
کہاں۔ یا میرے اللہ۔ ہونٹ بھینچے بال مٹھی میں
جکڑے میں نے خود کو ضبط کی انتہاؤں پر پایا۔ میرے
اندر کا صمصام اس بے درد بیان پر چیخ رہا تھا۔ چلا رہا
تھا۔ بلکہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ مگر میرے لب
خاموش تھے۔ اتنے کہ اس نے سر اٹھایا۔

"کیا ہوا۔ کیا آپ کو میری بات بری لگی ہے؟"

اوہ میرے خدا۔ یہ بیویوں کی معصومیت بھی
نجانے اب تک کتنے بے چارے خاوندوں کی جان
لے چکی ہو گی۔ یہ ان وژیبل ویپن (ان دیکھا ہتھیار)
جانے اب تک کتنے قتل کر چکا ہے۔ کسی کو علم ہی نہیں اور
نہ گنتی شمار۔ یہ دنیا کا کتنا بڑا جرم ہے کاش کوئی قانون
دان اس پر غور کر سکے..... اور اگر میرا بس چلے نا تو میں
اس پر بڑے سے بڑی سزا کا اطلاق کر دوں۔ مگر آہ
میں اور میرے خیالات۔ میں صرف سوچ ہی سکتا ہوں
۔ ہر اس مقتول شوہر کی طرح جو یوں قتل ہونے کے بعد
پھر سے مسکرائے اور کہے۔

"بالکل بھی نہیں میری زندگی۔ مجھے پہلے کبھی
تمہاری بات بری لگی ہے جو اب لگے گی۔ میں تو یہ
سوچ رہا ہوں کہ کچھ وقت نکال کر حشیم سے کلاس لے
ہی لو۔ کچھ گر کی باتیں سیکھوں۔ کرتا ہوں انتظام۔
(اس کمینے حشیم کا)۔"

"ہاں بالکل کچھ سیکھ لیں۔ بہت ضرورت ہے
آپ کو۔"

"ضرورت تو مجھے اس وقت کھانے کی بھی
ہے۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔ اگر تمہاری باتیں ختم
ہو گئی ہوں تو کچھ اس طرف بھی دھیان کر لو۔ زندہ

کپکپائے تھے۔ وہ جھٹ اٹھی۔
"کھانا۔ ہاں میں لے کر آتی ہوں۔ مگر دیکھ
لیں۔ رات کے کھانے کی ذمہ داری بوا جی نے ثانیہ پر
ڈالی تھی۔ مگر ہر روز اس کے حصے کا کام بھی میں ہی کرتی
ہوں۔ کیا فائدہ ہوا اس کا نام لگانے کا۔ سب کچھ تو مجھے
ہی کرنا پڑتا ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہوتا ہے بھلا۔ ہر
دوسرے دن وہ اپنے میکے چل دیتی ہے۔ اور کوئی اسے کچھ
کہتا بھی نہیں۔ بوا جی بھی بس یونہی غصہ دکھا دیتی ہیں۔ اور
امی......" وہ پھر سے اسٹارٹ لے چکی تھی اور مجھے وہ دیوار
دکھائی نہیں دے رہی تھی جس سے سر ٹکرا سکوں۔

☆☆☆

پے در پے ہوتے دھماکوں سے تو یوں لگ رہا تھا
جیسے خدانخواستہ ہم بارڈر پر آن بیٹھے ہیں۔ پھر بار بار
بجتا ہولناک نقارہ۔ اس پر ہر دو منٹ بعد منچلے بغیر
سائلنسر کی بائیک پر ہاؤ ہو کرتے گلی میں سے یوں
گزرتے گویا پاگل کتے پیچھے لگے ہوں۔ یا شاید کاٹ
ہی چکے ہوں۔ اک طوفان بدتمیزی تھا جو چہار جانب بپا
تھا۔ عقل و شعور رکھنے کے باوجود بھی ہمارے نوجوان
اکثر موقعوں پر یوں ہلڑ بازیاں مچا کر جانے اپنے کس
جذبے کی تسکین کرتے ہیں۔ میرا بس چلتا تو ایسے
سارے یخنی خوروں کو کسی پنجرے میں بند کر کے چابی
دریا برد کرا آتا۔ میں تو پیچ و تاب کھا ہی رہا تھا۔ بوا جی بھی
گھبرا کر اپنے بیڈروم سے نکل آئیں۔
"اللہ رحم کرے یہ کیسا شور ہے باہر؟ کہیں کوئی
ہنگامہ ہو گیا ہے کیا؟" ان کے چہرے کا رنگ متغیر
تھا۔ شازمہ ہنس دی۔
"جی۔ بوا جی ہنگامہ تو ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ وہ بے
ہودہ ہنگامہ آرائی ہے ہماری قوم کے ان پرجوش نو
جوانوں کی جو نئے سال کو خوش آمدید کہنے کی خوشی میں مچا
رہے ہیں۔ آج اکتیس دسمبر کی آخری رات ہے نا اور کل
پہلی جنوری اور یہ سب پوری رات اسی طرح غل غپاڑہ
مچا کیے رکھیں گے۔ چاہے ان کے شور سے کوئی
گھبرائے۔ کوئی بیمار مزید بیمار ہو جائے۔ یا کوئی اس پر
آپ نے گھبرانا بالکل بھی نہیں ہے کیونکہ......"
"در فٹے منہ ان کم بختوں کا...... لے کے میری
جان ہی دہلا دی۔ میں تو ڈر ہی گئی کہ خدانخواستہ
کہیں آس پڑوس میں چور ڈاکو گھس آئے ہیں۔
ارے کہاں ہیں ان اللہ ماروں کے ماں باپ۔ کوئی
ان کو سمجھاتا کیوں نہیں۔ اتنی خوشی تو کوئی سگی پھوپھی
کی بارات کی نہیں مناتا۔ جتنا یہ کم بخت نئے سال کی
منا رہے ہیں۔" بوا جی نے شازمہ کا پورا بیان سننا
گوارا کیے بنا اپنا جاری کیا تھا اور وہ سانس لینے کو رکی
تھیں کہ شازمہ پھر سے شروع ہوئی۔
"یس یو آر رائٹ بوا جی۔ ان فیکٹ جب سگی
پھوپھی کی بارات آتی ہے تو عموماً سب چھوٹے چھوٹے
سے ہوتے ہیں نا۔ تو اس وقت اپنے بھونپو سے ہی
گزارا چل جاتا ہے۔ مگر نوجوانی کی عمر ہو اور آپ کے
پاس ایک عدد پھٹیچر سی بائیک کے علاوہ اس پر لادے
ہوئے دو چار آوارہ دوست بھی تو پھر پورے شہر کو بتانا
لازمی ہو جاتا ہے کہ نیا سال آ رہا ہے۔"
"ہاں جیسے اور تو کسی کو پتا ہی نہیں ہوتا۔ باقی
سب عقل کے اندھے ہیں نا۔ اتنی سردی پڑ رہی ہے
اور یہ ماؤں کے لال بستر میں دبکنے کے بجائے گلیوں
میں سیٹیاں بجاتے پھر رہے ہیں۔ بتاؤ ذرا انسانیت
تو رہ ہی نہیں گئی کہیں بھی۔ مجھے لے کے چلو ذرا باہر
دیکھو تو کیسے کان کھینچتی ہوں میں ان کے۔ ساری
طراری ہوا نہ ہو گئی تو کہنا۔"
"ارے چھوڑیں بوا جی۔ آپ کیوں اپنا خون
جلا رہی ہیں۔ یہ تو اب ہر بار کا معمول ہے۔ وہ تو
دہلے نکتے بچے ہیں کچھ دیر کو ہنس کھیل کے گھروں کی
راہ لیں گے۔ ہم کیوں جا کر کسی کی اولاد کے ساتھ سر
کھپائیں۔ آپ بھی مزے کریں اور یہ گرما گرم چکن
کارن سوپ پئیں۔ بہت دنوں بعد میں نے آج کچھ
اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ چکھ کر بتائیں کیسا بنا
ہے۔" امی بھاپ اڑاتے شیشے کے باؤل ٹرے میں
رکھے چلی آ رہی تھیں۔

پہلے کھائے تھے تمہارے پکائے کھانے۔اب تو ذائقہ بھی بھول گیا ہے۔ویسے طبیعت تو نہیں چاہ رہی مگر تمہیں ناراض بھی تو نہیں کر سکتی نا۔تمہاری خوشی کے لیے چکھ لیتی ہوں۔" بواجی کی کسر نفسی قابل توجہ تھی۔میں نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر باؤل پکڑ لیا۔

"ارے نہیں بواجی۔اب میری امی ایسی بے ادب بھی نہیں ہیں کہ آپ سے ناراض ہونے کی خطا کر جائیں۔یوں بھی رات کا وقت ہے۔آپ بد ہیزی نہ ہی کریں تو اچھا ہے۔نصیب دشمناں کہیں آپ کی طبیعت نا بگڑ جائے۔"

"لو اب میں ایسی کوئی انڈے کی شہزادی بھی نہیں ہوں۔جو اس مرچیلے پانی سے میری طبیعت بگڑ جائے گی۔ پیالہ ادھر دو مجھے۔دیکھوں تو سہی۔کیا رنگ گھولا ہے تمہاری ماں نے اور سنو تم تو بڑے وقت پر آجاتے ہو گھر۔لیکن یہ چھوٹے میاں آج پھر بیوی سمیت غائب ہے۔کتنا وقت ہو گیا دفتروں سے چھٹی ہوئے اور وہ دونوں ابھی تک نہیں لوٹے۔اس پر شہر بھر میں جو فساد مچا ہوا ہے۔مجھے تو سوچ کر ہی ہول پڑ گئے ہیں۔کسی جگہ ٹریفک میں تو نہیں پھنس گئے۔ذرا فون ملا کر پتا تو کرو کہاں رہ گئے وہ۔"

"آئی تھی بھائی کی کال۔کہہ رہے تھے کچھ کام ہے انہیں۔دیر سے واپسی ہو گی ان کی۔" پیالے میں چمچہ گھماتے شازمہ گویا ہوئی۔بواجی نے انگشت شہادت سے سنبھالا دیتے ناک سے پھسلتی عینک کے پیچھے سے اسے گھورا۔

"کب آیا تھا فون؟"

"یہی کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے۔اینڈ آئی تھنک اب تو وہ آنے والے ہی ہوں گے۔"

"ہک ہاہ۔۔ایک وہ زمانہ تھا جب ماں باپ سے مشورہ کیے بنا بچے پانی نہیں پیتے تھے۔اور ایک یہ دور ہے۔بس فون ملایا ایک جملہ کہا اور ہر ذمہ داری سے فارغ اور تو اور ماں باپ بھی ویسے ہی ہیں۔مجال ہے جو بچے سے پوچھ تاچھ کی جاتی ہو۔اگر اس لڑکے کے کان شروع کے دنوں میں ہی کھینچ لیے گئے ہوتے تو اب یہ نوبت نہ آتی۔ہونا ہو یہ لڑکا آج پھر بیوی کو لیے میکے چلا گیا ہو گا۔نیا سال آ گیا ہے خوشی بھی تو منانی ہوتی ہے اور میں دیکھ رہی ہوں بہو ان دونوں بچوں پر بالکل بھی نظر نہیں ہے تمہاری۔ہر دوسرے دن وہ بیوی کو لیے میکے جا گھستا ہے۔اور وہ بھی عین ایسے وقت۔جب گھر والے اس کی بیوی کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں۔کب وہ آئے اور چولہا سنبھالے۔مگر بھیا ان کے اپنے کام بھی تو ختم ہوں اور میں نے دنیا دیکھ رکھی ہے۔بتائے دے رہی ہوں ایسے مرد کی بیوی اک دن جوتوں سمیت اس کے سر پر چڑھ کر ناچتی ہے اور پھر جب وہ چار پیسے بھی کمائی ہو تو مانو دہرا نخرا ہو جاتا ہے۔آج وہ جو من میں آئے اور جہاں چاہے میاں کی پھرکی گھماتی چل پڑتی ہے۔سوچو کل کو کہاں تک نہ لے جائے گی۔تم بس دیکھتی ہی رہنا۔اور میاں تم بڑے بھائی ہو اس کے۔جیسے خود سیانے ہو ذرا اسے بھی عقل کی دو چار باتیں سکھا دو۔" امی کی کلاس لیتے لیتے بواجی کی توپوں کا رخ میری جانب ہوا تھا۔بے اختیار میری نگاہ اندر آتی اپنی زوجہ سے الجھی تھی۔اور اک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔انہیں کیا بتاتا کہ کسی کے نزدیک تو سیکھنے کی ضرورت مجھے تھی۔

"جو آپ کا حکم۔اسے آنے دیں ذرا دیکھیے گا کیسے خبر لیتا ہوں میں اس کی۔آپ سوپ پئیں۔ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" میں ان کا دھیان بٹانے میں کامیاب رہا تھا۔ہم سب سوپ پی چکے۔بلکہ اس پر سیر حاصل تبصرہ بھی ہو چکا۔پرائم ٹائم ڈرامہ ختم ہوئے بھی دیر گزری تب وہ طوطا مینا کی جوڑی ہنستے مسکراتے نمودار ہوئی اور قبل اس کے کہ ان سے کوئی استفسار کرتا کہ ثانیہ بتانے لگی۔

"ارے آپ سب کتنی خاموشی سے بیٹھے ہیں اور باہر تو جیسے رنگ و بو کا سیلاب امڈا ہوا ہے۔ایسی غضب کی سردی بھی کسی کو کچھ نہیں کہہ رہی۔لوگ تو دیوانے ہوئے پڑے ہیں۔اتنا شور ہے کہ کان پڑی

آواز سنائی نہیں دے رہی۔ ہر گلی ہر بازار میں استارش ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ سال کی آخری رات ہے نا تو ہم بھی شہر کی رونقیں انجوائے کرنے نکل گئے تھے۔ افف۔ مت پوچھیں کتنا مزا آیا۔ لانگ ڈرائیو اور شاپنگ۔ پھر ڈنر۔ اور آج کی اچھی بات یہ تھی کہ ہمیں نیو ایئر کی خوشی میں سیلری ایڈوانس میں ہی مل گئی تھی۔ تو سوچا تھوڑی سی عیاشی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہم نے آپ سب کے لیے بھی بہت مزیدار سا کھانا پیک کروالیا تھا۔ شازمہ تم یہ جلدی سے برتنوں میں نکال لاؤ۔ کہیں ٹھنڈا نہ ہو جائے۔''

''اور سب کے نیو ایئر گفٹس کہاں ہیں وہ بھی تو دکھاؤ۔'' ہیغم بولا۔

''بالکل دے رہی ہوں۔ آپ کیا سمجھے میں بھول گئی۔'' ثانیہ نے کارپٹ پر دھرے ڈھیر سارے شاپنگ بیگز اٹھا کر سینٹرل ٹیبل پر رکھے تھے۔

☆☆☆

''کوٹ پہننے کو اٹھے میرے بازو ہوا میں ہی معلق رہ گئے تھے۔ پھٹی آنکھیں' کھلا منہ' چہرے کا بدلتا رنگ' سکتہ کیسے ہوتا ہے۔ یہ میں نے ان لمحوں میں جانا تھا اور اس پل میں کیسا ہونق لگ رہا تھا یہ اس آئینے نے بتایا جس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ اور میرے پیچھے ہی اس کا عکس جھلملا رہا تھا جس کے احمریں لبوں سے نکلے صور نے مجھے اس حالت تک پہنچایا تھا۔ میرے اندر ایک دم سے جیسے کوئی ابال اٹھا تھا۔ جنوری کی پہلی یخ بستہ دھند بھری صبح میں یہ کیا سن رہا تھا میں۔ افف۔ اگلے ہی لمحے اک جھٹکا کھاتے پورا کا پورا گھوم گیا۔

''کیا..... کیا کہا تم نے..... کیا کرنا چاہتی ہو تم؟'' میری پھٹی آنکھوں کے اوپر کے ابرو تن سے گئے تھے۔ کڑے لہجے میں استفسار کیا۔

''جاب..... بتایا تو ہے۔ جاب کرنا چاہتی ہوں میں۔'' وہ نہایت اطمینان سے بولی تھی۔ اور میرا سارا اطمینان رخصت ہوا تھا۔ سر تا پا اسے اک تیکھی نظر سے دیکھا۔

''جاب کرنا چاہتی ہو۔ ہوں۔۔ اٹ مین کہ تمہیں کسی چیز کی کمی ہے۔ میں تمہاری خواہشات کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ میں تمہیں اب تک وہ خوشیاں نہیں دے پایا جو تمہارا حق تھا۔ میں تمہیں شادی کے فوراً بعد ہنی مون پر نہیں لے کے گیا تھا۔ رسم نبھانے کو کھلی کھڑکی سے مون دکھا کر چمچے سے کھلا دیا تھا تمہیں۔ ہاں مانتا ہوں یہ گناہ ہوا تھا مجھ سے۔ مگر پھر اس کی تلافی بھی تو کی تھی نا۔ لے کر تو گیا تھا ناردرن ایریاز اور اتنی ڈھیر ساری شاپنگ بھی کروائی تھی۔ اور وہ تمہارے فیورٹ برانڈ کا میک اپ۔ جس کی قیمت اب آسمان کو چھوتی ہے۔ لیکن جب بھی کچھ کہتی ہو تو لے تو آتا ہوں۔ اور وہ گل احمد اور کھاڈی اور الاں فلاں کی آؤٹ لیٹ پر جب بھی نیو کلیکشن آتی ہے تو کیا تمہاری فرینڈ گل زہرہ کے ساتھ تمہیں وہاں جانے کی اجازت نہیں دیتا؟۔ بتاؤ کیا یہ سب کچھ نہیں کرتا میں تمہارے لیے..... میں.....''

''اوہو۔ صمصام! آپ یہ کیا اول فول بولتے جا رہے ہیں۔ خدانا خواستہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں نے ایسا کب کہا۔ آپ اپنی طرف سے خواہ مخواہ کی باتیں مت بنائیں۔ جاب تو میں کسی اور وجہ سے کرنا چاہ رہی ہوں نا۔ پلیز ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ۔'' اس نے اپنے سرد ہاتھوں سے میرا ہاتھ پکڑا تھا جسے میں نے جھٹ چھڑایا۔

''اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ میں نے کبھی تمہیں کوئی کمی نہیں آنے دی نہ محبت میں اور نہ آسائشوں میں۔ تم ایک بار فرمائش کرتی ہو اور جسے میں دس بار بخوشی پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اکثر تو تمہارے کہنے سے پہلے چیز تمہارے سامنے آ جاتی ہے۔ ابھی بات تمہارے منہ میں ہوتی ہے۔ اور میں تمہاری آنکھیں دیکھ کر تمہارے اندر تک جھانک لیتا ہوں۔ مہینے میں دو بار بنا کہے میکے لے جاتا ہوں۔ لانگ ڈرائیو' آؤٹنگ' کبھی ڈنر بھی باہر کروا دیتا ہوں اور وہ بھی تمہاری پسندیدہ جگہ پر۔ اور پھر بھی۔۔''

''اف..... میرے اللہ..... آپ میری بھی سنیں گے یا خود ہی بولتے چلے جائیں گے۔ جاب تو میں ثانیہ کی وجہ سے کرنا چاہ رہی ہوں۔ دیکھا نہیں رات اس کے آنے سے پہلے بواجی اور امی اس پر کس قدر خفا تھیں۔ اور میرا تو خیال تھا کہ اس بار اس کی ٹھیک ٹھاک کھنچائی تو ضرور ہوگی۔ ہر دوسرے دن تو وہ آنے بہانے اپنے میکے چلی جاتی ہے۔ اس کے حصے کے کام بھی مجھے اور شازمہ کو کرنے پڑتے ہیں۔ مگر میں تو حیران رہ گئی۔ جب وہ آئی اور اسے کسی نے کچھ بھی نہیں کہا۔ نہ اس کی غلطی کا احساس دلایا۔ بلکہ سب ہی بھول بھال کر اس سے گپ شپ میں لگ گئے اور بواجی۔ انہوں نے بھی اسے کوئی سخت سست نہیں سنائیں۔ کمال ہی ہوگیا ویسے یہ تو اور یہ تو آپ بھی دیکھتے ہیں نا وہ ذرا ذرا سی بات پر مجھے کیسے نصیحتیں کرنے لگ جاتی ہیں۔ اور اسی بات کو سوچتے مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی۔ یہی خیال آتا رہا کہ کتنے مزے ہیں اس کے۔ کیسی بھرپور لائف گزار رہی ہے وہ۔ صبح اٹھتی ہے اپنا اور میاں کا ناشتا بنایا اور سیدھا آفس کو سدھاری۔ شام ڈھلے واپسی ہوئی۔ اک وقت کا کھانا بنایا۔ اور مزے ہی مزے۔ جب چاہا میکے چلی گئی۔ جب دل کیا شاپنگ اور اک میں ہوں۔ سارا دن گھر میں پڑی کام کرتی رہوں بس۔ میں بھی پڑھی لکھی ہوں کسی سے کم تو نہیں کہ کسی فل ٹائم ملازمہ کی طرح ایک ہی ڈیوٹی انجام دیے جاؤں۔ اسی لیے میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ مجھے بھی جاب کرنا چاہیے اور اس کے لیے مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔ آپ میرے لیے اچھی سی جاب تلاش کریں گے۔ اور بہت جلد۔ بس میں کچھ نہیں جانتی۔ سمجھے آپ۔''

اس نے تڑتڑ بولتے میری ''بولتی'' بند کروادی تھی۔ میں ہک دک اس کے ہلتے ہونٹ دیکھے جارہا تھا۔

''کیا ہوا اب ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔'' وہ میری مسلسل خاموشی پر کچھ جھنجلاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ میں نفی میں سر ہلاتے پھر آئینے کے روبرو ہوا۔

''موسم کے بدلنے کا بھی قدرت نے اک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ستارے بھی اپنی چال صدیوں میں بدلتے ہیں۔ مگر آہ یہ ظالم انسان کس وقت اور کب بدل جائے پتا ہی نہیں چلتا۔ اس شیشے میں نظر آتا تمہارا عکس بتا رہا ہے کہ یہ وہی چہرہ ہے۔ جس نے چند ماہ قبل ثانیہ کو اس گھر کا فرد بنانے میں بڑے دل سے جتن کیے تھے۔ ضیغم کو دلاسے دیے۔ مجھے قائل کیا۔ امی کو مشورے دیے تھے اور آج میں دیکھ رہا ہوں وہی زرنش اسی ثانیہ سے بیر پالے ہوئے ہے۔ مقابلے پر اتر آئی ہے۔ تم اس طرح سے بھی سوچ سکتی ہو۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا۔'' مجھے حقیقتاً دکھ ہوا تھا۔ جو میرے لہجے میں بھی گھل گیا۔ وہ بوکھلا کر بولی۔

''مم..... میں بھلا کیوں کرنے لگی مقابلہ۔ مجھے کوئی بیر نہیں ہے اس سے۔ میں تو بس ویسے ہی۔ بتایا تو ہے آپ کو کہ کیوں جاب کرنا۔''

''آج پہلا دن ہے نئے سال کا اور لگتا ہے تم مجھے لیٹ کروا کے رہو گی۔ کیوں سال کی شروعات باس کی جھڑکیوں سے کروانا چاہتی ہو۔ پلیز لیو دس ٹاپک۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ جلدی سے ناشتا لگاؤ۔''

''جج..... جی لگاتی ہوں۔'' وہ نظر چراتی لپک جھپک باہر کو چل دی تھی۔

میں دونوں ہاتھوں میں سر تھامے صوفے پہ جا گرا۔ سال کی پہلی صبح اور یہ سب۔ اففف۔ اب باقی کا سال کیسا گذرے گا۔ یہ جاننے کے لیے کیا مجھے فروا کمال سے رابطہ کرنا چاہیے..... نہیں..... نہیں..... وہ کیا نام تھا اس عامل کا۔ ہاں وہ فلوس بھلر..... ارے نہیں دفع کرو اسے۔ مجھے ضرور بواجی سے مدد مانگنا ہوگی۔

''کیوں دوستو۔ آپ کا کیا خیال ہے آپ ہی کوئی مشورہ دے دیں مجھے؟''

☆☆

فرحین جعفری

محبت اسیر

ایسا کیسا ہوسکتا ہے کہ کوئی آپ کو اپنی دعاؤں
ری شدت سے مانگے اور جب آپ اسے مل
ں تو ایک فالتو چیز کی طرح ایک طرف ڈال کے
بھول جائے۔ سوچیں اس کا پیچھا نہیں چ
تھیں۔

''کیا میں اتنی ارزاں ہوں؟''

سردی کی اداس سی شام اب مکمل اندھیرے میں ڈھل چکی تھی۔ ایک جامد سناٹا تھا جو لگتا تھا پورے عالم پر چھایا تھا۔ ساتھ اس کے دل پر بھی۔ وہ کافی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی سامنے لگی اس معصوم سے بچے کی تصویر کو تک رہی تھی جو سامنے پڑے چھوٹے سے ٹیڈی بیئر کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب سے سات ماہ پہلے یہ تصویر اس نے بہت ارمان سے اپنے بیڈ کے بالکل سامنے لگائی تھی جب وہ ڈاکٹر کے پاس سے خوش خبری لے کر آئی تھی۔ ایک نئی امید کے ساتھ کے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سرد ہوا کا ایک تیز جھونکا اس کی چہرے سے ٹکرایا تو وہ چونکی۔ جانے کیسے کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔ اسے اجازت کہاں تھی شام کے بعد کھڑکی دروازے کھولنے کی۔ ایک جگنو اس کی آنکھ میں چمکا۔

اس نے بے دردی سے آنکھوں کو رگڑا۔ سردی کا اثر تھا یا ایک ہی جگہ جمے رہنے سے اس کے پیر بالکل سن ہو چکے تھے۔ اپنے سرد پیروں کو بہت کوشش کے بعد چلنے کے قابل بنایا۔ دھیرے سے قدم اٹھاتی کھڑکی تک آئی۔ سامنے دالان میں خاموشی کا راج تھا لیکن اس کے دائیں طرف کے تیسرے کمرے سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں، ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس کا دل ایک بار پھر یاسیت کا شکار ہوا۔ آنسوؤں کا گولا حلق میں اٹکنے لگا اس نے آگے بڑھ کے کھڑکی کے پٹ زور سے بند کر دیے۔ بند ہوتے پٹ سے کھیلتا ایک شرارتی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے پوری قوت سے ٹکرایا۔ دائیں آنکھ سے ایک آنسو اسی قوت سے آنکھ سے باہر نکل آیا۔ اس نے اب ضبط کی کوشش ترک کر دی وہیں کرسی پر تھکے انداز میں بیٹھ کے اک بار پھر سے سامنے لگی تصویر کو حسرت سے تکنے لگی۔

''کیا کوئی اپنی محبت کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے؟'' ساری سوچیں اب بھی وہیں تھیں۔

☆☆☆

''اپنی جویریہ سے بہت بڑا ہے امجد۔ مجھے تو کسی طرح بھی اس کے جوڑ کا نہیں لگ رہا۔'' آمنہ بیگم نے چائے کا کپ شوہر کو پکڑاتے ایک امید سے بات شروع کی۔

''ہمم.....'' وہ ایک ہنکارہ بھر کے خاموش ہو گئے۔ وہ خود بھی پریشان تھے۔ غزالہ جبیں تیسری بار ان کے پاس جھولی پھیلا کے آئی تھیں۔ دو بار وہ بغیر کسی جواز کے انہیں منع کر چکے تھے لیکن امید کا دیا لیے وہ ایک پھر ان کے آگے دست سوال ہو گئیں۔ امجد میں بظاہر کوئی برائی نہیں تھی لیکن دو باتوں کو وہ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ ایک وہ جویریہ سے کافی بڑا تھا اور دوسرا وہ ملائشیا میں جاب کرتا تھا۔ وہ کبھی بھی اپنی لخت جگر کو اتنا دور نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔

گو کہ دیکھا بھالا گھرانہ تھا لیکن وہ چاہ کر بھی ان دو باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اس بار نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ غزالہ جبیں کو صاف منع نہ کر سکے۔ ایک آس کی ڈور انہیں تھما کے اب خود بے چین بیٹھے تھے۔ آمنہ بیگم نے فکرمندی سے شوہر کے چہرے کو تک رہی تھیں۔

''بغیر کسی ٹھوس وجہ کے گھر آئے رشتے ٹھکرانا بھی ٹھیک نہیں عاشر کی ماں۔'' بہت دیر بعد ان کے منہ سے یہ جملے سن کے آمنہ بیگم کے شک کی تصدیق ہو گئی۔

''بیٹی اپنی سسرال میں خوش ہو بھلے دور ہی رہے۔'' ماں باپ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو گی۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں بول رہے تھے۔ تم کل غزالہ جبیں کو ہاں کہلوا دو۔ انیسہ کی بارات میں اس کی نسبت طے کر دیں گے۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ کھڑے ہو گئے۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔

پھر وقت جیسے پر لگا کر اڑ گیا۔ انیسہ کی شادی میں امجد اور جویریہ کی نسبت طے کر دی گئی۔ دو سال کا عرصہ جیسے پلک جھپکتے گزر گیا اور پھر دو سال بعد اپنی چھوٹی اور لاڈلی بیٹی کو بھی انہوں نے دعاؤں کے

سائے میں رخصت کر دیا۔

☆☆☆

''اس حالت میں مجھے آپ کی ضرورت ہے اور آپ مجھ سے بات تک نہیں کر رہے۔'' واٹس اپ پر ایک بار پھر اس نے میسج چھوڑا۔ پچھلے چار دن سے وہ اس سے رابطے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ پتھر کے بت کی طرح اس کا میسج دیکھ کر بھی جواب نہیں دے رہا تھا۔ پردیس میں اپنے پیاروں سے بات کرنے کا یہ واحد ذریعہ بھی اسے بے کار لگ رہا تھا۔ وہ جب سے امی کے گھر سے آئی تھی اس کی یہ ہی بے توجہی اسے بری طرح کلسا رہی تھی۔ اس کا قصور یہ تھا کہ وہ امی کے ہاں سے ایک دن بعد آئی تھی۔ اس کی ماں اسے اس حالت میں بھیجنے کے لیے اب بھی تیار نہیں تھی لیکن وہ چار دن کی اجازت لے کر آئی تھی سو زیادہ رکنا مناسب نہ سمجھا لیکن اچانک اس کا بی پی اس قدر لو ہو گیا کہ اسے وہیں رکنا پڑا۔ اگلے دن گھر پہنچ کر اس نے میسج کیا تو جواب آیا۔

''اب بھی نہ آتیں۔ میں پھر معافی مانگتا تمہارے ماں باپ سے تب آتیں۔'' وہ حیرانی سے میسج پڑھ کے وہیں بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔ وہ پچھلی بار کی اپنی ہر زیادتی اس کے حصے میں ڈال رہے تھے۔

اگلے آدھا گھنٹہ وہ اسے صفائیاں دیتی رہی کہ طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے کل نہ آ سکی لیکن وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھا اور جب سے اب تک وہ اسے میسج کر رہی تھی لیکن وہ جواب دینے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔

ایک جامد خاموشی اس کے وجود سے لپٹ گئی تھی۔

کوئی اپنی محبت کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟

اس نے میکے جانا چھوڑ دیا۔

☆☆☆

اسے آخری مہینہ چل رہا تھا۔ فروری کے شروع میں ہی اس کی ڈیلیوری متوقع تھی۔ وہ شدید ڈیپریشن کا شکار تھی۔ تنہائی، اداسی، اکیلا پن، سردی کی اداس شام میں اسے اور اداس کر دیتی تھیں۔ جس کے نام پر اس گھر میں بیٹھی تھی وہ پردیس میں بیٹھا اس سے بات کرنے کا روادار تک نہیں تھا۔ اور گھر کے لوگ اسے اس گھر کا مکین تو دور انسان تک نہ سمجھتے تھے۔ وہ حیران ہوتی تھی کہ پوری چاہ سے مانگ کر، بیاہ کر لانے والے اس سے اتنے بدظن کیوں تھے۔ اس کی تربیت میں سرکشی، ہٹ دھرمی، ضد کچھ نہ تھا۔ وہ اپنے، ماں باپ کی فرماں بردار اولاد تھی۔ امی نے بتایا کہ اس کا رشتہ ابو نے طے کر دیا تو اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا کہ کیوں؟ وہ اس کے ماں باپ تھے۔ وہ اس کا اچھا برا سمجھتے ہیں۔ اس نے ان کی خوشی میں اپنی خوشی تلاش کرنا شروع کی۔ اسے ماں باپ کو چھوڑ کے پردیس جانا تھا۔ دل اداس تھا لیکن اپنے ابو کے فیصلے کو پورے دل سے تسلیم کیا اور ہر لڑکی کی طرح جیون ساتھی سے ڈھیر سارے پیار کی آس لیے وہ سسرال آ گئی۔

پہلی ٹھیس اسے جب لگی جب شادی کے ایک ماہ بعد شوہر نے رخت سفر باندھا۔ اسے بھی تو ساتھ جانا تھا نا؟

''تم چلو گی ساتھ تو امی اکیلی رہ جائیں گی۔ تم ان کے پاس رہو۔'' وہ خاموشی سے اس کے محبت بھرے الفاظ سنتی رہی اور وہ چلا گیا۔ پورے ایک سال کے لیے۔ لیکن ایک ماہ میں اس قدر محبت دی کہ وہ امجد کی محبت کی اسیر ہو گئی۔ وہ اس کی محبت کی قید سے نکلتی ہی نہیں اگر خوشیاں مہربان رہتیں۔

اور پھر ایک نہ ختم ہونے والا اذیت کا سلسلہ تھا۔ اس کی حیثیت اس گھر میں کیا تھی کہ اس کے استعمال کی ہر چیز علیحدہ کر دی گئی۔ وہ اس گھر کی فرد ہو کے بھی اس کا حصہ نہ تھی۔

"تم اسی کے ساتھ رہا کرو۔ انہیں سمجھو۔ ان کی پسند کا خیال رکھو۔ آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" شوہر سے کی گئی شکایت کا نتیجہ اگلے دو دن بعد ہی سامنے آ گیا۔ جب شام میں وہ امجد سے بات کر کے سرسری تیار ہو کے باہر آئی تو ساس نے اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا۔

"شوہر گھر پر نہیں تو کیا ضرورت ہے ہونٹ لال کرنے کی۔ گھر میں جوان دیور ہے۔ ایسے بن ٹھن کے کے دکھانا چاہتی ہو۔ میں کچھ کہوں تو فوراً شکایت لگا دیتی ہے۔ اب میں خود بتاؤں گی تمہارے کرتوت امجد کو۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔" شور کی آواز سن کے واجد بھی اپنے کمرے سے نکل آیا تھا وہ خجالت کے باعث قدم بھی نہ ہلا پائی۔ من بھر کے قدم اٹھاتی وہ کمرے میں آئی۔ ہونٹوں کو بے دردی سے رگڑا۔ پورا چہرہ لال ہو گیا۔ وہ سر بازوؤں میں دیے بے آواز جانے کب تک روتے روتے وہیں سو گئی۔ ساتھ اس کی قسمت بھی۔

☆☆☆

اس کی غلطی یہ تھی کہ اس نے اپنے ماں باپ کا مان رکھا۔ ان کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ اس کی غلطی یہ تھی کہ وہ حسین صورت تھی اور شوہر سے دور تھی۔

"آپی میرا دم گھٹنے لگا ہے، دل کرتا ہے خود کو ختم کر دوں۔" وہ میسج لکھتی بے آواز رو رہی تھی۔

دوسری طرف سحر اس کے میسج پڑھ کے پریشان ہو رہی تھی۔ جس حالت میں اس وقت وہ تھی اسے بہت زیادہ توجہ کی ضرورت تھی، خیال اور پیار کی ضرورت تھی لیکن اس کے پاس تنہائی کے سوا کچھ نہ تھا۔

"جویریہ تم مسلمان ہو نا۔ مسلمان کبھی مایوس نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ پر اس کے فیصلوں پر مکمل یقین رکھتا ہے۔ تم اپنے بچے کے لیے کیوں نہیں زندہ رہنا چاہتیں؟" سحر میسج لکھ رہی تھی وہ کال کرنا چاہتی تھی لیکن جویریہ سسرال میں ایسے آرام سے کال پر بات بھی نہ کر سکتی تھی۔

"تم نماز پڑھو، دعائیں پڑھو۔ اس کا اثر تمہارے بچے پر بھی ہو گا۔ ایسے ہر وقت روتی بسورتی رہو گی تو وہ بھی دنیا میں آ کر رو رو کر تمھیں تنگ کرے گا۔"

"جی آپی! میں سب پڑھتی ہوں لیکن دل کو سکون نہیں ملتا۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے میسج لکھا۔

"سکون کیسے ملے گا؟ جب تمھیں اللہ پر یقین ہی نہیں۔ ہر کالی رات کے بعد روشن سویرا ضرور ہوتا ہے جویریہ۔ یہ مشکل وقت بھی گزر جائے گا چندا۔ بس تھوڑا صبر اور انتظار۔ جانتی ہو نا اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

سحر کے اس میسج نے اسے تھوڑا حوصلہ دیا یا شاید وہ حوصلہ کرنے پر مجبور تھی

☆☆☆

"امی! آپ فارغ ہیں صبح۔" وہ جو سحر کی باتوں سے حوصلہ پکڑ کر تھوڑی ہمت کر کے رات کو ساس کے کمرے میں چلی آئی۔ اب ان کی حالت دیکھ کر بدحواس ہو گئی۔ وہ بیڈ پر گری بہت بے ترتیب سانس لے رہی تھیں۔

"امی کیا ہوا آپ کو۔" وہ تیزی سے ان کی جانب لپکی۔ ان کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"واجد...... واجد! جلدی آؤ۔" وہ ان کا ہاتھ سہلاتی دیور کو پکارنے لگی۔

انہیں فوراً ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔ اس نے واپس اپ امجد کو پیغام دیا۔ اس کی اپنی حالت زیادہ ٹھیک نہیں تھی لیکن وہ پھر بھی خود کو چادر میں اچھی طرح لپیٹ کے ساس کے ساتھ ہی چل دی۔ اسے صبح آپریشن کے لیے بلایا تھا اور یہی کہنے وہ ساس کے کمرے میں آئی تھی یا شاید بھیجی گئی تھی کیونکہ اگر وہ وہاں نہ جاتی تو غزالہ جبیں تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیتیں۔ انہیں دل کا دورہ پڑا تھا۔ بروقت طبی امداد سے ان کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ وہ پوری رات ان کے پاس بیٹھی رہی۔ صبح اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے گھر کال کر کے اپنی امی کو بلایا۔ وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی جب اسے اسپتال پہنچایا گیا۔ بی پی خطرناک حد تک گر چکا تھا۔

☆☆☆

آج اس کی چھٹی تھی۔ اس نے خوب صورت سے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ اس کی حالت کے پیش نظر اسے دو دن تک اسپتال میں رکھا گیا۔ غزالہ جبیں

خود اسے لینے آئی تھیں۔ وہ اس کے صدقے واری جا رہی تھیں۔ شاید موت سے بروقت بچانے والے مسیحا کی قدر ہو گئی تھی۔ آج انہیں اپنی سب زیادتیاں یاد آ رہی تھیں۔ وہ من موہنی صورت والی جویریہ آج انہیں اپنی اپنی سی لگ رہی تھی، ان کی دونوں بیٹیاں دوسرے شہر میں رخصت ہو کے گئی تھیں ابھی اتنی حالت خراب میں وہ بس فون کال ہی کر سکیں، پریشان تھیں لیکن سسرال کی طرف سے مجبور فوری آ نہ سکیں اور ایسی حالت میں اسی نے ان کی جان بچائی جس کی زندگی انہوں نے اجیرن کر کے رکھی ہوئی تھی۔

جویریہ ان کی اپنی پسند تھی، اپنے کم صورت پکی عمر کے بیٹے کے لیے انہوں نے خوب صورت جویریہ کا انتخاب کر تو لیا لیکن منگنی کے بعد ہی بیٹے کی ضرورت سے زیادہ دلچسپی دیکھ کے وہ پریشان ہو گئیں، امجد نے نکاح کے لیے ضد کی تا کہ وہ جویریہ کے کاغذات ساتھ لے جائے اور اگلی بار میں رخصت کروا کے ساتھ لے جائے لیکن غزالہ جبیں سے یہ التفات برداشت نہ ہوئے۔ انہوں نے بیٹیوں کی شادی کے بہانے امجد کی اس خواہش کو دبا دیا۔ شادی کے بعد کم عمر جویریہ ان کے لیے بہت آسان ہدف ثابت ہوئی۔ اسے گھریلو سیاست، چالاکیاں نہیں آتی تھیں۔ وہ ان کے آگے دب گئی، امجد اپنی خواہش کو دل میں دبا کے واپس لوٹ گیا۔ اب ان کے لیے میدان صاف تھا۔ انہوں نے جی بھر کے امجد کو جویریہ کی طرف سے بدگمان کیا۔ اپنے جلن حسد میں وہ یہ بھی بھول گئیں کہ وہ ان کے گھر کا چراغ روشن کر رہی ہے۔

☆☆☆

"کیسی ہو جویریہ؟ اور ہمارا شہزادہ کیسا ہے؟" سحر کے میسج پر جویریہ نے جھٹ کال کر لی۔

"السلام علیکم آپی! کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! الحمدللہ ٹھیک تم کیسی ہو؟ آیان کیسا ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے میں بھی ٹھیک ہوں اور میرا بیٹا بھی۔" وہ مسکرا کے بولی۔

"اللہ اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔"

"امی کے یہاں آئی ہوئی ہو کیا۔" سحر نے دل سے دعا دیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں آپی! اپنے گھر پر ہوں۔ امی کا دل نہیں لگتا آیان کے بغیر اور اب تو آیان بھی نہیں رہتا امی کے بغیر۔ سارا دن ان کے پاس رہتا ہے، گھر جاتی ہوں تو بہت روتا ہے۔" جویریہ مگن سی بول رہی تھی اور سحر جی بھر کر خوش ہو رہی تھی۔

"ماشاءاللہ! بہت اچھا لگ رہا ہے تمہارے منہ سے یہ سب سننا۔ وہ مایوس، روتی بسورتی جویریہ اب کہیں نہیں دکھتی۔" سحر کے لہجے سے اس کی خوشی صاف چھلک رہی تھی۔

"جی آپی! آپ ٹھیک کہتی تھیں، وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا، اب سب کچھ بہت اچھا ہے۔ امجد اب بھی مجھ سے دور ہیں لیکن اب امی ہیں میرے ساتھ، اب وہ خود ہی خیال رکھتی ہیں کہ امجد مجھے کال کریں۔"

وہ مجھے امجد کے ساتھ بھیجنا چاہتی تھیں، لیکن پھر یہاں وہ اکیلی ہو جاتیں، واجد تو مرد ہے سارا دن کام پر شام کو دوستوں کے ساتھ۔ اب امی کی طبیعت بھی ایسی نہیں کہ انہیں اکیلا چھوڑا جائے۔ اب ہم ساس بہو ایک دوسرے کی دوست اور ساتھی ہیں، رات کے کسی بھی پہر وہ میرے کمرے میں مجھے اور آیان کو دیکھنے آتی رہتی ہیں اور میں بھی رات کو اٹھ اٹھ کر ان کی خبر رکھتی ہوں۔ سارا دن پتا ہی نہیں چلتا ہنستے مسکراتے گزر جاتا ہے۔ ان شاء اللہ اب دو ماہ بعد واجد کی شادی کے بعد ہم امجد کے پاس جائیں گے۔ امی کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔ یہاں ان کا خیال کون رکھے گا۔ میرے ساتھ ہوں گی تو مجھے تسلی رہے گی۔"

جویریہ بول رہی تھی اور اس کے پیچھے دروازے میں کھڑی غزالہ جبیں تشکر کے آنسو پونچھتی پوتے کو سنبھالے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ بہو ہی گھر کی اصل بیٹی ہوتی ہے۔ وقت رہتے انہوں نے اپنے گھر کی خوشیوں کو بچا لیا تھا۔

☆☆

سدرہ حیات

کچھ لمحے ہم پر قرض تھے

''پریشے، پریشے بیٹا، اندر آجاؤ۔'' باورچی خانے سے شمسی بوا کی آواز آئی۔

''نہیں آؤں گی۔'' اس نے ہانک لگائی۔

وہ اس وقت سیڑھیوں پر بیٹھی تھی ہاتھ میں قریبی گملے سے توڑے گئے پتے تھے جن کے مزید حصے کرنے کے شغل میں وہ مصروف تھی۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے اور سورج اپنی پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ گرمیوں کی مناسبت سے اس نے لان کی آف وائٹ فراک اسٹائل کی قمیص پہن رکھی تھی قریش کٹنگ کروائے گئے بالوں میں ہلکا سنہری پن تھا جو اس کی دودھیا رنگت پر اور بھی اچھا لگتا۔ ساتھ میں لاابالی پن تھا جو اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دیتا تھا۔

''آجاؤ بیٹا ناشتا بن گیا ہے۔''

''کہا نا بوا نہیں آؤں گی کرسی میں بیٹھی رہوں گی۔ نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔'' اس نے کچھ اور اونچی آواز میں کہا جیسے کسی اور کو سنانا مقصود ہو۔

''ضد نہ کرو بیٹا! تمہارا پسندیدہ آموں کا ملک شیک اور کیا کہتے ہیں اسے کرنچ توس بنایا ہے۔'' بوا نے لالچ دی۔

''کرنچ نہیں فرنچ ٹوسٹ'' اسے ہنسی آئی ساتھ میں منہ میں پانی بھی بھر آیا۔ ہر اتوار کو وہ یہی ناشتا تو بنواتی تھی۔

''اچھا جو بھی ہے آتو جاؤ۔'' بوا زچ ہوئیں۔

''نہیں آؤں گی۔ ناراض ہوں اور ناراضی میں پریشے فرہاد کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے۔''

''اے لو..... کھانے سے کیا ناراضی بیٹا!'' بوا بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں۔ یوں بھی وہ اپنے نام کی درگت بننے پر چڑ جاتی تھیں پھر بھی پریشے باز نہ آتی۔

''بوا کو کیوں تنگ کر رہی ہو؟'' وہ اس کے قریب اسی کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''بات نہ کریں مجھ سے۔ ناراض ہوں میں آپ سے'' پریشے نے خفگی سے منہ پھیرا۔

''ناراضی مجھ سے ہے ناشتے سے تو نہیں نا۔'' پریشے نے جھٹ سے رخ اس کی جانب موڑا۔

''خالہ۔ یہ تو پوچھ لیں ناراض کیوں ہوں۔''

مومی نے گہرا سانس لیا۔
''ندا کے گھر کی دعوت پر نہیں جا سکی اسی لیے
ہونا۔''
''ہاں تو اسپیشلی بلایا تھا ندا نے اپنے بھتیجے کے
ر اور آپ ایک دن میرے لیے نہیں نکال سکیں
ایک ہفتے سے میں آپ کو یاد کروا رہی تھی۔''
مومی مسکرائی۔ اپنے شارٹ کٹ بالوں کے
ہ بہت پیاری لگ رہی تھی اس پر جب یوں منہ

پھلاتی تو اور بھی کیوٹ لگتی۔
''اچھا سوری۔ میں کل واقعی بہ
تھی۔ اور پھر تمہاری دوست کی دعوت
کرتی۔''
''میں اتنا ذکر کرتی ہوں آپ کا۔ می
آپ سے ملنا چاہتی تھیں۔'' پریشے کو کل کی
جانے کا افسوس ہی نہیں جا رہا تھا۔
''اچھا میں مل لوں گی سب سے۔

کرتے ہیں۔" موی بات ختم کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پریشے بھی کپڑے جھاڑتی اس کے پیچھے ہولی۔ اصل وجہ تو بتا نہیں سکتی تھی کہ کیوں وہ اسے دعوت پر لے جانا چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

پورے ہفتے وہ تکرار کرتی رہی تھی کہ اس کی دوستوں نے اتوار کو گھر آنا ہے۔ خالہ سے بھی خاص طور پر اصرار کیا تھا کہ وہ اپنی ساری مصروفیات ترک کردیں دوستوں کی دعوت تو وہ پہلے بھی ایک آدھ بار اپنی چھٹیوں میں کرچکی تھی پر خالہ اس وقت بھی گھر پر نہیں تھیں اب وہ خاصی پر جوش تھی۔ اتوار کی صبح اٹھتے ہی شمسی بوا کے سر ہوگئی اور کھانے کے لیے بے شمار چیزیں تیار کروائیں۔

"اے لو کیا منسٹر کو بلالیا ہے جو اس قدر اہتمام ہورہا ہے۔" شمسی بوا چڑ کر بولیں۔

"میری اسپیشل فرینڈز آرہی ہیں آخر۔ وہ کسی منسٹر سے کم تھوڑی ہیں۔" چنا چاٹ کے ___ اوپر چاٹ مسالا چھڑکتی وہ مزے سے بولی۔

"ساتھ والوں کے گھر سے آدھا راشن منگوا لیتے ہیں وہ بھی رکھ لینا۔" اس کے پھیلائے ہوئے گندے برتن سنک میں رکھتے وہ طنزیہ انداز میں بولیں۔ اندر آتی موی کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی۔ ان دونوں کی تکرار اکثر چلتی رہتی تھی۔

"یہ اتنی بڑی دعوت ہو کس خوشی میں رہی ہے۔" لوازمات پر نظر ڈالتے موی نے پوچھا۔

چنا چاٹ، فروٹ چاٹ، سموسے، چکن پیٹز، رول، پاستا، تکے، کیک، یہ سارے لوازمات دیکھ کر تو ہائی ٹی کا گمان ہو رہا تھا۔

"میرا دل چاہ رہا تھا بس اسی لیے۔" پریشے نے شاہانہ انداز میں کہا۔ اب وہ آئس کریم کے باؤلز نکال رہی تھی۔ آدھی چیزیں اس نے باہر سے منگوائی تھیں مگر صبح سے شور اتنا ڈالا ہوا تھا کہ بوا چڑ گئی تھیں۔ برتن تک اس نے اپنی مرضی سے نکلوائے تھے۔

"اتنا اہتمام تو ان کے لیے کیا جاتا ہے جو رشتہ ڈالنے آرہے ہوں۔" بوا ابھی تک جلی بیٹھی تھیں۔

پریشے کے حلق میں کچھ اٹکا، دل میں چور جو تھا۔ ندا کو خالہ سے ملوانے کے لیے ہی تو اس نے اپنی دوستوں کو دعوت دی تھی۔

"چلیں، کوئی بات نہیں بوا مہمان ہیں اور مہمانوں کی خاطر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔" موی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ " آپ آرام کریں۔" آپ کے گھٹنوں میں درد تھا کل بھی۔ زرینہ کچن سمیٹ لے گی۔"

گھر کی بیل بجی تھی۔ منظور نے ریاض صاحب کے آنے کی اطلاع دی۔ موی نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا کہا اور پھر چائے کا کہتی آگے بڑھ گئی جبکہ پریشے کی تیوری چڑھ گئی۔

"اف۔ ایک تو یہ ریاض صاحب کو آرام نہیں ہے۔ آج آنا ضروری تھا ان کا۔" جی بھر کر غصہ آیا تھا اسے۔ دوستوں کے آنے میں ابھی وقت تھا وہ تیار ہونے کمرے میں چلی گئی۔ آدھے گھنٹے میں وہ تیار ہوکر کمرے سے نکلی اور ریاض احمد کو ابھی تک بیٹھے دیکھ کر شدید کوفت کا شکار ہوئی۔ دل میں تلملاتی ہوئی وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ ریاض صاحب نے دیکھتے ہی خوش دلی سے سلام کیا۔ حال احوال پوچھا۔ وہ جواب دیتی وہیں ایک صوفے پر ٹک گئی۔

"پڑھائی کیسی جارہی ہے آپ کی۔" موی فائل کی جانب متوجہ تھی اور ریاض صاحب اس کی طرف۔

"جی ٹھیک ٹھاک آج تو چھٹی منا رہی ہوں۔ مگر آپ لوگ تو ماشاءاللہ چھٹی کے دن بھی کام ہی کرتے پائے جاتے ہیں۔" مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر پھیلائے وہ گویا سراہ رہی تھی۔

"کام تو بیٹا چلتے رہتے ہیں۔" ریاض صاحب نے کہا۔ وہ موی کے منیجر تھے اور اکثر اوقات ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ اور اتوار کا دن ہی وہ مبارک دن ہوتا کہ وہ آٹپکتے تھے۔ جس پر پریشے کو خوب تاؤ آتا تھا۔ اس کے خیال میں اکیلے رہنے کی وجہ سے ان کے سر پر کام سوار رہتا تھا۔ بیوی کو مرے عرصہ

ہو چکا تھا۔ بیٹا بیرون ملک مقیم تھا اور دو بیٹیاں تھیں جن کی شادی کر چکے تھے۔

''انکل۔ اتوار کو چھٹی کیوں نہیں مناتے آپ! ہر انسان کا حق ہوتا ہے چھٹی کرنا۔ اپنی بیٹیوں کے ساتھ آؤٹنگ پر نکل جایا کریں یا پھر دوستوں کی کوئی گیدرنگ رکھ لیتا ہے بندہ۔ مطلب کچھ تو.....''

''پریشے۔ جاؤ جا کر دیکھو ابھی تک چائے کیوں نہیں آئی۔'' مومی کے ٹوکنے پر اس کی زبان بریک لگا۔ فائل پر سے نگاہیں اٹھائے وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ گڑبڑائی۔

''جی میں دیکھتی ہوں۔'' پھر ریاض صاحب کی طرف مڑی۔

''آپ غور کیجیے گا میری بات پر۔''

وہ سر ہلا کر ہنس دیے۔ وہ جلدی سے منظر سے ہٹی اس سے پہلے کہ مومی پھر کچھ کہتی۔

☆☆☆

سب ہی نے اسے تو صفی نظروں سے دیکھا تھا۔ دودھیا رنگت، دلکش نقوش، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں ساتھ میں دراز پلکیں۔ سیاہ بال جن کی فرنچ ناٹ کمر پر جھول رہی تھی۔ پنک کلر کے جدید اسٹائل کے لباس میں ملبوس، کندھوں پر سلیقے سے دوپٹا پھیلائے۔ اپنی پروقار شخصیت کے ساتھ وہ سب ہی کو اچھی لگی تھی۔ اس کی نرم آواز اور بات کرنے کا خوب صورت انداز سامنے والے کو متوجہ ہونے پر مجبور کر دیتا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے آئی تھی۔ انہیں ریاض صاحب کے ساتھ فیکٹری کے کسی مسئلے کو حل کرنے جانا تھا۔

''سو چارمنگ'' سب سے پہلے رمشہ کے منہ سے نکلا تھا۔

''بیوٹی فل۔ پریشے کتنی حسین ہیں تمہاری خالہ زاد اور اتنی ینگ۔ تمہاری خالہ تو نہیں لگتیں۔'' سمیہ نے بے ساختہ انداز میں کہا۔

''پہلے کیوں نہیں ملوایا تم نے۔'' ندا نے کہا وہ بھی اس کی شخصیت سے اچھی خاصی متاثر لگ رہی تھی۔ کرن جوس کا سپ لیتی ان سب کے ریمارکس سن رہی تھی کیونکہ وہ پہلے مومی سے مل چکی تھی۔ جبکہ اس کے قریب بیٹھی پریشے یوں خوش ہو رہی تھی جیسے یہ تعریف اسی کے لیے ہو۔

''کیوں تم نے اپنے بھائی کے لیے پسند کر لیا تھا۔'' منہا نے اس کی بات اچک لی۔

''بالکل اسی لیے تو کہہ رہی ہوں۔''

''تو اب کر لو۔'' رمشہ نے مشورہ دیا ساتھ میں وہ رغبت سے پاستا کھا رہی تھی۔

''اب نہیں ہو سکتا نا۔ امی نے بھائی کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ آج تم لوگوں کو نکاح کی دعوت دینی تھی۔''

پریشے کے حلق میں رول کا ٹکڑا اٹک گیا تھا۔ اس نے جلدی سے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔ چہرے کی خوشی بھی یک دم غائب ہوئی تھی۔ کرن نے اس کے بدلتے تاثرات دیکھے، وہ جانتی تھی کہ پریشے کیا آس لگائے بیٹھی تھی۔

''کب، کس سے؟ منہا، رمشہ اور سمیہ کے سوالات شروع ہو گئے۔ اسے تفصیلات سننے میں تو کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی مگر کرن کے ٹہوکا دینے پر اوپری دل سے مبارک باد دے دی۔

''رشتے تلاش کرنا بھی ویسے بڑا مشکل کام ہے۔ میری پھوپھو کے لیے بھی رشتہ نہیں مل رہا تھا حالانکہ امی نے ہر جاننے والے کو کہلوا رکھا تھا۔ پر سب جگہ سے مایوس ہو کر امی سیدھا شادی دفتر چلی گئیں۔ دو ہفتوں کے اندر پھوپھو کے لیے رشتہ مل گیا تھا۔'' رمشہ نے اب چنا چاٹ سے پلیٹ بھرتے ہوئے بتایا۔

''مجھے بھی بتا دو کسی شادی دفتر کا۔'' منہا مشتاق سی اس کے قریب کھسکی۔

''کیوں تم نے اپنے لیے رشتہ ڈھونڈنا ہے۔'' وہ ہنس پڑیں۔

''بدتمیزوں بہن کے لیے پوچھ رہی ہوں۔'' وہ شرم دلانے والے انداز میں بولی۔ پریشے بھی سب بھلا کر گفتگو میں شریک ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''کس کے لیے رشتہ تلاش کر رہی ہیں آپ؟''
کرسی پر بیٹھے شخص کے پوچھنے پر اس نے نظریں اس
کی جانب موڑیں۔ دفتر کو تو وہ اچھی طرح دیکھ چکی
تھی۔ دفتر کی عمارت جتنی باہر سے اچھی لگ رہی تھی۔
اندر سے اور بھی شاندار تھی۔
اس شادی دفتر کا نام اس نے کالج سے واپسی پر دو
تین بار پڑھا تھا اور ذہن میں بار بار مشہ اور منہا کی
باتیں، گونجنے لگیں تو کچھ سوچ کر آج وہ یہاں آ گئی تھی۔
''مجھے اپنی خالہ کے لیے رشتہ چاہیے۔'' پریشے
نے زبان کھولی۔
''ان کی عمر کتنی ہوگی؟''
''خواتین کی عمر کون پوچھتا ہے۔'' پریشے کے
منہ سے پھسلا۔
''دیکھیے۔ شادی دفتروں میں بتانی پڑتی ہے۔
ور بھی بہت کچھ بتانا پڑتا ہے۔ نین نقش، قد کاٹ،
جرہ نسب وغیرہ۔'' مسکراہٹ دباتا وہ بولا۔ انداز
سمجھانے والا تھا۔
سامنے بیٹھی لڑکی کالج یونیفارم میں ملبوس تھی۔
چہرے پر لاابالی پن تھا اور اس کے بولنے سے ان
معاملات میں اس کی ناتجربہ کاری صاف ظاہر تھی۔
''جی نہیں۔ مجھے ایسے لوگوں سے رشتہ نہیں کرنا جو
ر تک ناپنے پہنچ جائیں۔ بھلا یہ بھی کوئی شرافت ہے۔''
برا مان گئی۔ دائیں طرف بیٹھے نادر نے سر اٹھا کر اس
کی کو دیکھا، چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
''خیر۔ آپ کوئی تصویر لائی ہیں خالہ کی؟'' ارحم
نے اگلا سوال کیا۔
''نہیں تصویر تو نہیں لائی۔ وہ میں اگلی بار لے
آؤں گی۔'' پریشے نے جلدی سے ہامی بھری۔
''ہوں خالہ کی پہلے کوئی شادی تو نہیں ہوئی تھی۔
میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ ہم اپنے کلائنٹ کو سب
چ سچ بتا دیتے ہیں۔ اگر آپ کچھ چھپا بھی رہی ہیں تو اس
کا فائدہ نہیں ہے کیونکہ ہم اپنے طور پر بھی انکوائری
کرواتے ہیں۔'' اس نے تفصیل سے سمجھایا۔
''نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ اور آپ اگر میری
خالہ کو کوئی بزرگ خاتون سمجھ رہے ہیں تو میں بتا دوں
کہ ایسا بھی کچھ نہیں ہے۔ وہ محض بتیس سال کی ہیں
اور دیکھنے میں تو اس سے بھی کم کی لگتی ہیں۔ آپ یہ سمجھ
لیں کہ میری بڑی بہن ہیں۔''
''اچھا، آپ کو کیسا رشتہ چاہیے۔ بندہ کیسا ہو؟''
یہ سوال اسے خاصا پسند آیا تھا۔ اس نے فوراً سے بولنا
شروع کیا۔
''بندہ میری خالہ کے جوڑ کا ہونا چاہیے۔''
ڈیسنٹ، میچور، ٹال اینڈ ہینڈسم، بس شہزادوں جیسا ہونا
چاہیے۔'' چمکتی آنکھوں سے اس نے اپنے تصوراتی
شخص کا نقشہ کھینچا۔ ارحم کے لبوں پر بے ساختہ
مسکراہٹ پھیلی۔
''جیسی ڈیمانڈز آپ کر رہی ہیں باقی لوگ بھی
اسی طرح کی کرتے ہیں۔''
''ہاں تو میری خالہ کسی سے کم تھوڑی ہیں۔'' وہ
بے نیازی سے بولی۔
''میں آپ کو ایک فارم دیتا ہوں وہ آپ فل
کر دیں، تصویر بھی جمع کروا دیجیے گا۔ پھر ہمیں آپ کے
مطلب کے لوگ ملیں گے تو ہم آپ کی ملاقات کروا دیں
گے۔'' اس کے سر ہلانے پر وہ دائیں جانب مڑا۔
''نادر! انہیں فارم دو فل کرنے کے لیے۔'' وہ
سر ہلاتا چند سیکنڈز بعد فارم لے آیا جو پریشے نے وہیں
بیٹھ کر فل کرنا شروع کر دیا۔ فارم تھا بھی اچھا خاصا
طویل اور اس میں بہت سی چیزیں پوچھی گئی تھیں۔
ساتھ کچھ رقم بھی ایڈوانس کے طور پر جمع کروانی تھی۔

☆☆☆

''پریشے کدھر ہے؟'' موی نے شمی بوا سے پوچھا
جو کچن میں کھڑی شام کی چائے تیار کر رہی تھیں۔
''جب سے کالج سے آئی ہے۔ پرانی چیزوں میں
سر دیے ہوئے ہے۔ اب اللہ جانے کیا تلاش کر رہی
ہے۔'' چائے کے ساتھ سموسے تلنے کی فرمائش کرتی وہ
اسٹور کی طرف آ گئی۔ آج اس نے دوپہر میں لنچ نہیں کیا
تھا۔ اسی لیے اب بھوک محسوس ہو رہی تھی۔
اسٹور کا منظر حسب توقع تھا۔ پریشے اونچے

اسٹول پر چڑھی الماری میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اسٹول کے ساتھ فرش پر چند البمز پڑی تھیں۔

''کیا تلاش کیا جا رہا ہے؟ پریشے بری طرح چونکی مڑ کر دیکھا تو موی جھک کر نیچے پڑی البمز اٹھا کر جھاڑ رہی تھی۔

''ہائے خالہ! آپ نے تو ڈرا دیا مجھے۔'' چند اور البمز ہاتھ میں پکڑتے ہوئے وہ اسٹول پر سے نیچے کودی۔

''پرانی تصویریں نکال رہی تھی۔ سوچا کچھ یادیں تازہ کرتے ہیں۔''

''چلو۔ پھر لاؤنج میں چلتے ہیں۔'' موی نے مسکراتے ہوئے کہا اور دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں آ گئیں۔ بوا کچھ دیر میں چائے اور سموسے لیے ان کے درمیان آ بیٹھیں۔

''ویسے موی کبھی کبھی میں ایک بات سوچتی ہوں۔'' لاڈ سے وہ اسے موی ہی کہتی تھی۔

''کیا بات۔'' سموسے کا ٹکڑا منہ میں رکھتی وہ بولی۔

''ہمارے کوئی ماموں، چچا وغیرہ تو ہیں نہیں پر کوئی دو پار کے رشتہ دار تو ہونے چاہیے تھے نا۔ سب کے ہوتے ہیں پھر ہمارے کیوں ہیں۔'' موی اور بوا نے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا موی اس کی جانب مڑی۔

''ہم کافی ہیں نا ایک دوسرے کے لیے پھر کسی کی کیا ضرورت ہے۔ اچھا لاؤ، وہ البم دو۔ نیلے رنگ کے البم کی طرف اشارہ کیا جو پریشے نے اسے پکڑا دی اور خود سارے البمز کو کھول کر دیکھنے لگی۔

''تصویریں البمز میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ دیکھ کر مزا تو آتا ہے۔ اب نئی تصویریں تو ساری موبائل میں ہیں یا لیپ ٹاپ میں اور اگر ڈیلیٹ ہو گئیں تو کیا فائدہ ہوا۔ ایسا کرتے ہیں کچھ نئی تصویریں ڈویلپ کروا لیتے ہیں۔'' ان البمز میں کوئی ایسی تصویر نہیں تھی موی کی جو وہ شادی دفتر میں دے سکتی اسی لیے اسے نئی راہ سوجی۔

''تم یو ایس بی مجھے دے دینا میں کروا دوں گی۔''

اس کے ارادوں سے بے خبر موی نے ہامی بھری۔ شہی بھی ایک پرانا البم ہاتھ میں لیے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

رات کو اسے شادی دفتر کی جانب سے فون کال موصول ہوئی تھی۔ کسی کلائنٹ سے میٹنگ ارینج کروا رہے تھے۔ اس نے بھی جھٹ سے ہامی بھر لی۔ اگلی صبح وہ کالج ٹائمنگ میں پریڈ بنک کرتی ٹیکسی کر کے ریسٹورنٹ پہنچی۔

''تصویر لائی ہیں آپ؟'' ارحم اسے ریسٹورنٹ کے باہر ہی مل گیا تھا۔ اس کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گئی۔

''آں نہیں، ابھی تو نہیں لائی پر موبائل میں ہے۔ میرے پاس۔''

''اوکے چلیں۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لیے ریسٹورنٹ کے اندر داخل ہوا تھا۔ ایک کونے والی میز کے قریب وہ رکا تو پریشے کو بھی رکنا پڑا۔ وہاں پہلے سے ہی دو افراد موجود تھے جو ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''یہ شہباز ہیں اور یہ ان کی والدہ۔'' ارحم نے ان کا تعارف کرایا پھر پریشے کی جانب اشارہ کیا۔

''یہ پریشے ہیں اور اپنی خالہ کے لیے رشتہ دیکھ رہی ہیں۔''

آنٹی نے بڑی لگاوٹ سے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔ وہ بھی مسکرا دی۔

اگر خالہ کو پتا چل جائے کہ میں یوں انجان لوگوں کے ساتھ ریسٹورنٹ میں بیٹھی ہوں تو..... ایک خیال اس کے ذہن کے پردے پر لہرایا۔ دوستوں کے ساتھ تو وہ اکثر اوقات کھانے پینے آتی رہتی تھی مگر یوں خالہ کو بتائے بغیر تو کبھی نہیں آئی تھی۔

''بیٹھیے پلیز۔'' شہباز کے کہنے پر وہ سر جھٹکتی ارحم کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ سامنے وہ دونوں براجمان تھے۔

''ارحم بتا رہے تھے آپ کی خالہ ورکنگ وومن ہیں۔ کہاں جاب کرتی ہیں۔'' پہلا سوال آنٹی کی جانب سے آیا تھا۔

''جی خالہ ڈیزائنر ہیں ہماری اپنی کپڑوں کی

لیکٹری ہے۔ آڈر پر کپڑے بناتے ہیں اور کچھ عرصے پہلے بوتیک بھی کھولا ہے۔'' اس کے جواب پر آنٹی کے چہرے کے تاثرات مزید خوش گوار ہو گئے۔ ساتھ بیٹھا شہباز بھی اپنے دانتوں کی نمائش کرتا اس کی جانب متوجہ ہوا۔ پریشے کو ان کا انداز کچھ کھٹکا۔ بھلا اس قدر خوش مزاجی! اس نے انہیں یہاں کوئی انعام دینے تھوڑی بلایا تھا۔

''مجھے تو ورکنگ وومن بہت اچھی لگتی ہیں اور پھر دونوں میاں بیوی کام کرتے ہوں تو اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔ دونوں کی زندگی سہل ہو جاتی ہے۔'' شہباز نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''بالکل مجھے بھی بہو کے کام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' آنٹی نے بیٹے کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''آپ کیا کرتے ہیں؟'' پریشے نے پوچھا۔

''میں بینک میں جاب کرتا ہوں۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہوں۔''

''گھر تم لوگوں کا اپنا ہے؟'' اس کے کچھ اور پوچھنے سے پہلے ہی آنٹی بول پڑیں۔

''جی اپنا ہے۔'' سوال تو اسے اچھا نہیں لگا پر وہ جواب دے گئی۔

''بہت اچھی بات ہے۔'' مسکرا کر بیٹے کو دیکھا۔

''اور کون کون ہے آپ کے گھر میں۔'' سوال کریدتا ہوا سا تھا۔

''بوا ہیں۔ آپ مجھے بتائیں۔ آپ کو یقیناً اعتراض تو نہیں ہوگا ممکن ہے میری خالہ کام چھوڑ دیں یا پھر مجھے ہینڈاوور کر دیں۔'' اس بار اس نے جانچتی نظروں سے دونوں ماں بیٹے کو دیکھا تھا جو کچھ گڑبڑا گئے تھے۔ ارحم خاموشی سے جوس کے سپ لیتا ابھی تک کی گفتگو سن رہا تھا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ان کے کام کرنے سے اور پھر آپ ابھی پڑھ رہی ہیں۔ ویسے بھی بیوی کا کام کرنا اچھا ہوتا ہے۔ دونوں کام سے تھکے ہوئے آئیں تو اتنا وقت ہی کب بچتا ہے کہ کوئی

چاہی۔ انداز ہلکا پھلکا تھا۔

''آپ کے اپنے خیالات ہیں۔ میں اس پر کیا تبصرہ کر سکتا ہوں۔'' ارحم نے اپنی رائے محفوظ رکھی۔

''ان سے کیا پوچھ رہے ہیں میں بتاتی ہوں نا۔ آپ کو ایک ایسی بیوی چاہیے جو امیر ہو، اپنا گھر ہو، اپنا کماتی ہو اور آپ کی لائف میں اس کی کوئی انٹرفیئرنس نہ ہو۔ آپ جو مرضی کرتے پھریں وہ کچھ نہ پوچھے۔'' غصے سے بولتی وہ کھڑی ہو گئی۔

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔'' وہ بھی برا مان گیا۔

''ایسا کیا کہہ دیا جو بھڑک رہی ہو۔'' آنٹی سے بیٹے کی عزت افزائی برداشت نہ ہوئی۔ ارحم فوراً اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

''میری بات سنیں شہباز صاحب، ایسا ہے کہ آپ لوگ ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھ نہیں پا رہے۔''

وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ اب ایک سیکنڈ رکنے کو تیار نہ تھی اس لیے تیزی سے باہر نکل گئی۔ ارحم انہیں سمجھا بجھا کر اور اگلے کلائنٹ سے ملوانے کا وعدہ کر کے ریسٹورنٹ سے باہر نکلا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ ایک طرف کھڑی تھی۔ نظریں سڑک پر تھیں۔ یقیناً ٹیکسی کی تلاش میں۔

''لڑائی کرنا ضروری تھی۔ یہ بات مجھ سے بھی کہی جا سکتی تھی۔'' ارحم نے قریب پہنچ کر کہا۔

''اچھا اور تم نے جن نمونوں سے ملوایا تھا وہ۔'' وہ خاصی تپی ہوئی تھی اسی لیے سارا آپ جناب بھول گئی۔

''میں کوئی آرڈر پر بندے نہیں بناتا اور نہ کسی کے ماتھے پر لکھا ہوتا ہے کہ اس کے خیالات کیسے ہیں۔'' وہ بھی تپ گیا۔

''اچھے رشتے کراتے ہو تم۔ ان لوگوں کا لالچی پن تو تمہیں نظر نہیں آیا۔''

''مجھ سے انہوں نے یہی کہا تھا کہ ان کے اسٹیٹس کے مطابق کھاتے پیتے گھر کی لڑکی ہو اور تمہاری انکم یہی کہہ رہی تھی۔ باقی باتیں تو بات چیت

دوسرے کو سناتے وہ خاصے عجیب لگ رہے تھے۔

''ارحم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' پیچھے سے آتی آواز پر ارحم تیزی سے مڑا۔ پریشے بھی آواز کی جانب متوجہ ہوئی۔

''میں یہاں کلائنٹ سے ملنے آیا تھا۔ یہ بھی میری کلائنٹ ہیں۔'' پریشے کی جانب اشارہ کیا۔ اس نے دھیمی سی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ مگر پریشے تو اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ بلیک کلر کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس۔ گھنے سیاہ بال، گہری شہد رنگ آنکھیں، وجیہہ، نقوش، وہ جو کوئی بھی تھا اپنی مردانہ وجاہت اور شخصیت کے سحر سمیت پہلی ہی نظر میں چھا جانے والی صلاحیت رکھتا تھا۔

''میری میٹنگ ہے یہاں چائنیز ڈیلیگیشن کے ساتھ۔''

''دیر ہو رہی ہوگی آپ کو۔ آپ جائیں میں بھی چلتا ہوں۔'' ارحم نے گھڑی پر نگاہ ڈالتے جلدی سے کہا۔ وہ شخص بھی عجلت میں آگے بڑھ گیا۔

''اب یہاں سے چلو۔'' ارحم نے تیزی سے قدم اپنی گاڑی کی جانب بڑھائے۔ پریشے جیسے ہوش میں آئی تھی۔ آنکھوں میں چمک سی تھی۔

''یہ کون تھے؟'' اس کے پیچھے جاتے ہوئے پوچھا۔

''میرے بڑے بھائی ہیں۔ تم بیٹھو گاڑی میں۔ میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' گاڑی کا لاک کھولتا وہ عام سے لہجے میں بولا۔

فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہی وہ جلدی سے اندر بیٹھی تھی۔

''بھائی میرڈ ہیں کیا؟''

''نہیں پر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ ارحم ٹھٹکا۔

''تو پھر ان سے کروا دو نا میری خالہ کی شادی سچ میں دونوں کی جوڑی بہترین لگے گی۔'' پریشے پرجوش انداز میں بولی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بجائے وہ اس کی جانب گھوما۔

کھول رکھا کہ اپنے خاندان والوں کی شادیاں کراتا پھروں۔''

''تو اس میں حرج کیا ہے۔ خاندان والے بھی تو مستفید ہوں۔''

اوہو بھئی وہ شادی نہیں کرنا چاہتے تو میں کیا کروں۔''

''کیوں؟'' سوال بے ساختہ تھا۔

''انہیں کوئی اور لڑکی پسند تھی پر قسمت سے وہ مل نہیں پائی۔ تو بس اب وہ شادی کا نام سننا گوارا نہیں کرتے۔'' ارحم نے جیسے بات ختم کی۔ پریشے بھی خاموش ہوگئی۔ کالج کی چھٹی ہونے میں ابھی وقت باقی تھا۔ وہ اسے کالج کے گیٹ پر اتار گیا تھا۔

☆☆☆

''پلیز ماما۔ آپ مجھ سے جو بھی کہیں گی میں مان لوں گا۔ مگر آپ سے ریکویسٹ کرتا ہوں آئندہ یہ بات مت کیجیے گا۔'' دس منٹ سے وہ ان کی بات خاموشی سن رہا تھا۔ پر جب بولا تو فائقہ بیگم کچھ سیکنڈز کے لیے چپ سی ہوگئیں۔ اس کے لہجے کی التجا انہیں بہت کچھ باور کرا رہی تھی۔

تعبیر نے چائے کا کپ لبوں سے لگائے بھائی اور ماں کو ایک نظر دیکھا۔ وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

''بس کر دو عالیان! کب تک خود پر خوشیوں کے دروازے بند کیے رکھو گے بہت وقت گزر گیا ہے۔ اب تو آگے بڑھ جاؤ۔''

''آپ ارحم کی شادی کر دیں، مجھ سے ایسی ڈیمانڈ مت کریں جو میں پوری نہ کر سکوں۔ آپ کو ہر بار انکار کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' اس نے آنکھیں چرائیں۔ وہ یونہی ہر بار اپنی شادی والی بات کو ٹال جاتا تھا۔

''تم میرے بیٹے ہو۔ تمہیں یوں نہیں چھوڑ سکتی میں۔ مان کیوں نہیں لیتے کہ وہ قسمت کا فیصلہ تھا اور قسمت سے لڑا نہیں جاتا۔'' فائقہ بیگم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ زیر لب مسکرایا۔

الزام دے کر اپنی خطاؤں کو بھول جانا۔ مگر میں یہ نہیں کرسکتا۔ آپ جانتی ہیں اپنی غلطی کو قسمت کا فیصلہ گردان کر آگے بڑھنا نہیں سیکھا میں نے۔'' سنجیدگی سے بولتا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا لاؤنج سے نکل گیا۔

فائقہ بیگم — نم آنکھوں کے ساتھ تعبیر کی طرف مڑیں۔

''دیکھا تم نے تعبیر! یہ نہیں مانے گا اور اس کی تکلیف مجھے چین سے جینے نہیں دے گی۔ ایسا کیا کروں کہ وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھنا چھوڑ دے۔ وہ بے بس سی ہوگئیں۔ تعبیر نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ماما وہ ہمیشہ سے ایسے ہیں کسی کو ان کی وجہ سے کانٹا بھی چبھ جاتا تھا تو تڑپ جاتے تھے۔ معذرت کیے بغیر چین نہیں آتا تھا انہیں اور پھر آپ بھول رہی ہیں اس لڑکی سے کتنی محبت کرتے تھے۔ اسی لیے تو اتنے حساس ہیں اس کے لیے آج تک۔'' اس کا خوشی سے چمکتا چہرہ آنکھوں کے سامنے لہرا گیا۔

''تم ہی بتاؤ، میں کیا کروں۔ کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں اسے۔'' وہ روتی ہوئی بولیں۔

''اچھا آپ ٹینشن نہ لیں، کیوں اپنا بی پی بڑھا رہی ہیں۔ چلیں اٹھیں، میرے ساتھ چلیں۔ شاپنگ کرتے ہیں۔ بچے بھی اب باہر کھیل کھیل کر تھک گئے ہوں گے۔''

''میرا موڈ نہیں ہے۔'' انہوں نے ٹالنا چاہا۔

''اونہوں میں ایک نہیں سنوں گی ماما۔ ہری اپ گیٹ ریڈی۔'' انہیں ہاتھ پکڑ کر اٹھاتی وہ خود بچوں کو بلانے لان کی پچھلی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

پیون کو کافی کا آرڈر دے حنان نے عالیان کی جانب ابرو اچکا کر دیکھا جو سامنے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا۔

''خیریت۔ اتنی صبح صبح آئے ہو۔'' اس نے پوچھا۔ جب وہ آٹھ بجے دفتر پہنچا تو عالیان پہلے سے موجود تھا۔

''یونہی دل میں آیا تم سے ملتا چلوں۔ اسی لیے آفس جانے سے پہلے آگیا۔''

''تمہیں معلوم ہے آج کیا تاریخ ہے؟'' حنان نے قریب رکھے کیلنڈر پر تاریخ دیکھنا چاہی مگر عالیان خود ہی بول پڑا۔

''بیس جولائی میرے دل پر لکھی ہے آج کی تاریخ۔'' سنجیدگی سے کہتے نگاہیں پھر پیپر ویٹ پر مرکوز کرلیں۔ حنان نے گہرا سانس لیا۔

''کیوں یاد رکھتے ہو اس تاریخ کو۔''

''میں نہیں یاد رکھتا۔ یہ تاریخ ہر بار مجھے خود یاد کرواتی ہے اور اتفاق دیکھو اس سے کچھ دن پہلے ہی ماما وہی ڈیمانڈ کرنے لگتی ہیں جو میں پوری نہیں کرسکتا۔'' ٹوٹے لہجے میں بولتا وہ حنان کو بے بس سا لگا۔

''یہ تم کہہ رہو۔ کہاں گیا وہ فرماں بردار بیٹا وہ عالیان شاہنواز جو ماں باپ کی آنکھ کی جنبش کو حکم کا درجہ دیتا تھا۔ ان کو انکار کرنا اسے آتا ہی نہیں تھا۔ بھول گئے بزنس نہیں پڑھنا چاہتے تھے مگر انکل کی خواہش کو اولیت دی تھی تم نے۔ پھر اب کیوں ماں باپ کی خواہش کو پورا کرنا اتنا مشکل لگ رہا ہے۔''

''سچ کہتے ہو ایسا ہی تھا میں۔ ابھی بھی ماں باپ کی محبت میں اپنی محبت کو قربان کردیتا اگر جو اس کو اس نہج پر چھوڑ نہ دیا ہوتا۔ یہ گلٹ میرے اندر سے نہیں جاتا۔'' اے سی لگے کمرے میں بھی اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی۔

''تو نکالو اس گلٹ کو اپنے اندر سے۔ تم کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ وہ محض حالات کا تقاضا تھا۔'' حنان نے سمجھانے کی کوشش کی یوں بھی اتنے سالوں سے وہ یہی کوشش تو کررہا تھا۔ عالیان زیرلب مسکرایا۔

''حالات، قسمت کوئی اور لفظ ڈھونڈو یار مجھے بہلانے کے لیے۔ ان جھوٹے لفظوں نے میں اپنی کی گئی زیادتی نہیں بھول سکتا۔''

''تو معافی مانگ لے بھائی۔'' میز پر ہاتھ مارتے اس کے منہ سے پھسلا اور عالیان گویا تڑپ کر سیدھا ہوا۔

"کس سے مانگوں؟ وہ ملے تو مانگ لوں گا۔ گیا بھی تھا ہمت کر کے پر وہ تو میرے نصیب کی سیاہی میں پہلے ہی روپوش ہو چکی تھی۔"

"انہی پرانی یادوں کو سینے سے لگائے ساری زندگی بیٹھے رہنا اور پھر انہی کی کہانیاں گڑھ کر میرے بچوں کو سنانا۔" حنان تپ کر بولا ہمیشہ اس بحث کا یہی انجام ہوتا تھا۔

یوں تصور میں برستی ہیں پرانی یادیں
جیسے برسات میں رم جھم کا سماں ہو

بے ساختگی سے شعر پڑھتا وہ ہنستا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"میرے سامنے یوں مت ہنسا کرو۔ اس چہرے کے پیچھے چھپا دکھ اور واضح نظر آنے لگتا ہے۔"

عالیان نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر دباؤ ڈالا۔

"سچے دوست کی نشانی ہے یہ۔ چلتا ہوں ردا اور فہد کو میرا پیار دینا۔ کسی روز چکر لگاؤں گا۔" بات مکمل کرتا وہ کمرے سے نکل گیا تھا جبکہ حنان اس کے پیچھے بند ہوتے دروازے کو دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

آج دوسرا پریڈ آف تھا۔ وہ اس کے دفتر پہنچ گئی۔ ارحم فائل کھولے کوئی فارم پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مصروف سے انداز میں پوچھا۔

"تصویر لائی ہو؟"

"ہوں۔ لائی ہوں۔ اس دن میں سوچ رہی تھی تمہارے بھائی کا کسی لڑکی کو پسند کرنا اور پھر اس سے شادی نہ ہونا۔ اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔ انہیں شادی کے بارے میں سوچنا تو چاہیے۔" بائیں ہاتھ کی انگلی سے کان کی بالی ہلاتی پریشے سرسری لہجے میں بولی۔

"ان کی سوچ، ان کی مرضی۔ تم زیادہ سوچا مت کرو اور وہ بھی دوسروں کے لیے۔" سر اٹھا کر اسے دیکھتا وہ چبا کر بولا۔

"تم کیوں انگارے چبا رہے ہو۔ میں صرف ایک بات کر رہی تھی۔ ویسے بھی یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے۔ میرے لیے تو تم بس اتنا کرو کہ خالہ کے لیے اچھا سا رشتہ ڈھونڈ دو۔ بندہ تمہارے بھائی کی طرح ڈیسنٹ اور ڈیشنگ ہونا چاہیے۔" لبوں کا کونا دانتوں میں دباتی وہ پرجوش ہوئی۔

"ایک طریقہ ہے میرے پاس عالیان بھائی کی تصویر کے ساتھ اخبار میں اشتہار دے دیتا ہوں کہ اگر آپ ان جیسی شخصیت کے مالک ہیں تو رشتے کے لیے رابطہ کریں۔" ارحم اچھا خاصا زچ ہو چکا تھا اسی لیے طنزیہ انداز میں بولا۔

"عالیان نام تو اچھا ہے، کرتے کیا ہیں۔" پریشے کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ارحم کا اپنا سر پیٹ لینے کا دل چاہا۔

"بابا کے ساتھ کنسٹرکشن کمپنی چلاتے ہیں۔ بس یا پورا ہائیو ڈیٹا دے دوں میچ کرنے کے لیے۔"

"واؤ بزنس۔" اس پر خاک بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

"پھر تم کیوں یہ شادی دفتر کھولے بیٹھے ہو۔"

"تمہاری خالہ کی شادی کروانے کے لیے اور اب پلیز کالج جا کر کچھ پڑھ لو۔ آخر کو تمہارا رشتہ بھی میں نے ہی کروانا ہوگا۔" ارحم نے اسے زچ کرنے کو طنزیہ انداز میں کہا۔ ساتھ میں گھڑی پر نگاہ ڈالی، نادر کچھ کلائنٹس کی ملاقات کروانے گیا ہوا تھا۔

"اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ تم صرف خالہ کا رشتہ ڈھونڈو۔" تیکھے انداز میں کہتے، اس نے خاکی لفافہ اس کی جانب کھسکایا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے کالج پہنچنا تھا۔ اس کے نکلتے ہی ارحم نے لفافہ اٹھا لیا۔ اسے تصویر کو فارم کے ساتھ لگانا تھا۔

☆☆☆

رات سے شاہنواز صاحب کا موڈ سخت خراب تھا۔ جب سے رات ہونے والی پارٹی میں داور صاحب نے سب کے سامنے ارحم کی سرگرمیوں کو موضوع بحث بنا کر انہیں طنز کا نشانہ بنایا تھا۔ وہ سخت تپے ہوئے تھے۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے شادی دفتر کو آگ ہی لگا دیتے۔ یقین تو انہیں ابھی

تک نہیں آیا تھا کہ اس نے اپنی پاکٹ مٹی سے اتنا شاندار دفتر کیسے کھول لیا تھا۔ اب اندر کی بات تو وہ جانتے نہیں تھے کہ ارحم نے عالیان سے بھی کچھ پیسے لیے تھے۔ اور کچھ اس کے دوست نادر نے ڈالے تھے۔ ''ناشتے کی میز پر بھی ان کی بڑبڑاہٹ جاری۔

''معلوم نہیں، اس زندگی میں سکون نصیب ہوگا بھی یا نہیں۔ ایک صاحب زادے ماضی کو دل کا روگ بنائے بیٹھے ہیں اور دوسرے وچولن بنے بیٹھے ہیں۔ باپ کا نام ڈبو کر رکھ دیا ہے۔'' آخری الفاظ کہتے ہوئے ارحم کو گھورا تھا جو معصوم شکل بنائے فائقہ بیگم کے برابر والی کرسی کھینچ کر بیٹھ رہا تھا۔

وہ کچھ اور بھی کہنے والے تھے کہ اتنے میں عالیان سلام کرتا ان کے بائیں جانب آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے لیے شاہنواز صاحب خاموش ہو گئے۔ کچھ بھی تھا عالیان ہمیشہ سے ان کا فرماں بردار بیٹا رہا تھا۔ آج بھی ان کی کسی بات سے انکار نہیں کرتا تھا بس ایک شادی کا معاملہ تھا جس پر وہ پہلوتہی کر جاتا۔ ورنہ باقی معاملات میں وہ ایک اچھا بیٹا ثابت ہوا تھا۔ بزنس سرکل میں بھی وہ پہچانا جانے لگا تھا۔ ایک نام بن گیا تھا اس کا جو اس نے اپنی محنت اور ذہانت کے بل بوتے پر بنایا تھا اور وہ اپنے بیٹے پر فخر کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اسے کبھی ڈائریکٹ شادی کے لیے فورس نہیں کر پاتے تھے۔ نہ ہی ماضی کا حوالہ دے پاتے۔ شروع میں انہوں نے ایک دو بار کوشش کی تھی اسے سمجھانے کی مگر کچھ تھا اس کی آنکھوں میں کہ وہ خاموش ہو گئے تھے۔

ایک طویل سانس لیتے وہ خود کو ریلیکس کرنے لگے مگر دائیں جانب بیٹھے ارحم کو سکون سے ناشتا کرتے دیکھ کر ان کا غصہ پھر سے امڈ آیا۔

''اور بھیجو سے اپنے سوشل ورکر بھائی کے پاس نہ یہ بچپن میں اس کے زیر سایہ رہتا نہ آج یہ شادی دفتر والا اختناس اس کے دماغ میں ہوتا۔'' اب وہ فائقہ بیگم پر الٹ پڑے۔

''آپ یہ آملیٹ لیں۔'' انہوں نے پلیٹ ان کے سامنے کی۔

''ہونہہ! اپنے اس لاڈلے سپوت کو کھلاؤ۔'' وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔ عالیان ہاتھ روک کر انہی کو دیکھ رہا تھا جلدی سے بولا۔

''ریلیکس بابا۔ ناشتا تو کریں۔''

''جتنا شرمندہ مجھے رات کو ہونا پڑا ہے اب میرے حلق سے ایک لقمہ نہیں اتر رہا۔ میں آفس جا رہا ہوں۔ تم آج کی میٹنگ کی تیاری رکھنا۔'' کرسی کی پشت پر سے کوٹ اٹھا کر پہنتے وہ ہدایت دینا نہیں بھولے۔ تائید میں سر ہلا کر عالیان ناشتا کرنے لگا۔

''ہونہہ۔ بغاوت اپنے خون میں ہے اور الزام میرے معصوم بھائی کو دے رہے ہیں۔'' ان کے نکلتے ہی فائقہ بیگم نے دل کی بھڑاس نکالی۔

ارحم بچپن میں کچھ عرصہ ان کے بھائی نظیر احمد کے پاس رہا تھا۔ نظیر احمد شروع سے ہی ہمدردی طبیعت کے واقع ہوئے تھے۔ اسی لیے باقاعدہ سوشل ورکر سمجھے جاتے تھے۔ لوگوں کی مدد کرنا، ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرنا، ان پر پیسے خرچ کرنا، ان کی زندگی کے معمولات میں شامل تھا۔ شادی انہوں نے کی نہیں تھی اس لیے شوق میں ارحم کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد میں انہوں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی تو فائقہ بیگم ارحم کو اپنے ساتھ واپس لے آئیں۔ حالانکہ دونوں میاں بیوی نے روکنے کی کوشش کی مگر شاہنواز صاحب بھی ایسا ہی چاہتے تھے اس لیے انہیں ارحم کو بھیجنا پڑا۔ اور اب جب بھی ارحم ان کے اصولوں کے خلاف کچھ کرنے کی کوشش کرتا تو وہ نظیر احمد کو ہی الزام دیتے۔

''اور تم! کب ختم ہوگا تمہارا یہ شادی دفتر والا شوق۔ بس کر دو اب اپنے باپ کو اور کتنا شرمندہ کرواؤ گے۔'' انہوں نے بھی اپنا غصہ ارحم پر نکالا تھا۔

''ماما..... اب تو آپ کو عادت پڑ جانی چاہیے بابا کے غصے کی۔'' مزے سے ناشتا کرتا وہ بولا۔

''تم نہیں سدھرو گے۔'' سر جھٹک کر وہ اٹھ گئیں اور ملازمہ کو آواز دے کر برتن اٹھانے کی ہدایت کرتے ہوئے اوپری منزل کی جانب بڑھ گئیں۔

"کیوں تنگ کرتے ہو بابا اور ماما کو۔" عالیان نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ارحم کو دیکھا۔

"اعتراض کیا ہے سب کو۔ میں بس اپنی مرضی کا بزنس کر رہا ہوں۔" ارحم نے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو کھینچا۔ اور یہ دادر صاحب کا کیا مسئلہ ہے۔ اپنا بیٹا ان کا جم چلا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دو گھنٹے دفتر جا کر بیٹھ جاتا ہے اس کے بارے میں کیوں کچھ نہیں کہتے۔"

عالیان نے گہرا سانس لیا کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہا تھا۔

"تم بھی آجایا کرو دو گھنٹوں کے لیے۔" نرم سے انداز میں مشورہ دیا۔

"میرے بابا دادر صاحب جیسے نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھے پورے دن کے لیے بٹھالینا ہے۔" ارحم کے ہنس کے کہنے پر وہ بھی ہنس پڑا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر ارحم بولا۔ "بھائی اپنی الماری کی چابی دیتے جائیں۔"

"میری الماری کی چابی سے تمہیں کیا کرنا ہے؟ وہاں ایسے کون سے خزانے پڑے ہیں۔" وہ حیران ہوا۔

"ہوسکتا ہے وہاں کسی خزانے کی چابی پڑی ہو۔" ارحم مسکرایا۔ وہ الجھا مگر زیر لب مسکرا کر اسے دیکھا۔

"لے لو یار میری ہر چیز تمہاری ہے۔" پھر وہ اسے چابی کی جگہ بتا کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"تھینک یو بھائی۔" ارحم نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

☆☆☆

ارحم کو اپنے گھر پر دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ آنکھیں تو اس کی تب ہی کھل گئی تھیں جب منظور نے بتایا کہ ایک لڑکا اس سے ملنے آیا ہے۔ کسی بوا اور موی نے بھی حیرت سے اس کی شکل دیکھی تھی۔ پھر ارحم کو اندر آتے دیکھ کر بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کہیں غائب کر دیتی۔ خاصی خوش دلی کا مظاہرہ کرتے اس نے بوا اور موی کو سلام کیا پھر رخ پریشے کی جانب کیا جو اسے بری طرح گھور رہی تھی۔ وہ نظریں پھیرتا صوفے پر بیٹھ گیا۔ سامنے والے صوفے پر کسی بوا اور موی بیٹھی تھیں۔ پریشے ابھی تک کھڑی تھی۔

"اپنا تعارف کروایئے میں آپ کو نہیں جانتی۔" موی نے ارحم کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ارحم ہوں۔ پریشے نے ذکر کیا ہوگا آپ سے۔"

ارحم کے مسکرا کر کہنے پر موی نے ابرو اٹھا کر یا ئیں جانب کھڑی پریشے کو دیکھا جو کچھ سٹپٹائی ہوئی سی تھی۔

اور پریشے کا تو اپنا سر پیٹ لینے کا دل چاہ رہا تھا۔

"یا اللہ! یہ بدتمیز آ ہی گیا ہے تو خالہ کو کچھ پتا نہ چلے۔ اس کا منہ بند کر دے یا اسے غائب کر دے۔"

دل میں دعائیں کرتی وہ خاموش ہی رہی۔

"بوا! آپ چائے لے آئیں۔" کسی بوا سر ہلاتی اٹھ گئیں۔

"پریشے آپ کا اتنا ذکر کرتی رہی ہے کہ آپ سے ملنے کا اشتیاق ہو گیا تھا۔ اس نے تو ملوانا نہیں تھا۔ سوچا خود ہی مل لوں۔" ارحم نے بات بڑھائی۔

"اچھا کیا آپ نے۔ پر پریشے نے ہم سے ذکر نہیں کیا آپ کا۔"

"آپ دونوں کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟"

"ہم تو شا....."

"کالج ..... کالج کے فنکشن میں ملے تھے ہم۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے پریشے بول پڑی۔ ارحم ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔

"وہ جو گریٹ فنکشن ہوتا ہے نا ہمارا۔ اسی میں یہ بھی آئے ہوئے تھے۔" بات بناتے اس نے سکون کا سانس لیا ورنہ اگر موی کو سچ معلوم ہو جاتا تو اس کی شامت یقینی تھی۔

"جی۔ بالکل اسی فنکشن میں؟" اب گھورنے کی باری ارحم کی تھی۔

"آپ کرتے کیا ہیں؟" اب موی نے مختلف نوعیت کا سوال پوچھا۔

"میں....." اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بتائے۔

"اپنے والد کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹاتے

ہیں۔" پریشے نے اس کی مشکل آسان کی۔ ارحم تائید میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"اچھی بات ہے۔ ارحم آپ کا آنا مجھے برا نہیں لگا۔ آپ نئے دور کے بچے ہو جو آپ کو ٹھیک لگا آپ نے وہی کیا۔ مگر مجھے زیادہ اچھا تب لگے گا جب آپ اپنے والدین کو لائیں گے۔" موی نے ٹھہرے ہوئے مضبوط لہجے میں بات کی۔ جس پر پریشے کی پیشانی نم ہوئی۔ اب وہ تو موی کے سوالات سے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا سمجھ رہی ہیں۔ مگر ارحم نے ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ جس پر اس نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی میں لے آؤں گا۔ ان کو۔" ارحم نے جلدی سے اپنے تاثرات چھپائے۔ اتنے میں بوا چائے لے آئیں۔ چائے کے ساتھ موی نے ایک دو باتیں پوچھیں جس کے اس نے الٹے سیدھے جواب دیے تھے۔ مگر جو بھی تھا اپنی باتوں اور خوش مزاجی کی بنا پر وہ شمسی بوا اور موی کو خاصا معقول خاندانی لگا تھا۔

"بوا! آپ کے ہاتھ کی چائے مجھے یاد رہے گی۔ اس سے بہترین چائے میں نے نہیں پی۔" جاتے جاتے اس نے شمسی بوا سے کہا۔ اس تعریف پر وہ اور بھی خوش ہوئیں۔ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ بھی رکھا اور دعا بھی دی۔ پریشے نے اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"خالہ! میں باہر تک چھوڑ کے آتی ہوں۔" پریشے نے ہمت کر کے کہہ دیا۔ موی نے سر ہلا کر اجازت دی۔ وہ اس کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔

"تم سے کس نے کہا تھا کہ گھر آجاؤ اور یہ ایڈریس کہاں سے ملا؟" لان تک آتے ہی وہ اس پر الٹ پڑی۔

"تمہارے فارم سے۔" وہ مزے سے بولا۔

"باقی کلائنٹس کے گھر بھی یوں منہ اٹھا کر پہنچ جاتے ہو کیا۔ تمہیں پتا بھی ہے اگر خالہ کو میرے شادی طے ہو جانے کی بھنک بھی پڑ جاتی تو کیا ہوتا؟"

"زیادہ غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے جواب نہیں آیا تھا کہ تم جن کا رشتہ ڈھونڈنے میرے دفتر تک آگئی ہو انہیں اس بات کی خبر ہی نہیں۔" ارحم بھی اسے سنا گیا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔ ایک بار رشتہ مل جاتا تو میں اپنا نام بھی نہ آنے دیتی۔"

"نام تو تمہارا ابھی بھی نہیں آیا۔" وہ شوخی سے مسکرایا۔

"تم کیوں اتنی ترنگ میں ہو۔ یہ جو خالہ اب سمجھ رہی ہیں اس کا کیا؟" پریشے نے اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" ارحم نے مسکراتے ہوئے ایک تصویر اس کے سامنے کی۔

"پہچانتی ہو انہیں؟" پریشے کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ تو موی کی پرانی تصویر تھی۔

"یہ خالہ کی تصویر تمہارے پاس۔" اب ارحم نے تصویر کی پشت اس کے سامنے کی جس پر خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں "موی گل" لکھا تھا۔

"تمہاری خالہ موی گل وہی لڑکی ہیں جن سے عالیان بھائی محبت کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔" ارحم نے انکشاف کیا۔

☆☆☆

"اب یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے جانے کے بعد میں خالہ اور بوا سے منہ چھپاتی پھر رہی تھی۔ رات کا کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا نہ صبح کا ناشتا کیا۔ ہائے اب تو بھوک سے جان نکل رہی ہے میری۔ اور اب پھر تم آ ٹپکے ہو۔"

"تو کیا ضرورت تھی منہ چھپانے کی میں تمہاری بوا اور خالہ کے سامنے خاصے نمبر بنا چکا ہوں۔" ارحم نے محظوظ ہو کر کہا۔

"زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور تمہیں کیا پتا صبح بھی بوا مجھے کیسی عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اور ابھی تو جانے کیسے کیسے سوالات ہوں گے مجھ سے اور یہ سارے سوال نامے تمہاری وجہ سے میرے حصے میں آئے ہیں۔" آخر میں اسے گھورا جو تلملا اٹھا تھا۔

"ایک منٹ..... غلطی تمہاری اپنی ہے نہ تم نے

اپنی خالہ سے شادی دفتر جانے والی بات چھپائی ہوتی نہ وہ یہ سب سمجھتیں اور اگر وہ سمجھ ہی رہی تھیں تو ٹوک دیتی انہیں۔"

"ہاں تو میں نے اپنے حساب سے پلاننگ کی تھی۔ تمہیں کس نے کہا تھا میری پلاننگ میں کود پڑو۔ گھر آنے کے بجائے تم مجھے بتا بھی سکتے تھے اور ویسے بھی ہمارے گھرانوں میں لڑکیاں لڑکوں سے دوستی نہیں کرتی پھرتیں جو میں کہہ دیتی دوست ہے میرا۔ ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں میں نہ ہی خالہ ایسی ہیں جو اس بات پر شاباشی دیتیں۔ اب ظاہر ہے کوئی لڑکا میرا نام لے کر گھر آجائے گا تو بوا اور خالہ یہی سمجھیں گی جو وہ اب سمجھ رہی ہیں۔"

ارحم نے گہرا سانس لے کر خود کو پرسکون کیا ورنہ وہ جتنی تپی ہوئی تھی اس سے ایسی باتوں کی ہی امید کی جاسکتی تھی سونے پر سہاگا اسے بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔

"ہم کیوں لڑ رہے ہیں۔ ہمیں تو اب مل کر یہ سوچنا ہے کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

"ہوں۔ اب کچھ کھانا ہے مجھے۔" پریشے کے منہ سے نکلا۔

ارحم نے تپ کر اسے دیکھا پھر اس کی شکل دیکھ کر ترس آگیا۔

"چلو۔ بیٹھو گاڑی میں۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھا۔

"گاڑی میں کچھ ہے کھانے کے لیے۔" معصومیت سے پوچھا گیا۔

"جی نہیں۔ قریب میں فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ ہے وہاں سے برگر کھلاتا ہوں۔" وہ جل کر بولا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" وہ جلدی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی بھوک شدید لگی ہوئی تھی ایسے میں کینٹین کا کباب اور انڈے والا برگر کھانے کے بجائے اگر اچھا آپشن مل رہا تھا تو کیا مضائقہ تھا۔ برگر ختم کرتے ہی اس کے چہرے پر رونق آگئی تھی۔ کولڈرنک کا سپ لیتی وہ اس کی جانب گھومی۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی، عالیان بھائی اور خالہ اگر ایک دوسرے کو اتنا پسند کرتے تھے تو ان کی شادی کیوں نہیں ہوئی۔" کل سے وہ اسی الجھن کا شکار تھی۔

"کوئی خاندانی تنازعہ تھا۔" ارحم نے محتاط الفاظ کا استعمال کیا۔

"اب نہیں ہوگا کیا؟" پریشے کا سوال اپنی جگہ درست تھا۔

"تو ہم کس لیے ہیں۔ ہم کروائیں گے ان دونوں کی شادی۔" وہ مطمئن انداز میں مسکرایا۔

"پہلے اپنے والا مسئلہ تو حل کرلو۔ خالہ کو کون بتائے گا کہ ہمارے درمیان ایسا کچھ نہیں جیسا وہ سمجھ رہی ہیں۔" وہ ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"تو سمجھنے دو۔"

"مطلب" تیوریاں چڑھا کر ارحم کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ ہم اسی پوائنٹ کو استعمال کریں گے۔" ارحم کے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ تھی جیسے وہ بہت کچھ سوچے بیٹھا ہو۔

☆☆☆

رات کو کھانے کے بعد وہ مومی کے لیے چائے بنا لائی تھی۔ شمسی بوا کے گھٹنوں میں درد تھا تو وہ جلدی سونے چلی گئی تھیں۔

"سوری خالہ! میں نے آپ کو ارحم کے بارے میں بتایا نہیں۔" ہمت کر کے اس نے خود ہی موضوع چھیڑ دیا۔

"تمہیں خود بتانا چاہیے تھا پریشے تم مجھ سے ہر بات کرسکتی ہو۔" مومی نے نرمی سے کہا۔

"میں بتانے والی تھی پر ارحم خود ہی آگیا۔ آپ کو کیسا لگا ارحم۔" جملہ مکمل کرتے اس نے پلکیں گرا کر سر بھی جھکا لیا۔ اپنی طرف سے شرمانے کی ایکٹنگ کی تھی۔

"ارحم تو بہت اچھا لگا۔ تمیز تہذیب والا اور خوش اخلاق۔" اسے کہو اپنے گھر والوں کو لائے ان سے مل کر ہی کوئی فیصلہ کروں گی اور ہاں اگر مجھے پسند آئے تب بھی تمہاری پڑھائی تک منگنی ہو سکتی ہے۔"

"جی ٹھیک ہے۔" فوراً سے بولی پھر مومی کو مسکراتے دیکھ کر سٹپٹائی۔ پھر یاد آنے پر بولی۔ "ابھی

وہ اپنے بھائی کو لانا چاہ رہا ہے۔ بلالوں؟
''بھائی کیوں؟''
''وہ والدین ابھی یہاں ہیں نہیں نا تو آپ بھائی سے مل لیں کل بلالوں؟'' امید سے پوچھا۔
''او کے بلالو۔'' موی نے حامی بھری پریشے نے سکھ کا سانس لیا۔ آخر ایک مرحلہ تو طے ہوا۔

☆☆☆

''پلیز بھائی۔ آپ مل لیں گے تو تسلی ہو جائے گی مجھے۔'' بستر کی پائنتی پر بیٹھا وہ ملتجی لہجے میں کہہ رہا تھا عالیان جائے نماز لپیٹ کر اسٹول پر رکھتا اس کی جانب مڑا۔
''تم ماما کو کیوں نہیں لے جاتے۔ میری نسبت وہ زیادہ بہتر طریقے سے بات کر سکیں گی۔ میں خواتین سے مل کر کیا کروں گا۔ نہ مجھے شادی کی بات کرنے کا کوئی تجربہ ہے۔'' عالیان نے معقول جواز پیش کیا۔
''اوہو بھائی شادی کی بات نہیں کرنی ابھی صرف ملاقات کرنی ہے۔ بات چیت سے آپ ان کی فیملی کو تھوڑا بہت جان جائیں گے۔ آپ سمجھیں نا بعد میں بھی تو آپ نے گھر میں بات کرنی ہوگی میرے لیے آخر بڑے بھائی ہیں میرے۔''
''تعبیر کو لے جاؤ۔ اسے بزرگ خواتین کو اچھی طرح ڈیل کرنا آتا ہے۔'' عالیان نے ایک اور آپشن دی۔
''نہیں۔ تعبیر کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ماما کے ساتھ جا کر مل لے گی۔ اور جہاں تک بزرگی کا تعلق ہے وہاں صرف ایک ہی بزرگ خاتون ہیں ان کی بوا جی۔ پریشے کی خالہ اچھی خاصی ینگ ہیں۔ ورکنگ وومن ہیں اور سارا گھر وہی چلاتی ہیں۔'' ارحم نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔
''کل تیار رہے گا وقت پر۔'' گھڑی کی جانب اشارہ کرتا وہ بستر سے اٹھا۔ ''اور میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔''
اس کے وارن کرنے پر عالیان نے ہنستے ہوئے الماری سے کتاب نکالی۔ اسے سونے سے پہلے مطالعے کی عادت تھی۔
''چلوں گا تم فکر نہ کرو۔'' اسے تسلی دی۔
''کل کا دن آپ ہمیشہ یاد رکھیں گے بھائی۔''
مسکرا کر کہتا وہ اسے متذبذب چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔ عالیان بھی سر جھٹک کر کتاب کی جانب متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

منظور انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا گیا تھا۔ ہر چیز سے نفاست جھلک رہی تھی۔ ڈل گولڈن اور میرون کلر کا امتزاج پردوں اور صوفوں پر بہت جچ رہا تھا۔
عالیان نے توصیفی نظروں سے ڈرائنگ روم کو دیکھا کچھ ہی دیر میں پریشے سلام کرتی ہوئی اندر آئی۔ دونوں اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔ عالیان نے خوش دلی سے حال احوال پوچھا۔
''یہ اگر اس دن ریسٹورنٹ کے باہر مجھے کلائنٹ کے دھوکے میں نہ رکھتا تو ہم بہت پہلے مل چکے ہوتے۔'' عالیان نے بیٹھتے ہوئے شرارت سے اس دن کا حوالہ دیا وہ اسے پہچان گیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراہٹ چھپائی۔
''آپ کو اسی دن بتا دیتا تو یہ ہمیں اتنے اہتمام سے آج نہ بلاتیں۔'' ارحم نے ہنس کر بات بنائی۔
''جی نہیں اتنی بے مروت نہیں ہوں میں۔''
پریشے نے خفگی سے ارحم کو دیکھا پھر عالیان کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔
''آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا مجھے۔''
''اچھا میں تو بہت عام سا شخص ہوں۔'' وہ ایسے مسکرایا جیسے کوئی بچے کی بات پر مسکراتا ہے۔
''مجھے تو آپ بہت اچھے اور خاص لگے ہیں۔''
پریشے نے بے ساختہ تعریف کر دی۔
''ویسے اتنی جلدی کسی کے بارے میں رائے قائم نہیں کرتے۔''
''یوں تو، آپ میرے بارے میں جو اچھی رائے قائم کر رہے ہیں وہ بھی اتنی جلدی نہیں ہونی چاہیے۔''
اس کی بے ساختگی پر عالیان کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ

گہری ہوئی۔ جبکہ ارحم نے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ہمارے ارحم کی پسند ہو تو ہمیں تو اچھی ہی لگو گی۔'' وہ مشفقانہ انداز میں بولا۔ سامنے بیٹھی۔ چھوٹے بالوں اور چمکتی آنکھوں والی لڑکی اسے بے حد پسند آئی تھی۔ آج وہ تیار بھی خاصے اہتمام سے ہوئی تھی۔ رائل بلو کلر کے جوڑے میں ملبوس ساتھ بلو رائی کیے بال جو اس کی کٹنگ کے مطابق سیٹ تھے۔

''اب کیا ہو سکتا ہے بھائی۔ آپ کے پاس دوسرا آپشن جو نہیں ہے۔'' ارحم نے ٹانگ اڑانا ضروری سمجھا۔

''اس کی باتوں کی تو عادت ہو گئی ہو گی تمہیں۔'' عالیان نے پریشے کو دیکھا جو کھل کر مسکرائی تھی۔

''بھائی۔ آپ میرے ساتھ آئے ہیں۔'' ارحم نے یاد کروایا۔

''جی، بالکل یاد ہے مجھے۔'' عالیان نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

''خالہ کب تک آجائیں گی؟''

''سوری۔ وہ اصل میں آفس میں تھوڑا لیٹ ہو گئیں ان کا فون آیا تھا اب تو پہنچ رہی ہوں گی۔'' اتنے میں گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ ارحم اور پریشے نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کے دل کی رفتار تیز ہوئی تھی۔

''لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ اندر آئی۔ ہینڈ بیگ صوفے پر رکھ کر شمسی بوا کو کچن میں کام کرتے دیکھ کر سلام کرتی کچن میں داخل ہوئی۔ بوا چائے پیالیوں میں انڈیل رہی تھیں۔ باقی لوازمات ٹرے میں دھرے تھے۔

''مہمان کب آئے بوا؟'' فریج سے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں بھرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تو پانچ بجے ہی آگئے تھے۔ وقت کے پابند لگتے ہیں۔'' شمسی بوا نے رائے قائم کی۔ پانی پیتے ہوئی نے گھڑی پر نگاہ ڈالی جو پونے چھ بجا رہی تھی۔

''مہمان اتنی دیر سے بیٹھے ہیں چائے پہلے بھیج

''نہیں بیٹا کہاں۔ پریشے بیٹا نے مجھے کوئی چیز پہلے بنانے نہیں دی کہ ہو سکتا ہے وہ دیر سے آئیں جیسے ہی وہ آئے ہیں تب میں نے یہ ساری تیاری شروع کی ہے۔'' شمسی بوا نے لوازمات کی جانب اشارہ کیا۔

''پریشے بھی حد کرتی ہے۔ چلیں ٹھیک ہے۔ منصور کو بلائیں ٹرے اٹھالائے اور آپ بھی آجائیں۔'' ہدایت دیتی وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ موی کے اندر آتے ہی بات کرتے ارحم اور پریشے اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔

''بھائی نہیں آئے آپ کے ساتھ؟'' حال احوال پوچھنے کے بعد موی کا پہلا سوال یہی تھا۔

''آئے ہیں وہ ابھی کال سننے باہر نکلے ہیں۔'' ارحم نے ڈرائنگ روم کے باہر کھلنے والے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ اس نے سر ہلایا۔ منصور چائے اور لوازمات کی ٹرے میز پر رکھ کر جا چکا تھا۔

''سوری۔ میں آفس سے جلدی نکلنا چاہتی تھی مگر کچھ مسئلے نپٹاتے دیر ہو گئی۔'' اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے معذرت کی۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم بھی گپ شپ ہی لگا رہے تھے۔'' ارحم مسکرایا ورنہ دل میں تو ایک بے چینی سی تھی اتنے میں عالیان دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

''کال کچھ لمبی ہو گئی۔'' وہ بولتا ہوا اندر آیا۔

لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی جو سامنے بیٹھی شخصیت پر نظر پڑتے ہی غائب ہو گئی۔ وہ جیسے وہیں تھم سا گیا۔

اسی وقت موی کی نظر بھی سامنے کھڑے شخص پر پڑی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں بھی گویا ساکت ہو گئیں۔ پریشے نے اس کے چہرے پر خوشی کھوجنے کی کوشش کی تھی مگر وہ تو جیسے بت بن گئی تھی۔ مہمانوں سے ملنے کے لیے اندر آئی شمسی بوا بھی پتھرائی نظروں سے سامنے کھڑے عالیان شاہنواز کو دیکھ رہی تھیں۔

وقت نے کیسا پلٹا کھایا تھا کہ ایک بار پھر وہ شخص اس کے سامنے کھڑا تھا۔ موی کو اپنی نظر کا دھوکا لگا۔

"یہ میرے بھائی ہیں عالیان اور بھائی یہ پریشے کی خالہ۔"

"موی۔" عالیان کے لبوں سے نکلنے والے اس لفظ میں بے یقینی اور بکھراؤ سا تھا۔ اس نے جیسے لمحوں میں برسوں کا سفر طے کرلیا تھا۔ موی جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"بوا۔ مہمانوں کو چائے پلا کر بھیجئے گا۔" سپاٹ لہجے میں بوا کو مخاطب کرتی وہ منہ موڑ کر چلی گئی۔ پریشے ششدر سی کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ارحم نے گہرا سانس لیا پھر عالیان کو خاموشی سے دروازے کی جانب پلٹتے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکا۔

"بھائی۔ کچھ تو بولیں۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی ارحم نے اسے بولنے پر اکسایا جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا چپ چاپ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"تم کب سے جانتے ہو؟"

چند دن پہلے ہی معلوم ہوا کہ پریشے کی خالہ ہیں۔" اس نے نام لینے سے گریز کیا۔

"بھائی آپ......"

"پلیز ارحم اس وقت کچھ مت کہو۔" اس کا ملتجی لہجہ اذیت سے پر تھا۔

ارحم خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا جانتا تھا کہ اس کے اندر کیسے کیسے طوفان اٹھ رہے تھے۔ گھر کے گیٹ پر پہنچتے ہی عالیان نے اس سے گاڑی کی چابی لے لی۔ وہ روکنا چاہتا تھا بھلا ایسی حالت میں وہ گاڑی کیسے چلاتا مگر وہ رکا نہیں تھا۔ زن سے گاڑی اڑا لے گیا۔ ارحم پیچھے کھڑا اڑتی دھول کو دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

حنان اسے سامنے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ ابھی دوپہر میں انہوں نے ساتھ لنچ کیا تھا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات اس قدر نافہم تھے کہ وہ بغیر کچھ پوچھے اسے اندر لے گیا۔

"کیا ہوا۔ تم نے تو ارحم کے ساتھ جانا تھا؟" اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہی حنان نے استفسار کیا۔

جمائے ہوئے تھا۔ "وہاں وہ تھی۔"

"کون؟" حنان ٹھٹکا۔

"موی۔" اس کے لب لمحے بھر کے مسکرائے پھر مسکراہٹ معدوم ہوگئی۔

"موی گل۔" حنان کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

عالیان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کوئی بات ہوئی کچھ کہا اس نے؟" حنان سنبھل کر پوچھا۔

"نہیں وہ اجنبی بن کر منہ پھیر گئی۔" حنان گہرا سانس لیا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"اپنے اندر کی تپش مجھے کم ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔ میں اسے دیکھ کر جی اٹھا ہوں یار! میں جی ا ہوں۔" اپنی کیفیت بیان کرتا وہ اٹھ کر کھڑکی کے پا آ کھڑا ہوا۔ حنان نے گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"اونہوں، تم تڑپ گئے ہو اور اپنے ساتھ س کو تڑپاؤ گے۔ میری مانو معافی مانگو اس سے ایک بار بار اور جب معافی مل جائے تو بھول جاؤ کہ کبھی ا نام کی لڑکی کو جانتے بھی تھے۔"

"ایسے کیوں کہہ رہے ہو۔" وہ جیسے تڑپ ک قریب آیا تھا۔

"مت بھولو، دس برس پہلے بھی یہ رشتہ جڑ نہیں سکا تھا اور آج بھی اس کا جڑنا آسان نہیں ہے۔ انکل مان بھی جائیں تو وہ نہیں مانے گی۔"

"میں اسے بھول نہیں سکتا۔" وہ بے بس دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم تو کہتے تھے قرض دار ہو اس کے اب قرض ادا کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔" حنان نے سمجھانے کی کوشش کی جس پر وہ بے اختیار بول پڑا۔

"قرض کی ادائیگی کا طریقہ طے نہیں ہوا تھا۔"

"اور اس کا فیصلہ نے بغیر ہی تم طے کر بیٹھے ہ کہ ادائیگی یونہی ہوگی۔ یعنی اس بار بھی فیصلہ کرنے ک اختیار اسے نہیں دو گے۔"

یسا ٹوٹا ہوا انداز تھا کہ حنان نے نظریں چرائیں اور سنجیدگی سے بولا۔

''میں صرف سمجھا رہا ہوں عالیان شاہنواز کہ وہ منہ پھیر کر گئی ہے تو اس کے منہ پھیرنے کو ہلکا نہ لو۔ کوئی خوش فہمی نہ پالو۔''

''یا اللہ۔'' زیر لب کہتا وہ ہارے ہوئے انداز سے صوفے کی پشت سے سر ٹکا گیا۔

حنان نے ہمدردی سے اپنے دوست کو دیکھا۔ وہ اس کے احساسات کو سمجھتا تھا مگر نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس بار بھی کوئی امید باندھ کر دس برس پہلے والی اذیت جھیلے۔

☆☆☆

پریشے جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر سے ادھر چکر لگا رہی تھی۔ ایک گھنٹہ ہو گیا تھا موی کو اپنے کمرے میں بند ہوئے اور وہ دروازہ کھلنے کے انتظار میں لاؤنج میں چکر لگائے جا رہی تھی۔ شمسی بوا پہلے تو کچن میں گھسی رہیں۔ اب پندرہ منٹ سے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی جانے کیا سوچے جا رہی تھیں۔

''بوا۔ آخر آپ بتا کیوں نہیں دیتیں کہ خالہ کو کیا ہوا ہے کیوں وہ ان لوگوں کے پاس نہیں بیٹھیں؟'' پریشے ان کی جانب مڑی۔

بوا نے آنکھوں میں آئی نمی کو دوپٹے سے پونچھا۔

''بیٹا! ہم سے کچھ نہ پوچھو۔ اور آئندہ ہم سے یا موی بیٹا سے اس لڑکے کا ذکر نہ کرنا اور نہ ہی اس کے خاندان کو بلانا بس بھول جاؤ اسے۔''

''مجھے ٹھیک سے بتائیں سب کچھ۔'' پریشے بے چین سی صوفے پر ٹک گئی۔

''کہا نہ بیٹا ہم سے کچھ نہ پوچھو اس پر دھیان دو جو ہم کہہ رہے ہیں۔'' پریشے بری طرح زچ ہوئی۔

''بوا پلیز۔ یہ کوئی ساٹھ کی دہائی نہیں چل رہی کہ آپ نے کہا سوال مت کرو اور میں چپ سادھ لوں گی۔ اکیسویں صدی چل رہی ہے اب ہر چیز کی وجہ بتانی پڑتی ہے۔ آپ بھی مجھے سچ سچ بتا دیں ورنہ پھر میں ارحم اور عالیان بھائی کو کال کرتی ہوں وہی بتائیں گے مجھے۔'' پریشے نے دھمکی دی جس پر بوا بول اٹھیں۔

''خبردار۔ بیٹا' جو آپ نے ان سے بات کی' جانتی بھی ہیں کون لوگ ہیں وہ۔ برسوں پہلے کیا کچھ نہیں کیا انہوں نے آپ کے نانا کے ساتھ، موی بیٹا کے ساتھ۔''

اس نے ٹھٹک کر شمسی بوا کا لال بھبھو کا چہرہ دیکھا۔ آخر ایسا کون سا راز تھا جس سے پردہ اٹھنے والا تھا۔ بوا ماضی کی کہانی شروع کر چکی تھیں اور وہ دم سادھے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

آنکھ تو اس کی آدھے گھنٹے سے کھلی ہوئی تھی مگر وہ سستی سے لیٹی رہی۔ بستر چھوڑنے کا دل جو نہیں کر رہا تھا۔ مزید دس منٹ لیٹے رہنے کے بعد وہ بستر سے اٹھی۔ منہ ٹھنڈے پانی سے دھو کر، تولیے سے منہ پونچھتی وہ غسل خانے سے نکلی۔ بستر پر پڑا دوپٹا اٹھا کر کندھوں پر پھیلا کر وہ کمرے سے نکلی۔ رخ برآمدے کی جانب تھا۔ جانتی تھی کہ اس وقت دونوں خواتین وہیں محفل جمائے بیٹھی ہوں گی۔ حویلی کے اندرونی حصے میں مکمل خاموشی تھی۔ یقیناً رضیہ بھی اس وقت تک جھاڑو پونچھا کر کے جا چکی تھی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے جیسے ہی دروازہ کھول کر باہر نکلی سامنے کا منظر واضح تھا۔ زہرہ بی بی چارپائی پر براجمان تھیں جبکہ قریب ہی موڑھا ڈالے شمسی بوا بیٹھی تھیں۔ دونوں باتیں کرتے ہوئی ساگ کاٹنے کے شغل میں مصروف تھیں۔ وہ سلام کرتی قریبی چارپائی پر نیم دراز ہو گئی۔

''اماں جی۔ ہفتے میں کتنے دن ساگ پکائیں گی۔'' اس نے تکیے پر کہنی ٹکاتے ہوئے منہ بنا کر ساگ کے ڈھیر کو دیکھا۔

''ناشکری نہیں کرتے۔ نصیب والوں کو ملتی ہیں گاؤں کی خالص سوغاتیں۔ اور پھر بھلا ہو تمہارے چاچا کا جو ہر ہفتے گاؤں سے یہ سبزیاں بھجوا دیتے ہیں۔ ورنہ تمہارے ابا جی نے تو کاروبار کے لیے ساری زمینیں ہی بیچ ڈالیں اب تو ایک ہی زمین بچی ہے باقی تو تمہارے چچا کی ہیں اور وہ اپنی محبت میں کچھ نہ کچھ بھیج دیتے ہیں۔'' زہرہ بی بی کے تشکر بھرے انداز پر شمسی بوا بول پڑیں۔

"اے لو بی بی۔ یہ سب بھیج کر کہاں کا احسان جتاتے ہیں۔ سال میں کتنی مرتبہ تو بھائی جی ان کو کسی نہ کسی ضرورت کے تحت رقمیں دیتے رہتے ہیں۔"

"چھوڑو شمسی یہ تو بھائیوں کے آپس کا معاملہ ہے۔"

"اماں جی۔ پراٹھا تو ڈال دیں۔" اس نے اس بحث سے اکتا کر فرمائش کی۔

"مینا۔ ابھی کون سا وقت ہے پراٹھے کا کچھ دیر بعد کھانے کا وقت ہو جائے گا۔ یوں بھی صبح کا سالن تو شمسی دم پر رکھ آئی ہے۔ ابھی تندور بھی لگا لے گی۔" زہرہ بی بی نے اسے تسلی دی۔

"بیٹا۔ آپ فجر کے وقت پڑھنے کے لیے اٹھی تھیں تو مجھ سے ناشتے کا کہہ دیتیں۔ میں بنا لاتی۔" شمسی بوا جانتی تھیں کہ آج کل وہ فجر کی نماز کے بعد دو گھنٹے پڑھتی تھی۔

"اس وقت بھوک نہیں تھی بوا۔" وہ جواب دیتی باورچی خانے میں گھس گئی جب تک وہ سیب لے کر واپس آئی شمسی بوا اور زہرہ بی بی گاؤں کے کسی قصے میں محو تھیں۔ گاؤں سے آئے انہیں کافی سال گزر گئے تھے مگر دونوں کو وہاں کی ساری خبریں ملتی رہتیں کچھ چاچی سے اور کچھ ذرائع بوا کے تھے۔

"مینا۔ اپنی چاچی سے کسی وقت بات کر لینا پوچھ رہی تھیں تمہارا۔" زہرہ بی بی کو خیال آیا تو اسے کہہ دیا۔

"جی اماں جی۔"

"بی بی۔ آپ مینا کیوں کہتی ہیں۔ اتنا پیارا تو نام ہے بٹیا کا موی گل۔" بوا نے چھری چلاتے ہوئے پوچھا۔

"آئے ہائے شمسی۔ میرے تو منہ پر یہ نام نہیں چڑھتا۔ کہا بھی تھا اس کے ابا جی سے کہ اچھا سا نام نہ رکھیں۔ پر وہ اڑ گئے کہ وڈی کا تم نے رکھا تھا تو نکی کا میں ہی رکھوں گا۔ اب میں شکر ادا کرتی ہوں وڈی کے واری میں نے اچھا سا نام رکھ لیا تھا۔ شائلہ، اتنا اچھا نام ہے۔"

موی نے اپنی بے ساختہ ہنسی دبائی۔ اب اماں جی کو کیا خبر تھی کہ ان کی شائلہ نے لندن جا کر اپنا نام شائل رکھ لیا تھا کیونکہ اسے اپنا نام آؤٹ ڈیٹڈ لگتا تھا۔

"اب ان کے ابا جی نے یہ روایت رکھی ہے تو شائلہ نے بھی بچی کا نام پرانے رکھ لیا۔ بھلا ہے کوئی تک ایسے نام ہمارے گاؤں میں کب رکھے جاتے ہیں۔ کہا تھا شاز یہ رکھ لو پر نہیں مانی۔" زہرہ بی بی ناراضی سے بولیں۔ انہیں تو سادے اور پرانے نام ہی بھاتے تھے۔ اسی وقت لاٹھی ٹیکتے اکمل چاچا قریب آتے نظر آئے۔

"کوئی کام تھا اکمل۔" زہرہ بی بی نے ہاتھ روک کر پوچھا۔

"بی بی۔ صبح توں منت کرا سیں او چشمہ ٹٹ گیا اے دوجے والا ڈھنڈے پر مندی نہیں اے جی۔" اکمل چاچا نے شکایت لگائی ہاتھ میں ٹوٹا ہوا چشمہ پکڑا رکھا تھا۔

"شمسی! پہلے چشمہ کیوں نہ ڈھونڈ کر دیا۔ صبح سے یہ وقت ہو گیا کتنی مشکل ہو رہی ہو گی اکمل کو۔"

زہرہ بی بی نے بوا کو ڈپٹا۔

"بی بی! روز کا یہی مسئلہ ہے۔ اب ہم کیا کریں دن بدن بزرگی آتی جا رہی ہے ان پر۔" شمسی بوا نے منہ بناتے ہوئے صفائی پیش کی۔ وہ اکمل چاچا سے بیس سال چھوٹی تھیں۔

"تب تو تمہیں اور بھی خیال کرنا چاہیے۔ شوہر ہے تمہارا۔"

"خیال ای تے نیں کردی۔" اکمل چاچا کے شکایتی انداز پر بوا منمنائیں۔

"کرتے تو ہیں بی بی۔"

"اچھا جاؤ، پہلے چشمہ دوا سے۔" زہرہ بی بی نے کہا۔ شمسی بوا بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئیں۔

موی دلچسپی سے یہ تکرار سن رہی تھی۔ جانتی تھی بوا کی نوابی روح کبھی کبھی جاگ اٹھتی تھی اور اس کا خمیازہ اکمل چاچا کو ہی بھگتنا پڑتا تھا۔ شمسی بوا کی نانی نواب خاندان کی تھیں۔ وہ لوگ ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے تبھی بوا کی نانی کا رشتہ پنجابیوں میں ہو گیا۔ مگر ان کی کچھ عادات اور بول چال کا طریقہ پہلے ان کی بیٹی نے ورثے میں لیا اور پھر نواسی نے اسی لیے تو پنجابیوں کے

''انتہائی فرماں برداری۔'' حنان نے لکڑا لگایا۔
''بلکہ میرا خیال ہے کہ انکل ایک دن تجھے ہاتھ سے پکڑ کر بٹھائیں گے اور کہیں گے بیٹا آپ کی شادی ہے بولو قبول ہے۔
عالیان ہنسی ضبط کرتا زیر لب مسکرایا نظریں حنان کے چہرے پر تھیں۔
''اتنا سیخ پا ہونے کی ضرورت نہیں ہے آنٹی سے آرام سے بات کرلو۔'' اس نے مشورہ دیا۔
''خیر، لڑکی بری نہیں ہے ابھی میں سوچ بچار کر رہا ہوں۔'' حنان نے مزے سے کہتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرا۔ عالیان نے کتاب اٹھا کر اس کے کندھے پر ماری۔
''اتنی دیر سے یہ ڈرامے کیوں کر رہے تھے۔''
حنان نے آہستگی سے ہنستے ہوئے کتاب اس کے ہاتھ سے کھینچ لی۔
''اوہو، بزنس کا اسٹوڈنٹ اور فیض احمد فیض کی شاعری۔'' اس نے شاعری کی کتاب الٹ پلٹ کر کے دیکھی۔
''ہاں تو۔ شاعری تو دل کی آواز ہوتی ہے جذبات اور احساسات کی عکاسی کرتی ہے تو کیا بزنس کے اسٹوڈنٹ کے پاس دل نہیں ہوتا یا اس کے جذبات واحساسات نہیں ہوتے۔'' بات مکمل کرتا وہ اٹھ گیا۔
''پڑھیے پڑھیے اور ہمیں سنایئے۔'' حنان شوخ ہوا۔
''میں اسے واپس کروا کر آتا ہوں۔'' حنان کے سر ہلانے پر وہ آگے بڑھ گیا۔
آرٹس کے سیکشن کی جانب جانے والے کوریڈور میں وہ تیزی سے مڑا تھا۔ کچھ اسی تیزی سے وہ سامنے آئی تھی کہ اس ٹکراؤ سے دونوں کے ہاتھوں سے کتابیں گر پڑیں۔
''آئی ایم سوری۔'' معذرت کرتا وہ بنچوں کے بیل بیٹھ کر کتابیں سمیٹنے لگا۔ وہ بھی جھک کر اٹھانے لگی۔ تین کتابیں اس نے اس کی جانب بڑھائیں دو پہلے ہی اس کے ہاتھ تھیں۔ عالیان نے سر اٹھا کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا اور جیسے نگاہیں پلٹنا بھول گئیں۔ کوئی پری تھی شاید وہ یا پریوں جیسی۔ دودھیا رنگت، دلکش اور پرکشش نقوش، گہری سیاہ آنکھوں پر دراز پلکیں ماتھے پر ایک طرف کو کٹی ہوئی فلکس اور چہرے پر معصومیت بھرا تاثر جو سامنے والے کو متوجہ کرلے۔ اس کے کھڑے ہونے پر وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔ فوراً سیدھا ہوا۔ کتابیں وہ اس کے ہاتھ سے تھام چکی تھی۔
''رئیلی سوری، میں جلدی میں تھا۔'' ایک بار پھر معذرت کی۔
''اٹس اوکے میں خود بھی جلدی میں تھی۔'' اس کی آواز بھی اس کی طرح خوب صورت تھی۔ سادگی سے بولتی ہوئے وہ اس کے دائیں طرف سے نکلتی آگے بڑھ گئی تھی۔ عالیان نے سحر زدہ سا ہو کر مڑ کر اس کی پشت کو دیکھا۔ وہ کچھ کھویا ہوا سا واپس آ کر بیٹھ گیا۔
حنان نے پہلے اسے دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑی کتاب کو
''خیر ہے کبھی شاعری کبھی سائیکالوجی اور اب ڈیزائننگ کی کتاب۔ تمہارے ارادے کیا ہیں۔ کہیں پارٹ ٹائم کلاسز اٹینڈ کرنے کا تو نہیں سوچ لیا۔
''نہیں ایک لڑکی سے ٹکراؤ ہو گیا تھا اسی کی کتاب غلطی سے میری پاس رہ گئی اور میری اس کے ساتھ چلی گئی۔'' عالیان نے بتایا۔
''پھر اب؟'' حنان کا لہجہ استفہامیہ تھا۔
''کل ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کے ڈیپارٹمنٹ جائیں گے واپس کرنے۔'' کلاس کا ٹائم ہو گیا تھا دونوں نوٹس اور کتابیں سمیٹتے اٹھ گئے۔

☆☆☆

''کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کو گاؤں سے شفٹ ہوئے؟'' شاہنواز صاحب نے چائے میں چینی ہلاتے ہوئے سامنے بیٹھے عنایت اللہ سے پوچھا۔ یہ ان کی ساتویں ملاقات تھی اور اس عرصے میں شاہنواز

ساتھ رہنے کے باوجود ان کا انداز گفتگو نوابوں جیسا تھا۔

☆☆☆

ریوالونگ چیئر پر بیٹھے وہ بغور سیکریٹری کو سن رہے تھے جو سامنے والی کرسی پر بیٹھا انہیں آج کا اسکیجول سنا رہا تھا۔ آخر میں انہوں نے سر ہلایا۔

''ہوں..... ٹھیک ہے دو بجے والی میٹنگ کا ریمائنڈر بھیج دینا اسٹاف کو۔''

''یس سر۔'' سکریٹری نے مودبانہ انداز میں کہا۔ پھر یاد آنے پر بولا۔

''سر! شان ٹریڈرز کے منیجر کی بہت بار کال آچکی ہے۔ وہ ہر بار معذرت بھی کرتے ہیں اور بات چیت کے خواہاں بھی ہیں۔ آپ اگر ایک بار ان سے میٹنگ کرلیں تو.....'' وہ جھجکتے ہوئے بول رہا تھا مگر شاہنواز صاحب نے درشتی سے اس کی بات کاٹی۔

''اتنی بڑی کنسٹرکشن کمپنی میں وقت گزاری کے لیے نہیں چلا رہا نہ میرے پاس اتنا فالتو وقت ہے کہ ان جیسے دھوکے بازوں کے لیے مفاہمتی اجلاس منعقد کرواتا پھروں..... یہ بزنس کی دنیا ہے یہاں اور بہت سے ٹریڈرز مل جائیں گے۔ جن سے ہم میٹریل لے سکیں۔ اس لیے بتا دینا ان کے منیجر کو کہ اب ہم ان کے ساتھ کام نہیں کریں گے۔''

''یس سر۔'' سکریٹری مؤدب ہوا۔

''ہاں، وہ عنایت ٹریڈرز کے منیجر سے رابطہ کرو۔ ان کی بہت تعریف سننے میں آرہی ہے۔''

''یس سر..... بزنس حلقے میں آج کل ان کا بہت چرچا ہے۔ نہ صرف ان کا میٹریل معیاری ہے بلکہ کمپنی کے اونر عنایت اللہ کی شرافت اور اخلاق وہ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے انہیں سب پہچاننے لگے ہیں۔'' سکریٹری نے اپنی معلومات فخریہ انداز میں سنائیں۔

''ان کی کمپنی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟'' شاہنواز صاحب نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

''سر! یہی کوئی پندرہ سال ہوئے ہیں۔ اسٹارٹ انہوں نے چھوٹے پیمانے سے کیا تھا مگر اب ان کا کاروبار کافی پھیل چکا ہے اور وہ بڑی بڑی کمپنیوں کو میٹریل فراہم کررہے ہیں۔''

''ہوں۔ گڈ۔ کافی معلومات ہیں تمہارے پاس۔''

شاہنواز صاحب کے توصیفی لہجے پر سکریٹری کی باچھیں کھل گئیں۔

''تھینک یو سر۔''

''جلد ہی میری میٹنگ ارینج کرواؤ عنایت اللہ کے ساتھ۔'' رعب سے حکم دیتے اسے جانے کا اشارہ کیا اور مطلوبہ فائل کھول لی سکریٹری سر ہلاتا آفس سے نکل گیا۔

☆☆☆

وہ اس وقت لائبریری کے پرسکون ماحول میں بیٹھے نوٹس بنا رہے تھے ساتھ آہستہ آواز میں باتیں بھی کیے جارہے تھے۔

''یار۔ یہ ماؤں کو بچوں کی بچپن کی منگنیوں کا شوق کیوں ہوتا ہے۔ اب مما کو ہی دیکھ لو کہتی ہیں تمہارے بچپن میں طے کرلیا تھا کہ بہن کی بیٹی کو بہو بناؤں گی تو اب اسے اپنی بچپن کی منگیتر سمجھو۔'' حسان کے جلے بھنے انداز پر عالیان نے اپنی ہنسی دبائی۔ ورنہ یہاں زوردار آواز سے ہنسنا اسے بھاری پڑسکتا تھا۔

''بیٹھے بٹھائے منگنی شدہ ہوگئے ہو۔ مسئلہ کیا ہے؟''

''یہی تو مسئلہ ہے۔ میری خواہش نہیں پوچھی گی۔ بلکہ مجھ پر اپنا فیصلہ مسلط کیا جارہا ہے اور میں آپ کی طرح فرماں بردار نہیں ہوں کہ باپ نے کہا بزنس پڑھ لو تو اپنا آرٹس کا شوق چھوڑ کر بزنس پڑھنے چل پڑوں۔ باپ کہے رات ہے تو دن کے اجالے کو رات مان لوں۔ بھئی میں تو سوچ سمجھ کر فیصلہ کروں گا۔'' اس کے چوٹ کرنے پر عالیان مسکرایا۔

''یہ دن رات والا کچھ زیادہ ہوگیا ہے۔ اور جہاں تک فرماں برداری کا تعلق ہے تو ماں باپ کا فرماں بردار ہونا اچھی بات ہے۔''

بلڈرز، عنایت ٹریڈرز کے ساتھ دو آرڈرز مکمل کر چکے تھے اور اب تیسرا بھی شروع کرنے والے تھے۔ شاہنواز صاحب ان کے کام سے بے حد مطمئن تھے بلکہ ایک دو ملاقاتوں میں وہ عنایت اللہ کی شخصیت کے خاصے گرویدہ ہو چکے تھے۔ شرافت اور خاندانی رکھ رکھاؤ والے دیہاتی اور سادہ سے عنایت اللہ انہیں بھا گئے تھے۔ عنایت اللہ کو بھی شاہنواز صاحب کی رعب دار شخصیت اور اصول پسندی اچھی لگی تھی اور یہیں سے دونوں کی کاروباری دوستی کا آغاز ہوا تھا۔

''کوئی چودہ پندرہ سال ہو گئے ہیں۔ گاؤں سے زمینیں بیچ کر آیا تھا۔ یہاں گھر بنایا، چھوٹے پیمانے پر کاروبار شروع کر دیا۔ بس اللہ کا کرم ہے آج آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔'' پیالی ہاتھ میں پکڑے وہ گھونٹ گھونٹ چائے پی رہے تھے۔ ''برادری ساری گاؤں میں ہی ہے میں بھی چکر لگاتا رہتا ہوں۔ اپنی زمین سے کب رابطہ ٹوٹتا ہے۔''

''ہوں۔ صحیح کہہ رہے ہیں اور پھر جو رکھنا چاہیے اس کا تعلق اپنی جڑوں سے مضبوط ہی رہتا ہے۔'' چائے ختم کر کے شاہنواز صاحب نے پیالی میز پر رکھی۔

''ٹھیک ہے، پھر باقی میرا منیجر دیکھ لے گا۔ آپ کے منیجر سے بھی رابطے میں رہے گا۔ یہ آرڈر پچھلے آرڈرز سے خاصا بڑا ہے اور وقت کی بھی کچھ کمی ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں میٹریل، آپ کو وقت پر مل جائے گا اور آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ۔'' عنایت اللہ نے انہیں تسلی دی۔

''یقیناً ایسا ہی ہوگا۔'' شاہنواز صاحب مسکرائے۔

''آپ کبھی گھر آئیے۔ ہم دیہاتیوں کو بھی اپنی خاطر کرنے کا موقع دیں۔'' عنایت اللہ نے جانے سے پہلے دعوت دی۔

''ضرور کیوں نہیں۔'' شاہنواز صاحب نے امی بھری پھر دونوں الوداعی کلمات کہتے، مصافحہ کرتے اٹھ گئے۔

☆☆☆

''ایک منٹ......'' حسان چلتے چلتے رک گیا۔ تیزی سے چلتا عالیان اسے رکتے دیکھ کر واپس مڑا۔ سوالیہ نظریں حسان پر تھیں۔

''نہ اس لڑکی کا نام معلوم ہے نہ یہ خبر ہے کہ کس سمسٹر کی اسٹوڈنٹ ہے اور منہ اٹھا کر ہم چل پڑے ہیں اس کے ڈیپارٹمنٹ۔''

''میں اسے پہچان لوں گا۔'' عالیان کے سنجیدگی سے کہنے پر حسان ہنس پڑا۔

''اپنے ڈیپارٹمنٹ کی لڑکیاں تو آپ پہچان نہیں سکتے۔ ایک دن پہلے دیکھی ہوئی لڑکی وہ بھی جو صرف چند سیکنڈ کے لیے آپ کے سامنے انتہائی ڈرامائی انداز میں آئی تھی وہ آپ کو یاد رہ گئی۔ یار یہ مذاق کسی اور سے کرو۔''

''وہ تو بھولتی ہی نہیں ہے۔'' اس کے منہ سے بے ساختگی میں نکلا۔

''کیا۔'' حسان کے کان کھڑے ہوئے۔

''کیمپس بریک ختم ہو جائے گی۔'' وہ تیز قدموں سے چل پڑا۔ لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ پھیلی تھی۔ جس کو حسان نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''یہ چکر کیا ہے۔ وہ لڑکی تمہیں یاد کیسے رہ گئی؟'' اس کے ساتھ قدم بڑھاتے اس کا انداز جرح کرنے والا تھا۔

''پتا نہیں۔ بس بھول نہیں رہی وہ۔ ذہن کے کونے میں کہیں اٹک گئی ہے شاید۔'' حسان کھنکارا۔

''ذہن کی جگہ دل کہنا چاہیے تھا تمہیں۔''

''ہوں شاید۔'' عالیان کے لب پھر سے کھل اٹھے۔

حسان نے حیرت سے اس کی خوب صورت مسکراہٹ کو دیکھا اور اظہار بھی کر دیا۔

''مقام حیرت ہے۔ عالیان شاہنواز اور کسی لڑکی کے تصور پر مسکرائے میں بھی کھل کھل سے

موصوف کا انداز کیوں بدلا بدلا ہے۔ ورنہ کل تک میں تمہیں اتنا بیبا سمجھتا تھا کہ لڑکیوں پر نگاہ غلط تک نہیں ڈالتا۔"

وہ ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہو چکے تھے اور کیمپس بریک کی وجہ سے اسٹوڈنٹس کا رش ہر جگہ پھیلا ہوا تھا۔

"اس پر سے نگاہ پلٹنا بھول گئی تھی اب دل کو اچھی لگ گئی ہے تو اپنا کر دکھاؤں گا۔" مضبوط لہجے میں بولتا وہ اطراف میں نگاہ ڈالنے لگا۔

"اب لگ رہے ہو عالیان ورنہ مجھے شک ہونے لگا تھا کوئی تمہارا بھیس بدل کر تو نہیں آ گیا۔" حنان نے بھی اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ حالانکہ وہ اس لڑکی سے قطعی ناواقف تھا۔ بیس منٹ سے وہ مختلف گراؤنڈز دیکھ رہے تھے مگر وہ مل ہی نہیں رہی تھی۔

"ہم خوامخواہ خوار ہو رہے ہیں وہ نہیں ملنے والی۔" حنان اب اکتاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔

"مل گئی۔ عالیان کی آنکھیں چمکیں۔ حنان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ گراؤنڈ کے دائیں کونے میں گول دائرہ بنائے لڑکیوں کا گروپ بیٹھا تھا وہ عالیان کے ساتھ آگے بڑھا۔ اسی وقت وہ گروپ بھی اپنی چیزیں سمیٹتا اٹھ گیا۔

"ایکسکیوزمی۔" عالیان نے انہیں روکا ساری لڑکیوں نے گھوم کر اس ہینڈسم سے لڑکے کو دیکھا تھا جو انہی سے مخاطب تھا۔

"آپ کو کوئی کام ہے ہم سے۔" ایک حاضر جواب لڑکی فوراً بولی۔

عالیان نے اس پر نگاہ ڈالی جواب سر جھکائے الجھی سی جانے بیگ میں ہاتھ ڈالے کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"آں..... ان سے بات کرنی تھی مجھے۔" اسے اشارہ کرنا پڑا نام جو معلوم نہ تھا۔

"مومی سے؟" ایک اور لڑکی حیرت سے بولی۔

اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا حیرت سے ان دونوں لڑکوں کو دیکھا۔ حنان نے بھی اس لڑکی کو دیکھا جو چند لمحوں میں ہی عالیان جیسے بندے کے دل پر قابض ہو چکی تھی کچھ تھا اس میں جو وہ سب لڑکیوں میں منفرد نظر آ رہی تھی۔

"مجھ سے کام تھا آپ کو۔" وہ حیران سی انہیں دیکھے گئی۔

"جی آپ کی کتاب رہ گئی تھی میرے پاس۔" عالیان نے فوراً ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کی جانب بڑھائی۔

"اوہ۔ آپ وہ ہیں۔" اسے یاد آ گیا تھا۔

"آپ کی کتاب بھی میرے پاس پڑی ہے۔" جلدی سے بیگ سے کتاب برآمد کی۔

"آپ کون سے سمسٹر کے ہیں؟" پہلی لڑکی نے پوچھا۔

"ہم بی بی اے ڈیپارٹمنٹ کے ہیں۔ ہماری کتابیں کل بدل گئی تھیں۔ اس لیے انہیں ڈھونڈتے ہوئے آ گئے ورنہ ان کا تو نام بھی معلوم نہیں تھا۔" عالیان نے وضاحت کی۔

"مومی گل نام ہے ان کا۔" ایک اور شرارت سے بولی۔ اس کی طرح اس کا نام بھی خوب صورت تھا۔ عالیان مسکرایا۔

"آپ شاعری بھی پڑھتے ہیں۔" کتاب پر نظر ڈالتے ایک لڑکی نے دریافت کیا۔

"جی۔ یہ ہر کتاب پڑھ لیتے ہیں جو بھی مل جائے۔" حنان بول پڑا۔

"اچھی ہابی ہے۔" وہ مسکرائی۔

"تھینک یو۔ ہم چلتے ہیں۔" عالیان نے الوداعی انداز میں کہا۔

"پھر کب آئیں گے۔ میرا مطلب ہے آتے رہتے ہیں کیا یہاں۔" پہلی لڑکی کے بولنے پر سبھی نے اپنی ہنسی دبائی تھی۔ ان کے چہروں پر شوخ مسکراہٹ تھی۔

"اب آپ کو اکثر یہاں نظر آئیں گے۔" حنان بھی شوخ ہوا۔

"جی نہیں ہمارا اس طرف چکر نہیں لگتا یہ تو مذاق

کر رہے ہیں۔'' عالیان نے حنان کو گھورا۔
''نام تو بتاتے جائیں ہوسکتا ہے ہم بھی آپ کو ڈھونڈتے ہوئے آپ کے ڈیپارٹمنٹ آجائیں۔''
''ان کا عالیان اور میرا حنان۔'' حنان نے جھٹ سے جواب دیا۔ پھر ان کے جاتے ہی موی نے فرح کو دیکھا جو شوخی سے مسکرا رہی تھی۔
''یہ کیا پوچھ رہی تھیں تم ان سے۔''
''اوہو۔ منہ سے نکل گیا یار اور اب تو تمہارا نام بھی پتا چل گیا ہے کیا خبر آہی جائیں تمہیں ڈھونڈتے ہوئے۔''
موی نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ''مجھے کیوں ڈھونڈیں گے۔''
''تو چلے جائیں گے۔'' فرح نے مذاق کیا۔ ''بندہ ہینڈسم ہونے کے ساتھ ڈیسنٹ بھی تھا۔''
کلاس تو کینسل ہوگئی ہے ٹیکسی کر کے گھر چلتے ہیں۔'' لبنیٰ نے رائے دی۔
''نہیں۔ میں ڈرائیور کو بلواتی ہوں۔ اس کا ویٹ کرلوں گی۔'' موی نے فوراً کہا۔ اسے اکیلے ٹیکسی پر سفر کرنے سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔
''یہ ہوتے ہیں پیمپرڈ بچے۔'' فرح نے ہمیشہ کی طرح اس کی اس بات کا مذاق اڑایا۔ اس کی بات کا نوٹس لیے بغیر وہ ڈرائیور کو کال ملانے لگی۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا اور وہ صبح سے اسائنمنٹ کرنے میں مصروف تھی۔ اب دوپہر ہونے کو تھی، کام ختم کرتی وہ باورچی خانے میں آئی جہاں کھانے کی تیاری ہورہی تھی۔ شمی بوا آٹے کے پیڑے بنا کر اب تندور لگانے کے لیے باہر جارہی تھیں۔ حویلی کے پچھلے صحن میں انہوں نے مٹی کا تندور لگا رکھا تھا۔ روز دوپہر کی روٹی وہیں پکا کرتی تھی۔ صرف رات کو بوا توے پر روٹی ڈال لیتی تھیں۔ وہ پانی پی کر برآمدے میں آئی تو زہرہ بی بی دوپٹا درست کرتے ہوئے بیٹھک کی طرف جارہی تھیں۔
''اماں جی۔ بیٹھک میں کون ہے۔'' موی نے قریب جاکر پوچھا۔ باتوں کی آوازوں سے کسی کی موجودگی کا احساس ہورہا تھا۔
''سلیم بھائی آئے ہیں۔ انہی کو سلام کرنے جارہی ہوں۔'' زہرہ بی بی جواب دیتی آگے بڑھ گئیں وہ بھی پیچھے ہولی ان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر سلیم صاحب اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔
''سلام بھرجائی۔ کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''
''اللہ دا شکر اے بھائی جی۔ بھرجائی کا کیا حال ہے؟'' زہرہ بی بی نے سلام کا جواب دیتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔
''سلام دے رہی تھیں آپ کو اور ہماری بیٹی کا کیا حال ہے؟'' انہوں نے شفقت سے موی کے سر پر ہاتھ رکھا۔
''میں آپ سے بہت ناراض ہوں انکل۔'' ان کے بیٹھتے ہی وہ بھی منہ پھلاتی سامنے والے صوفے پر ٹک گئی۔
''اچھا وہ کیوں؟'' سلیم صاحب مسکرائے ساتھ بیٹھے عنایت اللہ نے بھی بیٹی کو دیکھا۔
''اتنی دور جو بھیج دیا آپ نے میری باجی کو کتنا عرصہ ہوگیا انہیں چکر لگائے۔ پچھلی بار بھی اتنے کم دنوں کے لیے آئے تھے وہ۔'' موی کے شکایتی لہجے پر سب ہی ہنس پڑے۔
''واقعی یہ تو ناراضی والی بات ہے۔ چلو اس بار فرہاد سے کہوں گا زیادہ دن کی چھٹی لے کر آئے۔''
''ہوں۔ یہ ٹھیک ہے چلیں میں آپ کے لیے آپ کی فیورٹ لسی بناتی ہوں۔ زیرے اور پودینے والی۔'' خوش ہوکر کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔
سلیم انکل، ابا جی کے بہت قریبی اور گہرے دوست تھے اور اسی وجہ سے ان کا گھر آنا جانا بھی بہت تھا۔ دوست ہونے کے ساتھ وہ عرصے سے ابا جی کے منیجر تھے مگر پھر بھی دوستی پر کبھی فرق نہیں پڑا تھا۔ شائلہ کی شادی ان کے بھانجے سے ہوئی تھی۔ فرہاد ان کی مرحوم بہن کا بیٹا تھا جسے انہوں نے اپنے بچوں کی طرح پالا تھا۔ بلکہ اپنے بیٹوں سے بڑھ کر اس کا خیال

رکھا تھا۔

''اس بار بڑے دنوں بعد چکر لگایا بھائی جی۔'' زہرہ بی بی نے انہیں مخاطب کیا۔

''بس بھرجائی کام دھندے مصروف ہی رکھتے ہیں۔''

''کچھ کمزور لگ رہے ہیں بھائی جی۔'' زہرہ بی بی نے تشویش کا اظہار کیا۔

''صحت داخیال جے نیں رکھدا۔'' عنایت اللہ نے بھی تائید کی۔

''صحت کو تو پریشانیاں ہی کھا جاتی ہیں اور میں تو یوں بھی عرصے سے قرضے میں ڈوبا ہوا ہوں اور اس قرضے کا سود ادا کرتے کرتے تو میری سات پشتیں ختم ہو جائیں گی۔'' سلیم صاحب مایوسی سے بولے۔

''رب توں مایوس نئیں ہوندے۔'' ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے۔ عنایت اللہ نے تسلی دی۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں رب خیر کرے گا۔ آپ لوگ باتیں کریں۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔'' زہرہ بی بی اٹھ گئیں۔ دونوں سالن دم پر رکھ آئی تھیں۔ چند منٹ بعد اکمل لاٹھی ٹیکتا، دستک دیتا اندر آیا تھا۔

''صاحب! باہر پروہنے نے۔'' انا دی گڈی رک گئی اے۔''

''ہلا میں دیکھنا آں۔'' عنایت اللہ جواب دیتے سلیم صاحب کے ساتھ باہر نکل آئے۔ سامنے سے دینو چلا آرہا تھا۔

''صاحب جی۔ باہر کسی کی گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ پانی مانگ رہے تھے اور کسی مکینک کا پوچھ رہے تھے۔ پر یہ اکمل چاچا بضد ہیں کہ انہیں اندر بلایا جائے۔ بغیر جان پہچان کے میں کیسے گھر گھسالوں جی۔ آپ خود پہلے تسلی کریں۔''

دینو نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا یقیناً اس کی اور اکمل کی کافی بحث ہو چکی تھی۔ اکمل ٹھہرا دیہاتی بندہ وہ گھر کے دروازے پر آئے ہر شخص کو مہمان ہی سمجھتا تھا۔ وہ سر ہلاتے خود باہر نکلے تو سامنے

گوار حیرت ہوئی۔

''اب تو رب خود آپ کو میرے دروازے تک لے آیا ہے تو کھانا کھلائے بغیر تو آپ کو جانے نہیں دوں گا۔'' دعا سلام کے بعد عنایت اللہ نے کہا۔ شاہنواز صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''میں تو گھر جا رہا تھا بس یہ گاڑی خراب ہوگئی۔

''یہ بھی آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔ آئیے اندر چلتے ہیں۔'' دینو کو مکینک کو گاڑی دکھانے اور ان کے ڈرائیور کو اندر بٹھانے کی ہدایت دیتے وہ انہیں لیے اندر کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

فریش ہو کر وہ لاؤنج میں آیا سامنے ہی تعبیر بیٹھی تھی وہ بھی قریبی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تمہارے ہوتے ہوئے اتنی خاموشی خیریت تو ہے۔'' عالیان نے اسے چھیڑا جو ٹی وی کا ریموٹ پکڑے چینل پہ چینل بدل رہی تھی مگر ٹی وی کی آواز اس نے بند کر رکھی تھی۔

''جی نہیں میں کوئی شور وور نہیں کرتی اور نہ ہی اتنا بولتی ہوں کہ مجھ پر یہ الزام لگایا جائے۔'' تعبیر نے خفگی سے کہا۔

''چور کی داڑھی میں تنکا۔ میرا اشارہ ٹی وی کی آواز کی طرف تھا۔'' عالیان شرارتی لہجے میں بولا۔

''بندہ بہن کی طبیعت ہی پوچھ لیتا ہے کل سے بخار ہے مجھے۔ اگر آپ کو یاد ہو۔'' تعبیر نے اسے شرم دلانے والی نظروں سے دیکھا۔

''بہن ماشاء اللہ سے اتنی فریش لگ رہی ہے کہ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔''

''اب بھی تھوڑا تھوڑا بخار ہے۔'' اس نے گویا اطلاع دی۔

''وہ تو خیر نظر آرہا ہے بخار میں ہی تو یہ جوس، فرائز اور نگٹس کھائے جاتے ہیں۔'' عالیان نے اس کے سامنے رکھے لوازمات کو دیکھتے ہوئے کہا۔ انداز سراسر چڑانے والا تھا۔

''ہاں تو میں بیمار کا بھی دل ہوتا ہے۔'' تعبیر نے

ثر نہ لیتے ہوئے کہا۔
''معدہ بھی اس کا اپنا ہوتا ہے۔'' عالیان بولنے سے باز نہ آیا۔
''خیر مجھے چھوڑیں۔ یہ پوچھیں ماما کہاں گئی ہیں؟'' تعبیر کچھ سوچ کر مسکرائی۔
''بابا کے ساتھ گئی ہیں ان کے کسی دوست کے گھر۔ جانتے ہیں کس مقصد سے گئی ہیں؟''
تعبیر کے تجسس پھیلانے والے انداز پر اس نے لاعلمی سے اسے دیکھا۔
''آپ کے لیے لڑکی پسند کرنے گئی ہیں۔'' وہ مزے سے بولی۔
''لڑکی۔'' عالیان ٹھٹکا ذہن کے پردے پر اس لڑکی کا چہرہ لہرا گیا۔
''جی ہاں۔ شادی کے لیے ایک عدد لڑکی کی ہی ضرورت پڑتی ہے۔ کتنا مزا آئے گا نا۔ میں نے تو ابھی سے سوچنا شروع کر دیا ہے آپ کی منگنی پر کیسا جوڑا بنواؤں گی۔'' تعبیر پرجوش سی بولی۔ پھر خاموش بیٹھے عالیان کو دیکھا۔ ''آپ کو کیوں سکتہ ہو گیا ہے..... کیا کوئی اور لڑکی پسند ہے آپ کو؟'' تعبیر کو اس کا بجھا بجھا انداز دیکھ کر خیال آیا۔
''میں کمرے میں جا رہا ہوں مجھے کچھ کام ہے۔'' سنجیدگی سے کہتا وہ اٹھ کر چلا گیا۔
''ہیں بھائی کو کیا ہو گیا ہے۔'' تعبیر کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔
''یہ کیا ہو گیا تھا۔ ابھی تو وہ اپنے دل میں جاگتے اس میٹھے میٹھے احساس کو پوری طرح محسوس بھی نہیں کر پایا تھا۔ پھر یہ دوسری لڑکی! اس کی گنجائش کہاں تھی۔ اب تو کسی اور کا تصور بھی محال تھا اور حیرانی یہ تھی کہ اس نے اپنے ماں باپ کو بھی انکار نہیں کیا تھا۔ ہمیشہ ان کی خواہش کو مقدم رکھا تھا۔ اب وہ کیسے انکار کر پائے گا۔
ایک گھنٹے سے وہ ٹیرس پر چکر لگائے جا رہا تھا۔ مٹھیاں شل ہوئے جا رہی تھیں اور دماغ ماؤف۔ تھک

گھنٹہ مزید وہاں کھڑے رہتے اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ماما سے مومی کل کی بات کرے گا۔ ہو سکتا ہے جو لڑکی ماما دیکھنے گئی ہوں وہ انہیں پسند نہ آئی ہو یا آ بھی گئی ہو تب بھی وہ اس کی خواہش کو اہمیت ضرور دیں گی۔
گاڑی کا ہارن سن کر وہ سوچوں سے نکلا۔ چوکیدار کے گیٹ کھولنے پر گاڑی لمبی روش پر چلتی گیراج میں آ رکی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اسے ماما اور بابا گاڑی سے اتر کر اندر جاتے نظر آئے تھے۔ پندرہ منٹ تک ذہن میں الفاظ ترتیب دیتے رہنے کے بعد وہ ہمت کر کے لاؤنج کی جانب بڑھا۔ اس نے آج اور ابھی ماما سے بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اس سے پہلے کہ وقت اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے تعبیر سے باتیں کرتے ماما نظر آ گئیں۔ بابا یقیناً کمرے میں جا چکے تھے۔
''جتنی تعریف شاہنواز نے کی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ اچھے لگے مجھے وہ لوگ۔'' کانوں سے گولڈ کے ایئر رنگز اتارتے ہوئے وہ بہت خوش لگ رہی تھیں۔
''ماما۔ لڑکی کیسی لگی آپ کو۔'' تعبیر نے اشتیاق سے اصل بات پوچھی۔
''بہت ہی پیاری، ایسی موہنی صورت کہ دیکھتے رہنے کو دل چاہے۔'' فائقہ بیگم نے کھلے دل سے تعریف کی۔ ان کا خوشی سے چمکتا چہرہ دیکھ کر وہ دل میں پریشان ہوتا خاموشی سے تعبیر کے قریب بیٹھ گیا۔
''تصویر لائی ہیں آپ۔ کہاں تھا آپ کو۔'' تعبیر بے صبری سے بولی۔
''بالکل لائی ہوں وہ تو میں نے بھابھی سے باتوں باتوں میں نکلوالی تھی۔ انہیں اشارہ بھی کر آئی ہوں کہ اب ہم جلدی ہی آئیں گے۔'' مزے سے کہتے فائقہ بیگم نے پرس سے تصویر نکال کر تعبیر کو پکڑائی پھر عالیان کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔
''

تھے ہم۔" عالیان نے محض سر ہلایا۔
"شاہنواز کے بہت اچھے دوست ہیں اور لڑکی بھی انہوں نے تمہارے لیے خود پسند کی ہے۔ تم تصویر دیکھ کر بتانا کیسی لگی ہمیں تو بہت پسند آئی ہے۔"
"ماما کیا لڑکی ڈھونڈی ہے بابا نے۔ اسے دیکھ کر تو رد کیا ہی نہیں جا سکتا۔" تعبیر تو گویا فدا ہی ہوگئی تھی۔
"عالیان کو دکھا دینا۔ اب تو ایک اور ووٹ بڑھ گیا ہے۔" مسکرا کر عالیان کو دیکھتے ہوئے فائقہ بیگم اپنا پرس اٹھا کر چلی گئیں۔ اور اسے اپنے اعصاب پر انجانا سا بوجھ پڑتا محسوس ہوا۔
"بھائی۔ آپ کیوں گم صم بیٹھے ہیں؟" تعبیر نے جانچتی نظروں سے بھائی کو دیکھا۔
"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ دو قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ تعبیر جلدی سے اس کے راستے میں آگئی۔
"تصویر تو دیکھ لیں بھائی۔ تصویر اپنے سینے سے لگائے وہ تنگ کرنے والے انداز میں بولی۔
"بعد میں دیکھ لوں گا۔" اسے ٹالنا چاہا مگر وہ ٹلنے والی نہیں تھی۔
"ابھی کیوں نہیں۔ مجھے سچ سچ بتا دیں۔ یہ جو آپ کے چہرے پر بارہ بج رہے ہیں۔ کچھ کچھ سمجھ میں آرہا ہے اتنا چھوٹا نہ سمجھیں مجھے۔" تعبیر کے گھورنے پر وہ گڑبڑایا۔
"کوئی بارہ نہیں بج رہے تصویر دکھاؤ مجھے۔" عالیان نے خود کو سنبھالتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔
"ایسے تو نہیں دکھاؤں گی۔" تعبیر نے تصویر پیچھے کر لی۔
"چلو ٹھیک ہے۔" وہ بھی آگے بڑھا۔ اسے بھی کوئی شوق نہیں ہو رہا تھا تصویر دیکھنے کا۔
"اچھا نا یہ لیں۔" تعبیر نے اکتا کر تصویر سامنے کی۔
یک دم اس کے چہرے کے تاثرات بدلے۔

تھی۔
"موی گل۔" بے اختیار میں اس کے منہ سے نکلا جو تعبیر نے بھی سن لیا جھٹ سے تصویر پیچھے کی۔
"آپ جانتے ہیں اسے۔"
"آں..... ہاں..... نہیں۔" عالیان سٹپٹایا۔ مسکراہٹ چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔
"سچ سچ بتائیں۔ وہ تو پڑھتی بھی آپ کی یونیورسٹی میں ہے ماما نے ابھی بتایا ہے مجھے۔"
"وہ کچھ دن پہلے دیکھا تھا میں نے اسے۔" عالیان نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے
"کب؟ کہاں؟"
"لائبریری میں ہماری کتابیں تبدیل ہوگئی تھیں۔"
"اور آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں کہ آپ کو وہ لڑکی پسند آگئی ہے۔ پوچھا بھی تھا میں نے آپ سے۔" تعبیر ناراضی سے بولتی لاؤنج سے نکل گئی۔
"اچھا، بات تو سنو تعبیر۔ میں بتانے والا تھا۔ اچھا تصویر ہی دکھا دو میں نے تو ٹھیک سے دیکھی بھی نہیں۔"
مسکراتا ہوا وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا اسے معلوم تھا اب وہ آسانی سے ماننے والی نہیں تھی۔

☆☆☆

بھائی صاحب آج تو ہم آپ سے جواب لینے آئے ہیں۔ عالیان سے آپ لوگ مل چکے ہیں۔ ہمارا گھر بھی دیکھ چکے ہیں۔ اب تو بس ہمیں جواب چاہیے۔"
وہ لوگ اس وقت عنایت اللہ کی حویلی کی بیٹھک میں بیٹھے تھے۔ فائقہ بیگم نے پھر زہرہ بی بی کی جانب رخ موڑا۔
"کیوں بھابھی! اب ہمیں مزید انتظار تو نہیں کروائیں گی۔" شاہنواز صاحب اپنی بیگم کی عجلت پر مسکرا اٹھے۔
"میں تو بھر جائی آپ کو فون کرنے والی تھی میں

پر فائقہ بیگم کے چہرے پر بے پایاں خوشی کے تاثرات ابھرے۔ حالانکہ یہ اعتماد تو انہیں تھا کہ ان کے بیٹے کو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

''شکریہ بھابھی۔ اب تو منہ میٹھا ہونا چاہیے۔''

''میں مٹھائی منگواتی ہوں۔'' زہرہ بی بی اپنی جگہ سے اٹھیں۔

''مٹھائی تو ہم لے کر آئے ہیں۔ گاڑی میں رکھے ہیں ٹوکرے۔ میں نکلواتا ہوں۔'' شاہنواز صاحب بولے۔

''آپ بیٹھیں میں، دینو کو کہتا ہوں۔ وہ ڈرائیور کی ساتھ نکلوا لائے گا۔'' عنایت اللہ کہتے ہوئے بیٹھک سے نکلے اور دینو کو آواز دے کر ہدایت دی۔ ان کے واپس آتے ہی فائقہ بیگم بول اٹھیں۔

''اب آپ ہمیں منگنی کی تاریخ دیں۔ مجھے بہت جلدی ہے اپنے بیٹے کی خوشی دیکھنے کی۔''

''منگنی۔'' زہرہ بی بی نے گھبرا کر شوہر کو دیکھا پھر فائقہ بیگم سے بولیں۔

''ہمارے ہاں منگنی کا رواج نہیں ہے ہم تو بس دعائے خیر کو ہی منگنی کہتے ہیں۔''

''اچھا، میرا خیال تھا ایک آدھ تقریب ہو جاتی۔'' فائقہ بیگم نے اپنے شوہر کو دیکھا جو خاموش تھے۔ ایسے میں عنایت اللہ بولے۔

''بھابھی اگر آپ منگنی کی تقریب کرنا چاہتی ہیں تو ہم آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ ایک تقریب کر لیتے ہیں۔ آپ اپنے ہاتھ سے انگوٹھی پہنا دیجیے گا۔'' انہوں نے بڑے سبھاؤ سے ڈھکے چھپے انداز میں اپنا مدعا بیان کر دیا اور ان کی خواہش کا مان بھی رکھ لیا۔ زہرا بی بی پرسکون ہو گئیں۔ ورنہ ان کے ہاں کب رواج تھا کہ لڑکا لڑکی کو انگوٹھی پہناتا وہ بھی بغیر کسی شرعی رشتے کے۔ شوہر کی تجویز انہیں اچھی لگی۔

''یہ ٹھیک ہے۔ کیوں شاہنواز۔'' فائقہ بیگم نے انہیں بولنے پر اکسایا چائے کی پیالی میز پر رکھتے شاہنواز صاحب سیدھے ہوئے۔

''میرے خیال سے منگنی رہنے دیجیے۔ آپ شادی کی تیاری کریں۔ بچوں کا سمسٹر اینڈ ہو رہا ہے۔ ایگزامز کے فوراً بعد ان کی شادی کر دیتے ہیں۔ شادی کے بعد دونوں پڑھتے رہیں گے۔ عالیان نے بھی آگے ایڈمیشن لینا ہے اور موی بیٹی بھی اپنی ڈگری مکمل کر لے گی۔ آپ کا کیا خیال ہے۔'' بات مکمل کر کے انہوں نے عنایت اللہ کی جانب دیکھا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، آپ کی بیٹی ہے جب چاہے لے جائیں۔'' وہ مسکرائے۔

''مبارک ہو۔'' منہ میٹھا کرتے وہ اٹھ کر آپس میں بغل گیر ہوئے۔

فائقہ بیگم نے بھی زہرہ بی بی کو گلے لگایا۔

''موی گل کو بلائیے نا۔'' موی ان سے مل کر جا چکی تھی۔ اب فائقہ بیگم کے کہنے پر زہرہ بی بی جا کر موی کو لے آئیں۔ وہ شرمائی شرمائی سی جھجکتی ہوئی فائقہ بیگم کے پاس بیٹھ گئی۔ انہوں نے پہلے اسے خود سے لپٹا کر پیار کیا پھر اپنے ہاتھ کی انگلی سے ایک انگوٹھی اتار کر اس کی انگلی میں پہنا دی۔

''ابھی تو میں تمہیں اپنی انگوٹھی دے رہی ہوں۔ مگر وعدہ ہے کہ اگلی بار اس سے بھی بہترین انگوٹھی لے کر آؤں گی۔'' مسکرا کر اس سے کہا۔ وہ جواباً سر جھکا گئی۔

''ارے بھرجائی۔ یہ ہی بہت اچھی لگ رہی ہے۔'' زہرہ بی بی نے سادگی سے تعریف کی۔

''بھابھی! اب آپ کچھ نہیں بول سکتیں۔ یہ میرا اور میری بیٹی کا معاملہ ہے۔'' فائقہ بیگم کے محبت بھرے انداز پر زہرہ بی بی دل ہی دل میں رب کی شکر گزار ہوئیں۔ کیسا قدر کرنے والا سسرال ملا تھا ان کی بیٹی کو۔

☆☆☆

''میں تیری منگنی میں شرکت کرنے کا سوچے بیٹھا تھا اور یہاں تو ڈائریکٹ گھوڑی چڑھنے کی تیاریوں میں ہے۔'' حنان نے طنزیہ انداز میں اس پر چوٹ کی۔ دونوں کلاس لے کر نکلے تھے اور اب ان کا

رخ کینے کی طرف تھا۔

''ماما بابا کی اگر یہی خواہش ہے تو میں کیوں اعتراض کرنے لگا۔'' عالیان نے عام سے لہجے میں کہا۔

''آپ کو کیوں اعتراض ہونے لگا۔ دل میں لڈو جو پھوٹ رہے ہیں۔'' حنان جل کر بولا۔

عالیان مسکرایا۔

''تم کیوں اتنے ناراض ہو رہے ہو۔''

''اس لیے کہ آپ تو شادی کر کے بیوی کو پیارے ہو جائیں گے۔ میں اکیلا ایم بی اے میں پھنسا ہوں گا اور ہمارا ساتھ ایم بی اے کرنے والا خواب ادھورا رہ جائے گا۔'' حنان نے مصنوعی جذباتیت سے اسے چھیڑا جبکہ وہ بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔

''اس وقت تو تم مجھے اپنی بیوی کے روپ میں نظر آ رہے ہو۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' حنان نے اپنا کالر جھٹک کر درست کیا۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ نہ صرف میں نے شادی کے بعد ایم بی اے کرنا ہے بلکہ آپ کی بھابھی نے بھی اپنی ڈگری کمپلیٹ کرنی ہے۔''

''رہنے دو شادی کے بعد لڑکیوں کا پڑھائی سے دل اٹھ جاتا ہے۔ تم بھی مان لو کہ پھر بھابھی نے اس یونیورسٹی میں نظر نہیں آنا بلکہ.....'' بولتے بولتے اس کی زبان رکی۔

''کچھ کھاتے ہیں۔ تمہاری بیٹری بھی بھوک سے لو ہو رہی ہے۔'' عالیان شرارت سے بولا۔

''مجھے چھوڑو سامنے دیکھو۔'' حنان کے کہنے پر عالیان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور جیسے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کی دنیا ساکت ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی دل میں خوشگواریت سی بھر گئی تھی۔ پھر اس کی ساتھ باقی لڑکیوں کی موجودگی کا بھی احساس ہوا۔ یہ انہی لڑکیوں کا گروپ تھا جو اس دن اس کی ساتھ تھیں اور یہ قافلہ انہی کی جانب آ رہا تھا۔ عالیان نے حنان کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ یہاں کیا کر رہی ہیں۔''

حنان نے لاعلمی کے اظہار کے طور پر کندھے اچکائے۔ چند لمحوں میں وہ فاصلہ طے کرتے ہوئے ان تک پہنچ گئیں۔

''ہمیں دیکھ کر آپ لوگ حیران ہو رہے ہوں گے۔ دیکھ لیں آپ کو ڈھونڈتے ہوئے آ ہی گئے۔'' ابتدائی کلمات کے بعد بات شروع کرنے والی فرح تھی۔

''ہمیں امید نہیں تھی کہ آپ بھی آ جائیں گی۔'' حنان شوخی سے مسکرایا۔

''ہم تو آپ کو منگنی کی مبارک باد دینے آئے ہیں۔'' وہ عالیان کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔

''تھینک یو۔'' عالیان نے کہتے ہوئے ایک نگاہ ان کے بیچ کھڑی مومی پر ڈالی جو سر جھکائے، لب کاٹتی یوں کھڑی تھی جیسے گن پوائنٹ پر لائی گئی ہو۔

''خیر مبارک..... خیر مبارک، بھابھی آپ کو بھی مبارک ہو۔'' حنان کے یوں مخاطب کرنے پر وہ بدک کر پیچھے ہوئی۔ قریب کھڑی فرح کو بھی گھور کر دیکھا، پھر پلکیں جھکا لیں۔ عالیان نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپائی۔

''آپ کی بھابھی ہی تو بات کرنے آئی ہیں۔'' فرح پر خاک اثر نہیں ہوا تھا۔

''تو آپ ہی قاصد کے فرائض ادا کر دیجیے۔ کچھ تو آپ کے آنے کا بھی فائدہ ہو۔'' مومی کی پتلی حالت دیکھ کر حنان نے فرح کو بولنے پر اکسایا۔

''بات تو مومی نے ہی کرنی ہے۔'' فرح نے مومی کو ٹہوکا دیا۔ مومی نے تھوک نگلتے ہوئے ایک نظر سر اٹھا کر عالیان کو دیکھا جو بڑی دلچسپ نگاہوں سے اسے ہی تک رہا تھا۔ اس کا چہرہ کچھ اور سرخ ہوا۔ پھر ہاتھ میں دبے کاغذ کو کھول کر اس پر نظر ڈالی اور اس کے ایسا کرنے پر سبھی دل ہی دل میں تلملائیں۔ لبنیٰ نے تو باقاعدہ اپنا سر پیٹا۔ آخر کار ہونٹوں پر زبان پھیرتی وہ بولی۔

''ہماری منگنی کی خوشی میں آپ میری ساری دوستوں کو گرینڈ ٹریٹ دیں، وہ بھی کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں۔ ورنہ میں، میں ----'' تیزی سے بولتے ---- باقی کے الفاظ کے لیے کاغذ پر نظر ڈالتی وہ یک دم چپ ہو گئی۔

''یہ مجھے دیجیے گا۔'' عالیان نے کاغذ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے چونک کر بغیر سوچ سمجھے اسے کاغذ تھما دیا۔ اب تو ساری دوستوں نے اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''ورنہ میں شادی کی پہلی رات بھی آپ سے اس بات پر جھگڑا کروں گی۔'' باقی کے الفاظ پڑھتا عالیان بے اختیار مسکرایا گو کہ دل تو زور زور سے ہنسنے کو چاہ رہا تھا جبکہ ساتھ کھڑا حسان بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ دبا پایا تھا۔

''اس ثبوت کو دیکھ کر تو لگ رہا ہے۔ آپ لوگ میری منگیتر کو باقاعدہ دھمکی دے کر لائے ہیں۔'' کاغذ لپیٹتے ہوئے عالیان نے ان سے کہا۔ وہ ساری لگیں نظریں چرانے اور اس بار تو فرح بھی بوکھلا گئی تھی۔

''آپ سب کو ٹریٹ میں ضرور دوں گا۔ میرا خیال ہے ابھی چلتے ہیں اگر آپ لوگ فری ہیں تو۔'' وہ انہیں مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''بالکل ہم تو فری ہیں۔'' فرح فوراً اپنی جون میں لوٹی۔ باقی سب کے چہروں سے بھی شرمندگی کے تاثرات غائب ہو گئے۔ مگر اب موی کے لیے خاموش رہنا محال ہو رہا تھا جو اتنی دیر سے ضبط کیے ہوئے تھی۔

''یہ صرف ایک مذاق تھا۔ ہم ٹروتھ اینڈ ڈیر کھیل رہے تھے اور یہ میرا ڈیئر تھا۔ اس لیے آپ کو ٹریٹ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹریٹ میں خود دے لوں گی۔ ہم کہیں نہیں جا رہے۔'' آخر میں اس نے اپنی دوستوں کو گھورا جو اسے آنکھیں دکھا رہی تھیں۔

ضرورت ہے بلکہ اچھا موقع ہے۔ اس کی بھی ذرا جیب ڈھیلی کروائیں۔'' حسان نے مزے سے کہتے ہوئے عالیان کو دیکھا جو موی کو ہی دیکھ رہا تھا۔ سرخ چہرے کے ساتھ، معصومیت سے سچ بولتی وہ اسے اور بھی اچھی لگی تھی۔ بھابھی کے لقب پر وہ جزبز ہوئی۔ اس کے بولنے سے پہلے عالیان بول پڑا۔

''اب چاہے آپ نے مذاق میں کہا ہو۔ ٹریٹ تو میں ہی دوں گا۔''

موی کو منہ کھولتے دیکھ کر فرح جلدی سے بولی۔

''مجھے یقین تھا آپ اتنے ہی دیالو ہیں فوراً ٹریٹ کے لیے مان جائیں گے۔''

''میں کہیں نہیں جا رہی۔'' موی کے دوبارہ انکار پر عالیان کچھ ٹھٹک کر اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہوا۔

''آپ نہیں جائیں گی تو ٹریٹ کیسے ہو گی۔'' حسان نے اس کے دل کی بات کہی۔

''وہ میں یونیورسٹی سے کہیں نہیں جاتی۔'' سر جھکا کر بولتی وہ کچھ شرمندہ ہوئی۔

''جی ہاں اتنا ٹائم ہو گیا ہے ہمیں یونیورسٹی میں مگر یہ کہیں باہر نہیں جاتی۔'' فرح کے کہنے پر لبنیٰ بھی بول اٹھی۔

''اب تو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے عالیان بھائی جو ساتھ ہوں گے۔''

''بس مجھے نہیں جانا نا۔''

''اوکے ہم کہیں نہیں جاتے۔ کیفے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ سب کو جو ریسٹورنٹ پسند ہے وہاں سے آرڈر کروا لیتے ہیں۔ یہ کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں ہے۔'' وہ بات ختم کرتا بولا تو سب خوش ہو گئیں۔ پھر وہ سارے کیفے کی جانب چل پڑے۔

کیفے میں دو ٹیبلز جڑوا کر انہوں نے بیٹھنے کا انتظام کروا لیا تھا موی دل ہی دل میں ابھی تک اپنے ڈیر لینے والے فیصلے پر پچھتا رہی تھی۔ موبائل نکال

ابھی بھی فرح ہی بگھار رہی تھی۔

"میں آپ کو خبردار کردوں کہ ہماری دوست ہے تو بہت اچھی مگر کچھ باتوں میں آپ کو بڑا ٹف ٹائم دینے والی ہے۔"

"جیسے کہ آپ دیکھ چکے ہیں محترمہ ہمارے ساتھ بھی اکیلے کہیں نہیں جاتیں۔" اس بار نمرہ بولی تھی۔

عالیان بڑے پیارے انداز میں مسکرایا تھا۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اچھا ہے میرے ساتھ ہی آیا جایا کریں گی اور خود کو اکیلا بھی محسوس نہیں کریں گی۔" نگاہیں موبائل پر جھکی موی پر تھیں۔ جس نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور نظریں ملنے پر گڑبڑا کر پھر سے جھکا لیں۔ دل کی دھڑکن الگ بے ترتیب ہو رہی تھی۔

"بالکل ہمارے دوست کو ٹف ٹائم بھی قبول ہے۔" حسان کھنکارتا ہوا بولا تھا اور اسی چھیڑ چھاڑ میں انہوں نے کھانا کھایا تھا۔ جبکہ موی کے لیے تو لقمہ حلق سے اتارنا مشکل ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"لو بھئی۔ اب تم ہی بات کرو۔" زہرہ بی بی اکتا کر اسے فون پکڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔ وہ اور شمسی بوا اس وقت پودوں کی جانچ پڑتال میں مصروف تھیں۔ پچھلے صحن میں ان کی موجودگی کی دو ہی وجوہات تھیں یا دوپہر کو تندور پر روٹیاں لگانے کی غرض سے وہ یہاں پائی جاتیں یا پھر ان سبزیوں اور پھلوں کے پودوں کی دیکھ بھال کے لیے جو انہوں نے اس حصے میں لگا رکھے تھے۔ بازار سے بھی پھل سبزی انہیں خریدنی نہیں پڑتی تھی کیونکہ کچھ لگا رکھی تھی تو باقی گاؤں سے آجاتی تھی۔

موی بات کرتی، حویلی کے اگلے حصے میں آ گئی۔ برآمدے تک آتے وہ شمائل کی کافی ساری شکایتیں سن چکی تھی۔

"اتنی جلدی میں تمہارا رشتہ طے کر دیا کسی نے

ہوتا ہے۔ بہن ہوں تمہاری اور مجھے ہی سب سے آخر میں پتا چل رہا ہے بالکل پرایا کر دیا اماں جی نے مجھے۔" موی اب چارپائی پر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"باجی! کسی نے پرایا نہیں کیا آپ کو اور ایسے معاملات میں ابا جی اور اماں جی آپس میں ہی مشورہ کرتے ہیں۔ بھول گئیں آپ کے رشتے کی بات بھی تو آپ کو آخر میں پتا چلی تھی جب اماں جی نے آپ سے پوچھا تھا۔" موی نے اسے یاد کروایا۔

"فرہاد کی تو تم رہنے دو۔ وہ تو سلیم انکل کے بھانجے تھے۔ مگر یہ تو باہر کی فیملی ہے اس پر تو خوب سوچ بچار ہوئی ہوگی۔ اچھا چھوڑو تم لڑکے کی سناؤ کیسا ہے دیکھا تو ہے نا تم نے۔" اشتیاق سے پوچھتے ہوئے لہجے میں کچھ تشویش شامل ہو گئی تھی آخر میں۔

اس سوال پر اس کے لبوں پر خوب صورت مسکراہٹ پھیل گئی۔ ذہن کے پردے پر عالیان کی وجیہہ صورت لہرا گئی۔ کیسی شہزادوں جیسی آن بان والا تھا وہ۔

"تصویر ہے میرے پاس۔ آپ کو بھیجوں گی آپ خود ہی دیکھ لیجیے گا۔" رشتہ ڈالتے وقت فائقہ بیگم عالیان کی تصویر بھی چھوڑ گئی تھیں کہ موی دیکھ لے۔ اب بہن سے کیا کہتی اس لیے تصویر بھیجنے کی حامی بھر لی۔

"فوراً مجھے واٹس ایپ کرنا۔ اب تو جیسے ہی ابا جی شادی کی تاریخ بتائیں گے ہم ٹکٹ لے لیں گے بلکہ میں تو ادھر سے تمہارے لیے شاپنگ بھی شروع کرنے والی ہوں۔"

"بس باجی! آپ نے پہلے آنا ہے ساری تیاری آپ نے ہی کرنی ہے۔"

"تم فکر نہ کرو میں سب دیکھ لوں گی۔" اس نے تسلی دی۔ جانتی تھی کہ موی کو بازاروں کے چکر لگانے سے کتنی کوفت ہوتی تھی۔

"بریشے کیسی ہے؟ کیا کر رہی ہے؟"

تھی۔ اب میں نے زبردستی بٹھایا ہے ہوم ورک کرنے کے لیے ورنہ یہ میڈم پھر سے کھیلنے لگی تھیں۔"

"چلیں ٹھیک ہے بعد میں بات کرلوں گی اس سے۔" کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس نے فون بند کردیا۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ موبائل پھر سے بج اٹھا۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔ کل لبنیٰ بھی تو کسی نمبر سے کال کررہی تھی یہ سوچ کر اس نے فون اٹھالیا۔

"ہیلو..... جی کس سے بات کرنی ہے آپ کو۔" دوسری طرف سے آتی مردانہ آواز پر اس نے پوچھا۔

"مومی گل سے بات ہوسکتی ہے۔" دوسری جانب کوئی زیرلب مسکرایا۔ مومی ٹھٹک گئی۔

"جی آپ کون بات کررہے ہیں؟"

"عالیان۔"

مومی جھٹکے سے سیدھی ہوئی، دوسرا ہاتھ فوراً منہ پر رکھ لیا۔ ہائے اللہ۔ انہوں نے۔

"ہیلو مومی آواز آرہی ہے آپ کو۔" اس کے پوچھنے پر وہ جلدی سے بولی۔

"جی آپ..... آپ نے کیسے کال کی؟"

"آپ سے بات کرنے کے لیے۔ اب ہماری منگنی ہوگئی ہے تو میں نے سوچا تھوڑی بہت بات چیت تو کرنی چاہیے۔ یوں بھی شادی میں ایک دو مہینے ہی رہ گئے ہیں۔" خوب صورت لہجے میں وضاحت کی گئی۔ شادی کی تاریخ ابھی رکھی نہیں گئی تھی مگر اس نے اندازاً کہا تھا چونکہ ان کی فائنلز مہینہ بھر میں ہوجانے تھے۔

"آپ کو برا تو نہیں لگا میرا یوں کال کرنا۔"

"اگر میں بتا دوں تو کہیں آپ برا نہ مان جائیں۔" اس نے جھجک کر کہا۔

"اونہوں، آپ کی کسی بات کا میں کبھی برا نہیں مناؤں گا۔ آئی پرامس۔" مضبوط لہجے میں بولتا وہ اس کے دل کو اتھل پتھل کر گیا تھا۔

"اصل میں مجھے منگیتر سے فون پر بات کرنا

"کیوں؟" اس کے پوچھنے پر وہ بے ساختگی میں بول گئی۔

"اماں جی کہتی ہیں۔ اچھی لڑکیاں منگیتروں سے بات نہیں کرتیں۔" وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"ہوں اماں جی کہتی ہیں تو ٹھیک ہی کہتی ہوں گی۔ اب تو ان کے پاس فرصت سے بیٹھنا پڑے گا۔"

"وہ کیوں؟" مومی نے سادگی سے پوچھا۔

"باتیں جو اتنی اچھی کرتی ہیں وہ۔ ویسے اور کیا بات ہوتی ہے میرے بارے میں۔" عالیان نے محظوظ ہوتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"نہیں آپ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا۔ یہ تو اماں جی باجی کو کہا کرتی تھیں۔ پر اصول تو میرے لیے بھی وہی ہوں گے نا۔" مومی نے سمجھ داری سے کہا۔ پھر خیال آنے پر پوچھا۔

"آپ واقعی ناراض نہیں ہوئے۔"

"نہیں اب اماں جی نے کہہ دیا ہے تو فارمولا تو ایک ہی ہوگا اور ماشاء اللہ سے آپ کی یادداشت بھی کمال کی ہے۔ چلیں اب سے کال نہیں کروں گا آپ کو۔ مگر کہیں مل گئیں تو اخلاق تو نبھانے پڑیں گے۔" مزے سے بات مکمل کرتا وہ خدا حافظ کہہ کر فون بند کر گیا تھا۔ اور آخری جملے پر غور کیے بغیر وہ اس بات پر خوش تھی کہ وہ بخوشی اس کی بات مان گیا ہے۔ انہی خوش کن خیالات میں گھری وہ کتنی دیر اس کے بارے میں سوچتی رہی تھی جو عنقریب اس کی زندگی میں شامل ہونے والا تھا۔

☆☆☆

جتنی بار اس نے تعبیر کے کمرے میں جھانکا وہ بستر پر لیٹی فون پر دوست سے جانے کون سی باتیں ڈسکس کررہی تھی۔ آدھے گھنٹے سے یہی ہورہا تھا اور اب اس کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ وہ دروازہ دھکیلتا اندر آگیا۔

"لان کے پرنٹ کی نئی کلیکشن ہے۔ مجھے بہت

یں گے۔" عالیان نے آگے آ کر اس کے کانوں سے ہیڈفون کھینچے۔ وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ ناراضی سے اسے گھورا۔

"کیا ہے بھائی، بات کر رہی ہوں فون پر۔"

"وہ تو تم ایک گھنٹے سے کر رہی ہو اور میں تمہارا فون بند ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔" عالیان اکتا کر بولا۔

ہیڈفون کی تار کھینچتے تعبیر نے موبائل کان سے لگایا۔

"ارم میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔"

"ابھی مزید بات کرنے کی گنجائش رہ گئی ہے۔ تھکی نہیں ہو تم اتنا بول بول کر۔"

"بھائی مت بھولیں کہ جس کام کے لیے آپ میرے کمرے کے گھنٹے سے چکر لگا رہے ہیں وہ آپ نے مجھ سے ہی کروانا ہے۔" تعبیر نے جتاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں وہ..... میں کہنے آیا تھا..... تمہاری فرینڈز کی پارٹی ہے نا تو میں چھوڑ آؤں گا میں فری ہوں۔" سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اب وہ بات کریں جو کرنے آئے ہیں۔" تعبیر بھی اسی کی بہن تھی۔

"تمہارے کالج میں ٹاپ کرنے کی خوشی میں بابا نے جو پارٹی رکھی ہے۔ اس میں اپنی ہونے والی بھابھی کو بھی بلا لو۔"

"دیکھا پڑ گیا نا آپ کو بھی مجھ سے کام۔" تعبیر نے اسے ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو، اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے ورنہ تو وہی عالیان کے پاس اپنے مسئلے لے کر جایا کرتی تھی، جس پر وہ اسے اچھا خاصا زچ کر دیا کرتا تھا۔

"شرم کرو تم۔ یہ تمہیں خود سوچنا چاہیے تھا اور بتانا مجھے پڑ رہا ہے۔" اس نے رعب ڈالنے کی کوشش کی مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہیں اور ان کی اپنی روایات ہیں۔" بات تو اس کی سچ تھی۔

"اچھا تم بات تو کرو نا۔ اب بھائی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں۔" سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے عالیان نے میٹھے لہجے میں کہا۔

"مجھے کیا ملے گا۔" کشن گود میں رکھتی وہ مزے سے بولی۔

"بابا سے کہہ کر تمہیں تمہاری پسند کی گاڑی دلواؤں گا اور ڈرائیونگ اسکول میں داخلہ بھی۔" عالیان مسکرایا۔

"سچ میں۔" وہ پرجوش ہوئی۔

"اب تم نے ٹاپ کیا ہے تو گفٹ بھی بڑا ہونا چاہیے۔ کل بابا مجھ سے اور ماما سے مشورہ کر رہے تھے کہ تعبیر کو کیا دیں۔"

"بس پھر آپ فکر نہ کریں۔ موی پارٹی میں ضرور آئیں گی۔ میں منا لوں گی ماما اور آنٹی کو۔" وہ مسکرا کر بولی۔ یوں بھی اسے اپنی صلاحیتوں پر خاصا اعتماد تھا۔

حنان کی کال آ رہی تھی وہ تعبیر کو اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔ فائنلز قریب تھے اور انہیں کمبائن اسٹڈی کرنی تھی۔

☆☆☆

حنان کے گھر پر وہ دونوں نوٹس بنانے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو پوائنٹس بھی سمجھاتے جا رہے تھے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔" عالیان کی بات سن کر حنان نے اپنی کتاب بند کر کے اس کی جانب دیکھا مگر وہ اپنی بات مکمل کر کے پرسکون تھا۔

"یہ ہم دونوں کی خواہش تھی کہ ایم بی اے ہم امریکا یا انگلینڈ کی یونیورسٹی سے کریں اور اب جب یونیورسٹیز میں اپلائی کرنے کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں تو تم کہہ رہے ہو کہ یہیں سے ایم بی اے کرو گے۔ یہ کیا مذاق ہے عالیان۔" حنان خفگی سے بولا۔

تپے ہوئے انداز کو دیکھا۔

''میں تمہیں تو نہیں روک رہا تم ضرور اپلائی کرو۔ جہاں تک میری بات ہے، میں یہیں سے ایم بی اے کروں گا۔ پاپا کی خواہش ہے کہ میں ایم بی اے کے ساتھ ان کا بزنس جوائن کرلوں بس اسی لیے۔'' اس نے اصل وجہ بتائی تھی جس پر حنان مزید تپ گیا۔

''تو انکل کو بتاتے کہ تم آ کر سب سنبھال لو گے۔''

''تم جانتے ہو، میں ان کی خواہش کو رد نہیں کر سکتا۔''

''کبھی تو اپنی خواہش کو بھی اولیت دے دیا کرو۔'' حنان کہنے سے باز نہ آیا حالانکہ جانتا تھا کہ وہ ہمیشہ سے اتنا ہی فرماں بردار رہا تھا۔ کبھی کسی معاملے میں وہ ماں باپ سے اختلاف نہیں کرتا تھا۔

''اپنے ہنی مون ٹرپ کے لیے بھی انکل سے پوچھ لو کہ وہ کہاں بھیجنے کی خواہش رکھتے ہیں ورنہ بعد میں خواہ مخواہ بھابھی کے سامنے سبکی ہو گی تمہاری۔'' اسے اطمینان سے مسکراتے دیکھ کر حنان نے طنزیہ انداز میں کہا جس پر عالیان کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

☆☆☆

شاہنواز ولا میں آج روشنیوں اور رنگ و بو کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ جدید طرز پر تعمیر شدہ روشنیوں سے جگمگاتا شاہنواز ولا ہر ایک کی آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ دعوت کا اہتمام باہر لان میں کیا گیا تھا۔ رنگوں کے خوب صورت امتزاج کی ساتھ کی گئی سجاوٹ ہر ایک کی توصیفی نظروں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ساتھ میں باربی کیو کی بھینی بھینی خوشبو نے ماحول کی ٹھنڈک میں بڑا خوش گوار سا تاثر چھوڑا تھا۔

شاہنواز صاحب نے یہ دعوت اپنی بیٹی تعبیر کے ایف ایس سی میں ٹاپ کرنے کی خوشی میں دی تھی اور اس دعوت میں شہر کی تمام با اثر شخصیات مدعو تھیں۔ وہاں بھی شاہنواز صاحب کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا

سیاہ رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس، نک سک سے تیار عالیان کی نگاہیں کسی کے انتظار میں بار بار اس حصے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ جہاں سے لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ چند لمحوں بعد وہ گھڑی پر بھی نظر ڈال لیتا۔ حنان اس کی بے چینی کا اچھا خاصا مذاق اڑا چکا تھا جسے وہ خاطر میں نہیں لایا تھا۔ شاہنواز صاحب کے دوستوں سے ملتا وہ ایک بار پھر کھڑکی اطراف کا جائزہ لے رہا تھا جب حنان نے قریب آ کر اس کے شانے پر تھپکی دی۔

''تو جو اتنا بے چین ہو رہا ہے تو لوگوں نے بھی پوچھنا شروع کر دینا ہے۔ شاہنواز صاحب! آپ کے صاحبزادے کو آخر کس کا انتظار ہے۔''

''تمہارے بیرسٹر ماموں کا۔'' عالیان جل کر بولا تھا۔ حنان ہنس پڑا۔

''ان کے ایسے نصیب کہاں۔''

شاہنواز صاحب کے آواز دینے پر عالیان متوجہ ہوا۔ ان کے ساتھ کھڑے عنایت اللہ کو دیکھ کر گرم جوشی سے آگے بڑھا۔ جواباً انہوں نے بھی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہونے والے داماد کو گلے لگایا۔ ان سے مل کر بظاہر آگے بڑھتا وہ متلاشی نظروں سے سب کے چہرے ٹٹولتا رہا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ اسے نظر آ گئی تھی۔ تعبیر کے ساتھ کھڑی یقیناً وہی تھی۔ اگرچہ اس کا رخ دوسری جانب تھا اس کے باوجود وہ پہچان گیا تھا۔ چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔ اس کا اس محفل میں آ جانا ہی اس کے لیے روح افزا تھا۔

''بھابھی! آپ کا آنا بہت اچھا لگا۔ میں تو کب سے منتظر تھی۔ ساتھ میں ہماری بیٹی بھی آئی ہے تو اور بھی خوش ہو رہی ہے۔'' زہرہ بی بی سے ملتے فائقہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ پھر پیچھے کھڑی متذبذب سی موی کو محبت سے لپٹا کر پیار کیا۔ چند ہی دنوں میں وہ من موہنی سی لڑکی انہیں تعبیر کی طرح ہی عزیز ہو گئی تھی

تعبیر نے خوش ہوتے ہوئے زہرہ بی بی سے کہا ورنہ اس وقت تو وہ مان کے نہیں دے رہی تھیں۔

"شکریہ بھابھی۔ مجھے معلوم ہے آپ لوگوں کے ہاں اسے اچھا نہیں سمجھتے پھر بھی آپ نے ہماری خواہش کو اہمیت دی۔" فائقہ بیگم مشکوری بولیں۔

"بس آپ کا اصرار تھا اسی لیے۔ ورنہ شادی سے پہلے سسرال جانا ہمارے ہاں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔" زہرہ بی بی نے سادگی سے جواب دیا۔ اب وہ کیا بتائیں کہ وہ نہ اس کے حق میں پہلے تھیں نہ اب۔ کتنا کہا تھا عنایت اللہ سے کہ موی کو ساتھ نہ لے کر جائیں مگر ان کا کہنا تھا کہ چونکہ شاہنواز صاحب نے خود ان سے اصرار کیا ہے تو وہ منع نہیں کر سکتے۔ یوں بھی موی نے ان کے ساتھ شریک ہونا تھا اور ساتھ ہی واپس جانا تھا۔

"مجھے یہ ہرگز پسند نہیں نہ ہی ہماری برادری میں پہلے کبھی یوں ہوا ہے۔" زہرہ بی بی خفگی سے بولیں۔

"سمجھتا ہوں میں پر زہرہ یہ اور طرح کے لوگ ہیں۔ اب رشتہ کیا ہے تو تھوڑی بہت لچک تو دکھانی پڑے گی نا۔" انہوں نے سمجھایا تھا۔

"اور پھر اتنے اچھے اور قدردان لوگ اگر بیٹی کے نصیب سے جڑ ہی گئے ہیں تو ان باتوں کی اتنی اہمیت نہیں ہے میری نظر میں۔"

زہرہ بی بی خاموش تو ہو گئیں مگر اب یہاں آ کر اتنی بڑی دعوت کا منظر دیکھ کر وہ کچھ اور گھبرا گئی تھیں۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگ اور اوپر سے اکٹھے مردوں اور عورتوں کا انتظام دیکھ کر انہیں کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔ لاشعوری طور پر سر پر جما دوپٹا درست کرتے وہ موی کو ساتھ لانے کے فیصلے پر ابھی تک پچھتا رہی تھیں۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

اس آواز پر وہ سوچوں سے باہر نکلیں۔ عالیان ادب سے سر جھکائے ان کے سامنے آیا تھا۔ موی نے اس کی آواز پر نظریں جھکا لیں۔ زہرہ بی بی نے خوش دلی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔ کچھ بھی تھا انہیں اپنا داماد پسند آیا تھا۔

"کیسی ہیں آنٹی آپ۔" اب وہ حال احوال پوچھ رہا تھا۔ جبکہ دل مچل رہا تھا اسے دیکھنے کو مگر وہ دل کی خواہش کو دبائے زہرہ بی بی کے احترام میں اس کی جانب نگاہ نہیں اٹھا پا رہا تھا۔

"بھائی! میرے بائیں طرف بھی کوئی ہے، اسے بھی دیکھنے کی جسارت کر لیں۔" تعبیر نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"چپ کرو، زہرہ آنٹی سامنے کھڑی ہیں۔" عالیان نے آہستہ سے کہا۔

"ہائے۔ اتنا بھی کسی کو شریف نہیں ہونا چاہیے۔" تعبیر نے گویا مذاق اڑایا۔

"بڑوں کے احترام میں نگاہیں جھکی ہی رہنی چاہیں" وہ بھی عالیان تھا۔

"آپ پھر ان کی موجودگی کے احساس سے ہی خوش ہوتے رہیں۔" جل کر کہتی وہ رخ موڑ گئی۔ وہ زیر لب مسکراتا آگے بڑھ گیا۔

"ماما۔ میں بھابھی کو اپنی دوستوں سے ملواتی ہوں۔" اس کا ہاتھ پکڑے وہ آگے بڑھ گئی۔ فائقہ بیگم بھی زہرہ بی بی کو لیے، انہیں اپنی سمدھن کے طور پر سب سے متعارف کروانے لگیں۔ بڑے فخریہ انداز میں اس نے موی کو اپنی دوستوں سے ملوایا تھا۔

سب ہی نے موی کی بے پناہ تعریف کی جس پر موی گل محض شرمیلی سی مسکان چہرے پر سجائے کھڑی رہی جبکہ تعبیر کے انداز میں اتراہٹ تھی۔

"چلیں۔ آپ کو گھر دکھاتی ہوں۔" تعبیر کو یک دم خیال آیا۔

"نہیں۔ مجھے نہیں دیکھنا یہیں بیٹھتے ہیں۔" موی نے فوراً منع کیا۔

"اونہوں۔ کچھ نہیں ہوتا۔ آنٹی بھی مصروف ہیں سب سے ملنے میں۔ ہم جلدی سے گھر دیکھ آتے ہیں۔" تعبیر اسے زبردستی ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی تھی اور اس کی تو جیسے آنکھیں کھل گئی تھیں۔ شاہنواز ولا جتنا خوب صورت باہر سے لگتا تھا اس سے کہیں زیادہ

اندر سے دیکھے جانے کے لائق تھا۔ گھر کا انٹیریئر، کلر اسکیم، ہر چیز بہترین تھی۔ اس نے تو ایسے گھر صرف ڈراموں میں ہی دیکھے تھے۔ اس کی اپنی حویلی تو سادہ سی تھی جبکہ ایسی زیب و آرائش کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

''ماما اور مجھے شاپنگ کا بہت شوق ہے۔ ہر تھوڑے عرصے بعد ہم نئی چیزیں لا کر رکھ دیتے ہیں۔ یا کسی روم کی کلر اسکیم چینج کر لیتے ہیں۔ ساتھ میں ہر چیز بدلنی پڑ جاتی ہے۔'' تعبیر مسلسل بولے جا رہی تھی۔

''اچھا تو آپ دونوں یہاں پھر رہی ہیں۔'' عالیان کی آواز پر وہ چونکی۔

''آپ، یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' تعبیر نے ترچھی نظروں سے سامنے کھڑے عالیان کو دیکھا جس کی پرشوق نگاہیں اس کے ساتھ کھڑی موی پر تھیں۔ انگوری رنگ کی کلیوں والی فراک جس پر سفید موتیوں کی دیدہ زیب کڑھائی کی گئی تھی، ساتھ میں چوڑی دار پاجامہ۔ میک اپ کے نام پر اس نے محض لپ اسٹک اور کاجل لگا رکھا تھا۔ اس کے باوجود فراک کے ہم رنگ نیٹ کا دوپٹا اوڑھے وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔

''یوں محسوس ہوا شاید اندر ضرورت ہے میری۔'' شرارت سے کہتا وہ موی کو پلکیں جھکانے پر مجبور کر گیا۔

''جی نہیں، خوش فہمی ہے آپ کی، باہر جایئے۔'' تعبیر اپنی بات کہتی موی کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی۔

''ارے تعبیر۔ بات تو سنو۔'' عالیان پکارتا رہ گیا اور وہ اسے لے کر غائب ہو گئی تھی۔ ٹھنڈی آہیں بھرتا وہ باہر جانے کے لیے مڑ گیا۔

اب وہ اسے سب کے کمرے دکھانے لگی۔ ہر کمرے کی سجاوٹ اس کے مکین کے مزاج کی عکاسی کرتی معلوم ہو رہی تھی۔ اپنا اور ماما بابا کا کمرہ دکھانے کے بعد وہ اسے ایک کمرے میں لائی تھی۔ وہ کسی بچے

چہاں تھے۔

''یہ ارحم کا کمرہ ہے۔ وہ یہاں کم ہی آتا ہے۔ ہمیشہ سے ماموں کے پاس رہا ہے۔ آج بھی اس نے آنا تھا پر صبح سے اسے بخار تھا بس اسی لیے نہیں آ سکا۔'' اس کے لہجے میں اپنے چھوٹے بھائی کے لیے پیار تھا۔

پھر وہ اسے ایک اور شاندار سے کمرے میں لائی تھی۔ کمرے کی تھیم اسکیم ڈارک گرین اور آف وائٹ تھی باقی کمروں کی طرح یہ کمرہ بھی خاصا کشادہ تھا اور فرنیچر بھی بہترین تھا۔ جہازی سائز بستر کے دونوں جانب سائیڈ ٹیبلز تھے۔ جن میں سے ایک پر لیمپ کے ساتھ عالیان کی مسکراتی ہوئی تصویر خوب صورت فریم میں سجی تھی۔ اس سے نظریں چراتے، ڈریسنگ پر نگاہ ڈالی جس پر چند پرفیوم اور باڈی اسپریز پڑے تھے۔

''ادھر آئیں، کچھ دکھاتی ہوں آپ کو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بائیں جانب لے آئی جہاں وارڈ روب بنی ہوئی تھی۔ تعبیر نے وارڈ روب کا ایک پٹ کھولا۔ اندر اس کے کپڑے سلیقے سے رکھے تھے۔ اس نے موی کی توجہ کھلے پٹ کی جانب دلائی جہاں خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں کاغذ پر اشعار لکھ کر لگائے گئے تھے۔

''عالیان بھائی بڑا ہی شاعرانہ مزاج رکھتے ہیں۔'' مزے سے بتاتی وہ اسے اور بھی پٹ کھول کھول کر دکھانے لگی۔

گھر دیکھنے کے بعد جب وہ باہر لان میں آئیں تو کھانا شروع ہو چکا تھا۔ زہرہ بی بی بھی دوسری خواتین کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہی تھیں۔ وہ انہیں بتا کر ایک کونے والی میز پر آ کر بیٹھ گئی۔

ابھی اس نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ عالیان یک دم اس کے عین سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''آپ..... آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' موی نے گھبرا کر پہلے اسے اور پھر اپنی ماں کی میز کی

"اتنی دیر سے موقعے کی تلاش میں ہوں مگر
ر بار کوئی ظالم سماج دیوار بن کر سامنے آجاتی ہے۔"
رے سے بولتا وہ بڑے مطمئن انداز میں بیٹھا تھا۔
"بری بات ہے۔ آپ جائیں یہاں سے کسی
نے دیکھ لیا تو کیا کہے گا۔" اس کی تو گویا جان پر بن
ئی تھی۔ بالوں کی لٹ ہاتھ سے کان کے پیچھے کرتی وہ
ہستگی سے بولی جیسے کوئی سن نہ لے۔
"جو دیکھے گا کہے گا، کتنی خوب صورت جوڑی
ہے۔" عالیان شرارتی لہجے میں بولا۔ وہ مزید شپٹائی۔
"اماں جی کو اچھا نہیں لگے گا۔"
"وہ خواتین میں گھری ہوئی ہیں۔ آپ
ریشان نہ ہوں۔" وہ بھی ٹس سے مس ہونے کو تیار
ہیں تھا۔
"اولاد کے لیے ماؤں کی ایک سے زیادہ
آنکھیں ہوتی ہیں۔ آپ کو کیا پتا۔" اس کا معصوم سا
ندازاتنا دل موہ لینے والا تھا کہ مسکراہٹ بے اختیار
اس کے لبوں کو چھو گئی۔
"فلسفہ تو اچھا ہے۔"
"میں نے تھوڑی کہا ہے۔ اماں جی کہتی ہیں۔"
وہ روانی میں کہہ گئی۔
"آپ کی اماں جی کے فرمودات تو بڑے کمال
کے ہیں اور آپ کے منہ سے تو اور بھی اچھے لگتے ہیں۔
ی چاہتا ہے۔ آپ بولیں اور میں سنتا رہوں۔" اس کی
آنکھوں میں جھانکتا وہ اتنے جذب سے بولا کہ موی کا
چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی اٹھتی گرتی پلکیں دیکھ کر
عالیان مزید محظوظ ہوا۔
"آپ ایسی باتیں نہیں کریں۔" جو منہ میں آیا
اس نے کہہ دیا۔
"کیسی باتیں۔" وہ بھی انجان بن گیا۔
"آپ، بس جائیں نا پلیز۔" اب اس کا لہجہ ملتجی
ہوا۔
"اچھا پہلے یہ بتادو۔ ہمارا کمرہ پسند آیا یا میری
طرح بے کار سا تھا۔"

بغیر وہ جلدی میں کہہ گئی۔
"اور میں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔
"آپ۔" وہ گڑبڑائی۔ اب اپنی کہی بات
پر خفت محسوس ہوئی۔ پھر اسے منتظر دیکھ کر بولنا پڑا
"آپ کمرے جیسے تو بالکل نہیں ہیں۔" اب کی
بار شرارت سے کہتی وہ تھوڑا سا رخ موڑ گئی، چہرے پر
بڑی پیاری مسکان تھی عالیان ہنس پڑا۔ پھر شرارتی
لہجے میں شعر پڑھا۔

انکار کی لذت اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے شوق غالب ان کی نہیں نہیں سے

اس کا انداز اتنا اچھا تھا کہ وہ اس کی جانب
دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ کرسی پر سے اٹھتا وہ کھڑا ہو گیا۔
دونوں ہاتھ کرسی کی پشت پر رکھے وہ اسے ہی دیکھ رہا
تھا۔
"اگر کوئی کمی رہ بھی گئی ہے تو میں سب کمیاں
پوری کر دوں گا۔ جیسا تم چاہو گی۔ سب ویسا ہی
کر دوں گا۔" وہ جانے کے لیے مڑ گیا تھا اور وہ کتنی دیر
اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔

☆☆☆

دونوں کے امتحانات ختم ہوتے ہی مہینے بعد کی
شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی اور اس مد میں دونوں
گھرانے شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع کر
چکے تھے۔ فائقہ بیگم بضد تھیں کہ وہ موی کو بھی اپنے
ساتھ شاپنگ پر لے جانا چاہتی ہیں۔ کچھ پس و پیش
کے بعد زہرہ بی بی نے ہامی بھر لی۔ اب چونکہ شائلہ بھی
شادی میں شرکت کے لیے پہنچ چکی تھی تو انہوں نے
دونوں کو فائقہ بیگم کے ہمراہ جانے کی اجازت دے
دی۔
انہیں شاپنگ کرتے کافی دیر ہو گئی تھی موی کے
چہرے پر تھکن کے نمایاں آثار تھے۔
"ماما! ہم شیک پی کر آتے ہیں۔ تب تک آپ
لوگ شاپنگ کریں۔" تعبیر نے فائقہ بیگم سے کہتے
ہوئے موی کو دیکھا جو اس آئیڈیے پر خوش ہو گئی تھی۔

ساتھ فوڈ کورٹ کی جانب آ گئی۔ اسے بٹھا کر وہ شیک لینے چلی گئی۔ چند سیکنڈز ہی گزرے تھے کہ چاچی کا فون آ گیا۔ موبائل کان سے لگائے وہ پنجابی میں چاچی سے بات کر رہی تھی کہ معلوم نہیں کہاں سے وہ یک دم نمودار ہوا تھا۔ اسے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھتے دیکھ کر مومی نے بات سمیٹی۔

''تسی گھر آلے فون تے اماں جی نال گل کرو۔ میں بعد اچ گل کر دی آں..... چنگاں اے رب راکھا۔'' فون رکھتے ہوئے اس نے اسے دیکھا جو بڑی دلچسپ نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''بڑا پیارا بولتی ہو پھر بول کر دکھاؤ۔'' وہ شرارتی انداز میں بولا۔

''کیا۔'' وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''پنجابی بول رہی تھیں نا۔ اچھا لگ رہا تھا۔'' خوب صورت مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو رہی تھی۔

''ارے یہ کوئی گانا تھوڑی ہے جو میں آپ کو سناؤں۔'' وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی بہت خوب صورت تھی۔

''ابھی نہیں بولو گی تو شادی کے بعد سامنے بٹھا کر گھنٹوں سنوں گا۔''

''پہلے آپ بتایئے یہاں کیوں آئے ہیں۔'' ہنسی دباتی وہ بولی۔

''پہلے کوئی سلام دعا ہوتی ہے۔ آپ کے ہاں کیا رواج نہیں ہے۔'' وہ تنگ کرنے کے موڈ میں تھا، ہاتھ ہلا کر مزے سے بولا۔

''السلام علیکم۔'' مومی فوراً بولی اسے غیر متوقع طور پر سامنے دیکھ کر تو وہ بھول ہی گئی تھی۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہیے، خوش رہیے اور اپنے گھر والے کی ساتھ شاد و آباد رہیے۔'' بزرگوں کے سے انداز میں بولتا وہ اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔ پھر مسکراہٹ چھپاتے ہوئے وہ بولی۔

''آپ مجھے شرمندہ کروائیں گے۔ ابھی اگر تعبیر یا آنٹی نے دیکھ لیا تو جانے وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گی۔ اسے یہی فکر لاحق تھی۔

''ہوں واقعی، ماما تو بہت ناراض ہوں گی ہو سکتا ہے بابا کو بھی بتا دیں۔'' عالیان یک دم سنجیدہ ہوا۔

''اور آپ جانتے بوجھتے یہاں بیٹھے ہیں کتنی غلط بات ہے۔ آپ نہیں جا رہے تو میں خود چلی جاؤں گی۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔ ماما کو بالکل برا نہیں لگے گا۔ وہ میری ماما ہیں میں انہیں جانتا ہوں وہ ایسے نہیں سوچتیں۔'' اس نے جلدی سے کہا، اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر چلی ہی جاتی۔

''مگر میں ایسے ہی سوچتی ہوں۔ مجھے میری اور میرے ماں باپ کی عزت بہت پیاری ہے اور اگر آپ کے لیے میری ذات کی ذرا سی بھی اہمیت ہے تو آپ اس طرح سے ملنے کی کوشش نہیں کریں گے۔'' وہ اتنی سنجیدگی سے بولی تھی کہ چند سیکنڈز کے لیے وہ خاموش ہو گیا۔

''اتنی اچھی کیوں ہو تم۔'' وہ جواب دل ہی دل میں اس کے ردعمل کا سوچ رہی تھی۔ اس کے الفاظ سن کر حیرت سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ پھر خفگی سے بولی۔

''اچھی کہاں ہوں اور جو تھوڑی بہت کوشش میں کرتی ہوں۔ اس پر بھی آپ پانی پھیر دیتے ہیں۔''

''اچھا بھئی، میری توبہ جو اپنی منگیتر سے ملنے کی کوشش بھی کی۔'' عالیان نے گویا کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''اس دن ہماری بات ادھوری رہ گئی تھی اور تم میرا ذکر گول کر گئی تھیں۔ اس لیے سوچا پوچھ لوں میری منگیتر میرے بارے میں کیا سوچتی ہے۔'' اس کے انداز میں ہنوز شرارت تھی۔ مگر آنکھوں میں اس قدر اپنائیت اور محبت تھی کہ وہ سٹپٹا گئی۔

''اماں جی کہتی ہیں، اچھی لڑکیاں نامحرم لڑکوں کے بارے میں نہیں سوچتیں۔'' وہ یوں بے ساختگی سے بولی کہ عالیان نے بڑی مشکل سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا اور اس کے گلابی چہرے پر نظر ڈالتا اٹھ کھڑا

ہوا۔

اتنے میں تعبیر ٹرے میں شیک کے تین گلاس لیے قریب آئی۔

"میں جلدی تو نہیں آ گئی۔" وہ شوخی سے بولی۔ عالیان نے نظریں چراتی موی کو دیکھا پھر تعبیر کو دیکھ کر مسکرایا۔

"تم اب اپنی بھابھی کو کمپنی دو مجھے کام ہے میں چلتا ہوں۔" شیک کا گلاس اٹھاتا وہ آگے بڑھ گیا۔ تعبیر کچھ حیران ہوئی پھر سر جھٹکتی موی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

آنکھوں نے کیسے خواب تراشے ہیں ان دنوں
دل پر عجیب رنگ اترتے ہیں ان دنوں
رکھ اپنے پاس اپنے مہ و مہر اے فلک
ہم خود کسی کی آنکھ کے تارے ہیں ان دنوں

مہندی کے پیلے جوڑے میں ملبوس وہ خود کو آئینے میں ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ دوپٹا دلہنوں کے مخصوص انداز میں سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ سیاہ چمک دار بال آدھے پشت پر بکھرے تھے تو آدھے بائیں کندھے پر سیٹ کر رکھے تھے۔ ہاتھوں میں چوڑیاں اور گجرے، کانوں اور ماتھے پر پھولوں کا زیور پہن رکھا تھا، جس نے اس کی سج دھج کو مکمل کر دیا تھا۔ لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ پھیلی تھی جو کسی خیال کے آنے پر کچھ اور گہری ہو جاتی اور پلکیں جھک جاتیں۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔"

"ہماری گڑیا تو ہے ہی پیاری۔" پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوئی۔ اس کو بے طرح شرم آئی۔ آنکھیں مزید جھک گئیں۔ پھر خیال آنے پر پوچھا۔

"پریشے کدھر ہے باجی۔ تیار نہیں ہوئی؟"

باہر کھیل رہی ہے۔ ابھی کرتی ہوں اسے تیار۔"

"آپ خود تیار ہو جائیں اسے میرے پاس بھیج دیں۔ میں تیار کر دوں گی۔"

"اچھا میں ایک نظر اماں جی کو بھی دیکھ لوں۔" شائلہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

موبائل کی رنگ ٹون بجنے پر وہ اس جانب متوجہ ہوئی۔ بستر پر پڑے موبائل کو اٹھاتے ہی اسکرین پر چمکتا نام دیکھ کر وہ مسکرائی اور بٹن دباتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

"آپ باز نہیں آئیں گے نا۔"

"آج کے بعد تمہیں یہ شکایت نہیں ہو گی۔" اس کی مسکراتی آواز آئی۔

"جی بالکل۔ اب تو کچھ گھنٹے ہی رہ گئے ہیں ہمارے نکاح میں اب تو آپ یہی کہیں گے۔"

"وعدہ رہا بارات تک تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔ یوں بھی میں تمہاری بات بہت مانتا ہوں یہ دوسری کال ہے میری اور وہ بھی ضرورتاً کرنی پڑی۔" اپنی صفائی دیتا وہ مزے سے بولا۔

"ایسی کیا ضرورت آن پڑی کہ آپ مہندی کی دلہن کو ڈھنگ سے تیار بھی نہیں ہونے دے رہے۔" وہ شرارت سے آئینے میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہم دلہن کا زیادہ وقت نہیں لیں گے۔ بس یہ بتا دو گفٹ میں کیا چاہیے۔ میں نے تو ڈائمنڈ کا سیٹ سوچ رکھا ہے مگر پھر سوچا تم سے پوچھ لوں کیونکہ لڑکیاں اس معاملے میں بڑی ٹچی ہوتی ہیں۔"

"مجھے یہ تحفہ بہت اچھا لگے گا مگر تب جب آپ اپنی کمائی سے لے کر دیں گے۔ اس لیے میری خواہش یہی ہو گی کہ اتنی قیمتی چیز آپ مجھے اپنے پیسوں سے لے کر دیں کیونکہ اس کی اہمیت میرے لیے زیادہ ہو گی۔" اس کی سنجیدگی سے کہی بات پر کچھ لمحوں کے لیے عالیان کا بالوں میں کنگھی پھیرتا ہاتھ رک گیا تھا۔ پھر وہ مسکرایا۔

"اور یہ بات یقیناً آپ نے اماں جی کے منہ سے سنی ہو گی۔"

"آپ کو کیسے پتا چلا۔" موی کے منہ سے نکلا دوسری جانب عالیان کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"توبہ کریں، ایسی غلطی کر سکتا ہوں میں۔ یہ اس

بات کا ثبوت ہے کہ بہت اچھی طرح سے جاننے لگا ہوں آپ کو اور اماں جی کو۔'' اس نے جلدی سے بات سنبھالی، مبادا وہ ناراض ہی نہ ہو جائے۔

''مومی۔ میرا انتظار کرنا۔'' وہ اتنے جذب سے بولا کہ اس کی ہتھیلیاں بھیگ گئیں اور رخسار تپ اٹھے۔

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔'' یہ کہتے ہی اس نے جھٹ سے کال کاٹ دی۔

''اف! یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اس نے خود کو سرزنش کی۔ پھر وہ خود ہی مسکرا دی تھی۔ آج اتنی سی خطا تو معاف ہو سکتی تھی یوں بھی کچھ گھنٹوں بعد ان کا نکاح ہونے والا تھا اور یہ سوچتے ہی اس کی آنکھیں ستاروں کی مانند چمکنے لگیں۔ چہرے پر جیسے روشنیوں کی بارات اتر آئی تھی اور خوشی انگ انگ سے پھوٹنے لگی تھی۔

☆☆☆

حویلی کے صحن میں مہندی کا انتظام بڑے اچھے طریقے سے کیا گیا تھا۔ عنایت اللہ ادھر سے ادھر چکر لگاتے مستعدی سے انتظامات دیکھ رہے تھے، ساتھ میں ان کا داماد فرہاد تھا جس نے آ کر ان کی بہت سی ذمہ داریاں بانٹ لی تھیں۔

''عنایت صاحب! نکاح کب شروع کرنا ہے۔ خواتین کو بھی مہندی کی رسموں کے لیے کچھ وقت درکار ہوگا۔'' شاہنواز صاحب نے انہیں روک کر پوچھا۔

''مولوی صاحب نے مغرب کی نماز کے بعد کا وقت دیا تھا۔ اب تو آتے ہی ہوں گے۔'' گھڑی پر نگاہ ڈالتے انہوں نے تسلی دی۔ شاہنواز صاحب سر ہلاتے ہوئے بیٹھ گئے۔

مہندی کی رسم میں صرف ان کے رشتہ دار ہی شریک تھے۔ باقی حلقہ احباب کو انہوں نے ولیمے پر مدعو کیا تھا۔

شاہنواز صاحب کا موبائل کافی دیر سے وائبریٹ کر رہا تھا۔ اپنے خالہ زاد سے بات ختم کر کے وہ ایک طرف آ گئے۔ منیجر کی اتنی ساری مسڈ کالز دیکھ کر حیران ہوتے ہوئے انہوں نے اسے کال ملائی۔ دوسری بیل پر ہی فون اٹھا لیا گیا۔

''خیریت تو ہے۔ آج صبح میں دفتر آیا تو تھ اور تمہیں معلوم ہے کہ اب میں ولیمے کے بعد ہی چکر لگا سکوں گا۔'' شاہنواز صاحب سنجیدگی سے بولے۔

''سر! میں شام چار بجے سے آپ کو کال کر ر ہوں اور بات اتنی اہم ہے کہ آپ کو فوراً نہ بتائی گئی تو بعد میں آپ بے حد ناراض ہوں گے۔'' دوسری جانب وہ منمنایا۔

''ایسی کیا بات ہے۔'' ان کے ابرو تن گئے۔ پھر جیسے جیسے وہ بولتا گیا ان کے چہرے پر پہلے بے یقینی اور پھر سختی پھیلتی گئی۔ لب بھینچتے ہوئے انہوں نے فون بند کیا تھا۔ جونہی وہ اپنی جگہ پر واپس آئے عنایت اللہ ان کی قریب آ گئے۔

''آیئے، شاہنواز صاحب! مولوی صاحب آ گئے ہیں۔''

''اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔'' شاہنواز صاحب نے یوں ہاتھ اٹھا کر سنجیدگی سے کہا کہ عنایت اللہ کچھ لمحوں کے لیے تھم سے گئے۔ شاہنواز صاحب کے رشتہ داروں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''کیا ہوا شاہنواز سب ٹھیک ہے۔'' ان کے چچ آگے بڑھے۔

''کوئی بات بری لگی ہے تو میں معذرت چاہتا ہوں۔'' عنایت اللہ جلدی سے بولے۔ دل کسی انہونی کے خیال سے ٹھٹک گیا تھا۔

''معذرت کے چند الفاظ اس دھوکے کا ہرجانہ نہیں بھر سکتے جو آپ نے مجھے دیا ہے۔''

''دھوکا..... کیسا دھوکا؟'' سب کی نظریں ان پر جم گئیں۔

☆☆

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

ہما رُخ ارباب

آملیٹ

صبح کے پانچ بجے کے جاگے ہوئے اعتزاز علی صاحب کو ناشتے کے لیے بار بار گھڑی کو تکتے ہوئے کم و بیش دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ مگر گھر میں ابھی تک جگار کے کوئی آثار موجود نہ تھے۔ ناشتا تو دور وہ ابھی تک چائے کے ایک کپ کے منتظر بہو بیگم کے باہر برآمد ہونے کے منتظر تھے۔ کرسی پر ایک ہی پہلو پر بیٹھے بیٹھے اب تو وہ خود کو کوئی اسٹیچو سا محسوس کرنے لگے تھے۔

ایک دو بار زور دار آواز میں کھنکار بھی چکے تھے۔ اب یہ بھی نہ تھا کہ وہ جاگی ہی نہ ہوں گی۔ مگر جاگنے اور کمرے سے برآمد ہونے کے درمیانی وقفے میں جتنی ساعتیں گزرتیں اتنے وقت میں وہ اخبار کا ہر صفحہ اول تا آخر پڑھ لینے کے بعد اشتہارات میں موجود حسیناؤں کے دعوا درازی گیسو یا تنزلی روغن اضافی جو عموماً پیٹ پر جمع ہو کر توند کی شکل اختیار کر لیا کرتا ہے، پر غور کیا کرتے۔ ہر چند کہ اس غور و فکر کا ماخذ انسانی فنکاری سے زیادہ قدرت کی صناعی ہوا کرتی تھی۔

مگر اس روز طبیعت کی بیزاری کا عجب عالم تھا صبح سے جاگے پہلے تو لان میں ٹہلتے رہے،، پھر ایک کونے میں رکھی کرسی پر آ بیٹھے۔ اخبار اٹھایا اور اس سے بھی چند ہی خبروں کے بعد دل اچاٹ ہونے لگا۔ شاید چائے کے بنا انسانی حواس خوب صورتی سے متاثر ہونے کی صلاحیت بھی کھو بیٹھتے ہیں ورنہ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ بیرسٹر اعتزاز علی خان، جو زمانہ طالب علمی میں اپنی عقابی نگاہوں کی تیزی اور زنانہ محافل میں تھرتھلی مچا دینے کے لیے چہار دانگ مشہور تھے اس وقت پٹرول کی قیمتیں پڑھ لینے کے بعد فوراً اخبار رکھ دیں۔ جبکہ اسی صفحے پر ایک ساحرہ نئے لان کے پرنٹس کی نمائش کرتے ہوئے قیامت خیز انداز میں جلوہ گر تھی۔

بیرسٹر اعتزاز کی لان کے پرنٹس میں دلچسپی کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ گھر میں جھاڑو اور برتن کے لیے آنے والی ملازمہ شبو کو ہر نئے لباس کے عیوب و محاسن سے پہلی بار بیرسٹر اعتزاز ہی آگاہ کیا کرتے تھے۔

لیکن اس وقت ...... کوئی ایک ترغیب، چائے کے ایک کپ کا مداوا نہیں کر سکتی تھی۔

کاش! شبو ہی آ جاتی تو ناشتا بنوا لیتے۔ انہوں نے بے بسی سے سوچ کر کوئی پندرہویں بار کلائی کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ مجال ہے جو اپنے طے شدہ وقت سے تھوڑا سا بھی پہلے آ جائے۔

انہیں اپنی مرحوم زوجہ کا خیال آیا۔ مرحومہ سحر خیزی میں انہیں بھی مات کیا کرتی تھیں۔ عموماً وہ جس وقت اٹھ کر جاگنگ کے لیے کمر کس رہے ہوتے وہ اپنے ناشتے اور عبادات سے فراغت پا لیا کرتی تھیں۔

انہیں مرحومہ کے ہاتھ کا بنا ناشتا یاد آیا تو پیٹ میں دم سادھے پڑے چوہے، جو ان کی توجہ کے منتظر تھے۔ ایک دم پھر سے اچھل کود مچانے لگے۔

ایک پل کو خیال آیا کہ خود ہی جا کر ایک پیالی

الیں۔ آخر ایسا کون سا عمل جوتنا پڑتا ہے۔
ب پانی ہی تو ابالنا ہے مگر ہاتھوں پر جلنے کے
انہیں بہت کچھ یاد دلا گئے تھے۔ وہ پہلے بھی
یہ کوشش کر چکے تھے۔ اور ہاتھ جلا چکے تھے۔
ہوئی چائے کا ذائقہ اور جلنے سے ہونے والا
آیا تو مزاج کی جولانیاں یکدم ہی ٹھنڈی

ٹر صاحب نے زندگی بھر کاغذات پر قلم

چلایا تھا۔ چائے میں کون سے لوازمات کر
میں ڈالے جائیں شاید یہ بھی وہ ٹھیک
جانتے تھے۔ مرحومہ نے انہیں ہتھیلی کا چھپول
تھا۔ کاش کبھی ایک کپ چائے بنانا ہی
ہوتی۔ یہ انہیں عجیب سا خیال آیا تھا۔ یہ س
کہ وہ باورچی خانے کو مکمل طور پر خواتین علا
رہے تھے۔ کبھی غلطی سے بچے کی دودھ
بھرنے کا کہہ دینے پر انہوں نے مرحومہ کے

لیے تھے وہ انہیں بہت غلط موقع پر یاد آئے۔ ایک پل کو تو وہ بدحواس سے ہونے لگے۔

کیا چائے کی کمی سے میرے حواس متاثر ہونے لگے ہیں۔۔۔ یہ سوچ ہی بہت بھیانک تھی۔۔۔ انہوں نے ہڑبڑا کر نشست پر پہلو بدلا۔۔۔

اسی وقت بیٹے کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ انہوں نے امید بھری نگاہوں سے تکنا شروع کیا۔ ایک ننھا سا پیر باہر آیا۔ وہ پھر سے کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ وہ امجد تھا، ان کا پوتا۔ اسکول کی چھٹیاں ہونے کے باوجود صبح جلدی اٹھنے کی عادت اسے دادا سے ورثے میں ملی تھی۔ جو ریٹائرمنٹ کے بعد بجائے اس کے کہ فراغت کی عیاشی سے مکمل طور پر لطف اندوز ہوتے۔ صبح سویرے جاگ کر خالی پیٹ کا عذاب سہہ رہے تھے۔ امجد ان سے مخاطب ہوئے بنا اپنی ہی کسی کارروائی میں الجھ گیا تھا۔

''امجد! تمہاری ماما جاگ گئیں بیٹا؟'' انہوں نے بچے سے اندر کا احوال لینے کی ٹھانی۔ اور حد درجہ نرم لہجہ بنا کر پوچھا۔

''جی دادو، جاگ تو گئی تھیں۔ مجھے بریک فاسٹ کروا کر خود جوس پی کر پھر سو گئی ہیں۔ پاپا کو آج آفس جو نہیں جانا۔'' وہ لکڑی سے کسی کیڑے کے بل کو چوڑا کرتے ہوئے بولا۔ وہ اپنی اس قسم کی سرگرمیاں عموماً ماں کی لاعلمی میں صبح سویرے ہی سر انجام دیا کرتا تھا۔ کم عمر مگر اپنے والدین کے معمولات سے اچھی طرح آگاہ وہ بچہ ہوشیاری میں بالکل اپنی ماں پر گیا تھا شاید۔

بیرسٹر صاحب کی آنکھوں کے آگے ایک لحظے کو اندھیرا سا چھا گیا۔ بہو بیگم کے دوبارہ سو جانے کا مطلب اب انہیں مزید نہ جانے کتنی دیر بھوکا رہنا پڑتا۔ انہوں نے سر پشتے سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ ایک پل کو انہیں خیال آیا کہ کیوں نہ باہر سے ڈبل روٹی اور انڈے لا کر ناشتا بنا لیا جائے کم از کم اس جاں لیوا اذیت سے تو نجات ملے گی۔ مگر پھر وہی

حل تھا جو اس وقت انہیں سوچنے سمجھنے سے مفلوج کیے دے رہی تھی۔ اگر جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو بھی چائے میسر ہوتی تو اماں حوا کی ترغیب شکنی پر غور ضرور کرتے۔

وہ اپنے خیال سے خود ہی لطف اندوز ہوئے کہ لطف اندوز ہونے کو فی الوقت اور کچھ میسر جو نہ تھا۔

دھوپ دھیرے دھیرے پورے صحن میں پھیلنے لگی تھی۔ ایک لاحاصل انتظار سے تنگ آ کر وہ اپنے کمرے میں جا سوئے تھے۔ بستر پر لیٹ کر بھوک برداشت کرنا زیادہ آسان تھا۔

آخر خدا خدا کر کے بہو بیگم کے کمرے کا دروازہ کھلا جب دھوپ آدھے صحن کو گھیر چکی تھی۔ باورچی خانے میں برتن کھنکنے لگے تھے۔ وہ بستر پر خاموشی سے پڑے اپنی حالت زار کے متعلق سوچ رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ سوچتے بہو بیگم اس طرح انہیں دھیرے دھیرے قتل کرنا چاہتی ہیں۔ آخر وہ کب تک یوں بیس بیس گھنٹے کی بھوک برداشت کر سکیں گے۔ شاید کبھی یوں ہی رات میں کسی وقت ان کا دم نکل جائے۔ بیٹا اور بہو تو کھٹکھٹانے پر بھی دروازہ نہ کھولیں گے۔ اپنی ممکنہ دردناک موت کے تصور نے ان پر رقت سی طاری کر دی، آنکھ کے کونے سے ایک آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہو گیا۔

کمرے میں کچھ آہٹ سی ہوئی قدموں کی چاپ سن کر انہوں نے گردن گھمائی۔ وہ شبو تھی دونوں ہاتھوں میں ناشتے کی طشتری تھامے، وہ اس وقت انہیں زندگی کی دیوی نظر آئی، جو آب حیات لیے بادلوں پر چلتی ان کی جانب محو پرواز تھی۔ وہ اس وقت اتنے نڈھال تھے کہ شبو کے نئے لان کے سوٹ کا پرنٹ تک نہ دیکھ پائے۔ حالانکہ اس نے آنچل لہرا کر متعدد بار انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کی بھی کی۔ مگر پیٹ کی بھوک بے شک ہر جذبے پر حاوی ہے۔ یہ اس دن بیرسٹر صاحب نے ٹھیک سے

ناشتے کے برتن واپس بھجوانے کے بعد ان کے پاس کافی وقت تھا کہ آئے روز درپیش اس فاقہ کشی کی مصیبت پر غور کرسکیں۔ پھر اچانک سے ان کے ذہن میں مرزا کلیم خان کا نام جگمگایا۔ کلیم خان صاحب بھی ان کی طرح ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے تھے۔ مگر بیرسٹر صاحب کی طرح بے دست و پا ہرگز نہ تھے۔ اپنے گھر کے معاملات انہوں نے بہت ہوشیاری سے اپنے ہاتھ میں رکھے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ملنے والے پیسے کو بہت سمجھداری سے مختلف نوعیت کے کاروبار میں انویسٹ کرنے کے بعد ہر چھ ماہ بعد منافع کی مد میں ملنے والی رقم نے ان کے بچوں کو کلیم صاحب کا فرمانبردار بنا رکھا تھا۔ وہ پورے اعزاز اور شان و شوکت کے ساتھ ریٹائرمنٹ کے دن گزار رہے تھے۔

اعتزاز صاحب جب کبھی بچوں کے رویے سے نالاں ہوکر گھر سے نکلتے تو کلیم صاحب کا گھر ان کی واحد جائے پناہ ہوتا۔ وہ اکثر بہو بیٹے سے نمٹنے کے لیے انہیں مختلف مشوروں سے نوازا کرتے۔ جن پر بعض اوقات تو عمل ہوتا اور اکثر اوقات وہ بہو کی ناراضی کے خیال سے چپکے رہ جاتے۔ یہی اعتزاز صاحب تھے جو شریک حیات کی موجودگی میں قمیص پر ایک شکن برداشت نہ کرتے تھے۔ اور اب اگر تمام کپڑے بروقت دھلے ہوئے مل جاتے تو وہ شکر مناتے۔

اس وقت بھی صحن اور گلی میں پھیلی دھوپ کی پروا نہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی چھڑی اٹھائی۔ اور کسی کو مطلع کیے بنا گھر سے کلیم خان کے گھر کی جانب روانہ ہوگئے۔

☆☆☆

بلقیس بیگم نے بستر سے اٹھ کر گھڑی پر نگاہ کی جو بتا رہی تھی کہ آج پھر وہ چھ بجے جاگ گئی ہیں۔ اس قدر جلد اٹھنا ان کا شیوہ کبھی نہ رہا تھا، وہ تو آرام سے آدھا دن گزار کر اٹھنے والوں میں سے تھیں۔ بس کبھی کبھار ننھا ابھی کی بے وقت بھوک نیند اجاڑ دیا کرتی تھی، اس وراثت میں دادا سے ملی نگوڑی عادت کو بہو صاحبہ لاکھ کوشش کے باوجود بدل نہیں پائیں تو سمجھوتے میں ہی عافیت جانی کہ مجازی خدا کو مزاجی خدا بنتے ہوئے اکثر تو لمحہ بھی نہ لگتا تھا۔ اپنے اکلوتے سپوت کی آنکھ میں چمکنے والا ایک آنسو بھی موصوف کے دل پر جا کر گرتا تھا۔

اس مسئلے کا حل بھی جدید سائنس نے نکال لیا تھا۔ بی بلقیس نے کمرے میں ناشتے کا تمام سامان لا کر سجایا دیا تھا۔ روم فریج میں موجود سلائس، مارجرین اور جوس کے ٹین بند ڈبوں سے بچے کی بھوک وقتی طور پر تو بہل جایا کرتی۔ اب مجازی خدا جتنے بھی اچھے والد سہی محض بچے کا ناشتا چیک کرنے کے لیے ہرگز صبح چھ بجے جاگ کر چیک کرتے کہ منے میاں کہیں بازاری جوس تو نہیں پی رہے۔ آخر بلقیس بھی ماں تھیں دشمن تو نہیں۔ سو سلسلہ یونہی چلتا رہتا۔

مگر اب کچھ عرصے سے سسر صاحب نے صبح صبح اٹھ کر ناشتے کے لیے بیٹے کے بیڈروم کے دروازے کو ٹکٹکی باندھ کر گھورنے کی جو عادت اپنائی تھی۔ اس میں یکلخت ہی ایک وقفہ سا در آیا تھا۔ اس کے بجائے ایک نیا معمول شروع ہوا تھا۔ موصوف صبح سویرے نک سک سے تیار، دھوبی سے دھلوائی گئی شیروانی زیب تن کیے ہاتھ میں اپنی مخصوص چھڑی تھامے اپنے کمرے سے برآمد ہوتے اور پھر بنا کہیں دیکھے، بنا کسی کو کچھ بتائے گھر سے نکل جاتے۔ چند دن تو بلقیس بیگم سسر کے یہ رنگ ڈھنگ خاموشی سے برداشت کرتی رہیں۔ مگر تا آنکہ دنیا کب چپ رہتی ہے اور کچھ لوگ تو سکون محسوس کرتے ہی تب ہیں جب ان کے آس پاس کے ماحول میں ارتعاش ہو۔

پہلی شکایت انہیں شبو کی جانب سے ملی تھی جو کچھ کچھ منطقی بھی تھی۔۔۔ اس کے لان کے پرنٹس کو سراہنے والوں میں کمی ہونے کا مطلب تھا ہفتہ پندرہ دن میں ہونے والی آمدنی میں کمی جو وہ کبھی نہ واپس کرنے کے ارادے سے اعتزاز صاحب سے ادھار

لیا کرتی تھی۔۔

شبو کے الفاظ کسی پگھلے ہوئے سیسے کی طرح ان کے کان میں پڑے تھے جب اس نے دوپٹا اپنے مخصوص انداز میں کان کے پیچھے اڑسا دندانہ لگے ہونٹوں پر چمکتی رال کو دوپٹے سے رگڑ کر صاف کیا اور رازدارانہ انداز میں آگے کو جھک آئی۔

''بی بی جی۔ سچ کہتی ہوں آپ کا نمک کھایا ہے تو کسی کا کہا سنا برداشت نہ ہوا۔ اب یہ بھی کیا بات ہے کہ بڑے صاحب بہو اور ملازموں کے ہوتے ہوئے نیچے بڑی سڑک پر ڈھابے سے ناشتا کرتے ہیں۔ یہ پڑوس والی عابدہ بی نے تو صاف صاف کہا۔''

اور جو کچھ عابدہ نے کہا وہ بلقیس بیگم کے کان میں انڈیلنے کے لیے شبو کو مزید آگے جھکنا پڑا۔ جوں جوں وہ عابدہ باجی کا سنایا گیا سحر بلقیس بہو کے کانوں میں پھونکتی گئی ان کا رنگ سفید پڑتا گیا۔ ہاتھ بے اختیار دل پر پڑا۔

''الٰہی اتنی ذلت۔ یہ سسر صاحب کو اس عمر میں جا کر ہی سر میں خاک ڈلوانی تھی۔ ارے نجانے عمر کی نقدی کتنی بچی تھی۔ کچھ وقت سکون سے نہ گزارا گیا گھر میں۔ ریٹائرڈ بیرسٹر اعتزاز علی خان اب ڈھابے پر ناشتا کیا کریں گے۔ دنیا کیا کیا نہ تھوتھو کرے گی ہم پر اور یہ الٹے مشورے ان کو دیتا کون ہے۔ یہ پتا لگانا پڑے گا۔''

اب یہ ہتک عزت کا بھی بس ایک بہانہ ہی تھا ورنہ کوئی بہو بیگم کے دل میں جھانک پاتا تو وہاں سسر صاحب کے ڈھابے سے کھائے جانے والے چٹ پٹے کھانوں کے بعد بیمار ہونے اور بعد از بیماری ایک بوڑھے کی تیمارداری کا خوف جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آتا۔ بہو بیگم نے کبھی اپنے مرحوم والد کو تیمارداری کی سعادت نہ بخشی تھی تو سسر کہاں کے اچھے تھے۔

سو شبو بی بی کو ایک اضافی کام سونپ دیا گیا کہ معلوم کریں ڈھابے کے علاوہ بیرسٹر صاحب کی آون جاون کس موئے گھر میں ہے۔ تو ذرا اس کا پتا کاٹا جائے۔ وہ کچھ یوں پریشان تھیں جیسے سسر صاحب نہ ہوئے کوئی الہڑ مٹیار ہو گئے۔

شبو بی بی تو اڑتی چڑیا کے پر گن لینے والوں میں سے تھی۔ یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اعتزاز صاحب اس کے معتقدین کی فہرست سے نکل کر اچھوڑھا بے والے کی مونچھ گرہ گیر کے اسیر ہو جائیں۔ فوراً ہی کام سے لگ گئی۔ بلقیس بیگم تک دوسرے دن ہی کلیم صاحب کے گھر کا مکمل احوال اور اعتزاز صاحب کی جا بجا آمد و رفت کی تفصیل گوش گزار کر دی گئی۔ شبو بی تو گواہ لانے کو بھی تیار تھی مگر بلقیس بیگم کے لیے اس کی زبان کا بیان ہی بہت تھا۔

شام ہوتے ہی معاملے کی تیار ہانڈی کو بگھار لگا کر مجازی خدا کے دسترخوان پر کھانے سے پہلے ہی سجا دیا گیا۔ تھکے ہارے مسعود میاں کو جب ابا جی کی شرمناک حرکات کا علم ہوا تو حرکتوں سے زیادہ بھوک سر چڑھ کر بولی اور خوب ہی بولی۔ ابا جی دم سادھے سنتے رہے۔

دھوبی سے دھلوائے گئے کپڑوں کا معاملہ بھی زیر غور آیا کہ شبو کے ہوتے اخر انہیں کیا آفت آن پڑی کہ پرکھوں کی عزت خاک میں ملانے میں انہوں نے ذرا تامل نہ کیا۔ بس جو بھی ہو اب ابا جی کو اپنی سویرے جاگنے کی عادت بدلنی ہوگی اور ساتھ ہی کلیم میاں کے گھر جانے پر بھی کمی بلکہ روک کرنی ہوگی۔ کہ وہی تھے جو ابا جی کو بگاڑ رہے تھے۔ ہاں مگر وہ چاہتے تو آ کر بہو بیگم کے سامنے بیرسٹر صاحب سے ملاقات کر سکتے تھے۔

☆☆☆

تا عمر دوسروں پر حکم چلانے والے بیرسٹر صاحب کو اس درجہ فرماں برداری کرتے ہوئے اگر ان کی مرحومہ زوجہ محترمہ دیکھ لیتیں تو شاید انہیں دوبارہ ہارٹ اٹیک کا صدمہ سہنا پڑتا۔ مگر کیا کیجیے کہ بیوی کے گزرنے کے بعد یہ انقلاب یک دم نہ آیا تھا بلکہ انتہائی چالاکی سے انہیں گھریلو تخت سے بتدریج

معزولی کی جانب دھکیلا گیا تھا۔ پہلے پہل ریٹائرمنٹ کے بعد ملنے والی رقم مختلف حیلوں بہانوں سے مسعود میاں نکلواتے رہے۔ اس کے بعد بلقیس بیگم نے آہستہ آہستہ ان کو دوران ملازمت ملنے والا تمام پروٹوکول جیسے کہ وقت پر کھانا، نئے کپڑے، تقریبات میں ان کی سربراہی، اور ہر فیصلے میں ان کی رائے کو صائب ماننا واپس لے لیا۔ کچھ اس طور کہ وہ سب دیکھنے کے باوجود اعتراض تک نہ جڑ پائے۔ بہو بیگم کے پاس ہر بات کے جواب میں ایک عدد تاویل موجود ہوتی اور بیرسٹر صاحب دل مسوس کر رہ جاتے۔

انہیں آج زوجہ محترمہ رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں کس کس طرح نہ ستایا تھا مرحومہ کو، مجال ہے کبھی انہیں درخورِ اعتنا جانا ہو۔

کہنے کو تو پنشن آتی تھی وہ چاہتے تو کھانا پینا اپنا الگ کر سکتے تھے۔ مگر عرصہ دراز سے لوگوں میں بنی بنائی عزت، اف پھر سے یہ عزت! آخر کیا کرتا ہے اس عزت کا جو پیٹ بھرنے میں ہی رکاوٹ بن جائے۔ آخر بیٹے کے سامنے بولنے میں انہیں کیا چیز مانع تھی۔ وہ باپ ہو کر کیوں بیٹے سے دبتے تھے، پھر جیسے ان کے اندر کوئی گھنٹی سی بجی۔ وہ بیٹے سے نہیں، بہو سے ڈرتے تھے۔ اس کے ارادوں سے ڈرتے تھے اور تنہائی سے ڈرتے تھے۔ انہیں ڈر تھا وہ مسعود کو ان سے بدظن کرے گی تو وہ اپنا ٹھکانا الگ کر لے گا اور تب وہ تنہا کیسے جئیں گے۔ اپنی کمزوری کی تہ تک پہنچ کر وہ عجیب سا سکون محسوس کرنے لگے تھے۔ ڈھابے والی بات وہ مان سکتے تھے مگر کلیم سے نہ ملنا! ہرگز نہیں یہ کوئی ماننے کی بات ہی نہیں۔ انہوں نے جھٹکے سے چھڑی اٹھائی اور براق کرتے پاجامے کی شکنیں ہاتھ سے درست کرتے بہو بیگم کے سامنے گھر سے نکلتے چلے گئے۔ کرلو جو کرنا ہے۔

☆☆☆

عام طور پر اس وقت کلیم صاحب اپنے بڑے سے گھر کے ٹھنڈے برآمدے میں بیٹھے کسی نہ کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف پائے جاتے۔ یا کوئی اعتزاز صاحب جیسا دوست ملنے آجاتا تو شطرنج کی بازی جم جاتی۔ مگر آج کچھ خلاف معمول سی خاموشی طاری تھی۔ بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی ایک مختصر روش پار کر کے وہ برآمدہ تھا جہاں کلیم صاحب براجمان رہتے تھے۔ روش کے دائیں بائیں بنی کیاریوں اور چھوٹے سے لان میں ان کے پوتے پوتیاں کبھی کبھار نظر آجایا کرتے۔ زندگی کی چہل پہل کبھی یوں مفقود نہ ہوئی تھی۔ مگر آج تو جیسے بوم بسیرا کر گیا ہو انسانوں کی بستی میں۔

اعتزاز صاحب کا دل ہولنے لگا۔ دوست پر پڑی کسی نادیدہ مصیبت کے خیال سے ہی ان کا دم الجھنے لگا۔ سست رفتار قدموں میں جیسے برق سی بھر گئی۔ تیز تیز قدم اٹھاتے برآمدے کے ایک جانب بنے کچن کے اندر جھانکا کہ شاید کلیم کی بہو صاحبہ موجود ہوں اور تب ہی ایک بالکل نئے چہرے کو دیکھ کر وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئے۔ وہ ساٹھ پینسٹھ کے پیٹے میں تھے اور اچھی صحت کے ساتھ ابھی تک خود کو جوان ہی سمجھتے تھے وہ تو بس معدہ کبھی کبھار دغا دے جایا کرتا۔ یوں نامحرم خواتین سے فاصلہ رکھنا وہ خود پر واجب سمجھتے تھے۔ شبو کی اور بات تھی۔

خاتون شاید باورچی خانے میں کچھ میٹھا بنا رہی تھیں الائچی کی خوشبو اور دودھ کے پکنے کی مہک ماحول پر حاوی تھی۔ اعتزاز صاحب جلدی سے پیچھے ہٹنے پر بھی خاتون کی عقابی نگاہ سے نہ بچ سکے۔ پھرتی سے بیلن ہاتھ میں لیے یوں باہر نکلیں کہ ایک پل کو تو وہ گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ قریب تھا کہ کلیم صاحب کو ان کے حال پر چھوڑ سرپٹ نکل بھاگتے مگر خاتون سے کچھ بعید نہ تھا پیچھے سے بیلن ہی سل بٹا کھینچ مارتیں۔ چہرے کے حسین تقوش میں کچھ ایسی ہی کرختگی پائی جاتی تھی ان کے جیسے ابھی ابھی ڈبلیو ڈبلیو ای ورلڈ ریسلنگ کا ٹائٹل جیت کر آئی ہوں سو وہیں چپکے کھڑے رہے۔

خاتون نے باہر نکل کر سرتاپا ان کا جائزہ لیا۔

ستواں ناک مزاج کی کرختگی کے سبب کچھ تیکھی سی لگنے لگی تھی۔ سرخ و سفید رنگت باورچی خانے کی حدت کے سبب خون چھلکا رہی تھی۔ خاتون اگر از حد تک چڑھی ظاہر نہ ہو رہی ہوتیں تو اعتزاز صاحب کی حسن پرست اور شاعری پسند طبیعت ان کے لیے ایک عدد شعر تو ضرور ہی موزوں کر لیتی۔

"کیا بات ہے میاں! کہاں مرکھنے بیل کی طرح منہ اٹھائے گھسے آ رہے ہو۔ ہاں؟ ارے نہ پوچھ نہ تاچھ۔ ارے کوئی قاعدہ سلیقہ ہے کہ نہیں؟ گھر میں لوگ بھی بستے ہیں یہاں۔ ہاں نہیں تو۔ حلیے سے تو کوئی شریف آدمی دکھتے ہو مجھے۔ مگر حرکتیں ہرگز شریفوں والی نا ہیں میاں۔ بولے دیتی ہوں ہاں نہیں تو....."

اعتزاز صاحب جو بہت تفصیل سے خاتون کے چہرے کے بعد پرتحسین انداز میں لان کے پرنٹ کا اجمالی جائزہ لینے کے قریب تھے۔ اس باریک چبھتی ہوئی آواز اور انداز پر ہڑبڑا سے اٹھے۔

"کک..... کیا کہہ رہی ہیں آپ خاتون؟ ہم ایک معزز اور باعزت خاندان کے فرد ہیں۔ آپ کیا ہمیں اچکا سمجھ رہی ہیں..... کلیم صاحب سے ملنے آئے تھے..... اگر تشریف رکھتے ہیں تو برائے مہربانی انہیں مطلع فرما دیں۔"

اعتزاز صاحب نے بگڑے بگڑے انداز میں خالص تعلیق اردو میں اپنا تعارف اور آمد کا مقصد دونوں ہی خاتون کے گوش گزار کیے۔

وہ جو ناک پر انگلی دھرے، اعتزاز صاحب کے منہ سے نکلے الفاظ سنتے ہوئے کچھ یوں حیران تھیں جیسے وہ کوئی ایلین ہوں اور مریخ سے براہ راست ان کے گھر میں اترے ہوں۔

"ہائے میاں! اللہ جانے لکھنؤ سے سیدھا ہمیں لینڈ کیے ہیں۔ ایسی گاڑھی زبان میرے کنے تو سمجھ نہ آئے۔" وہ خود ہی اپنی بات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر زور سے ہنسیں۔ پھر یک دم ہی چہرے کے تاثرات بدلتی ہوئی بیلن سے ایک جانب اشارہ کیا۔

"ادھر پڑے ہیں کمرے میں۔ منہ سر لپیٹے۔ آپ کے کلیم میاں۔ چلے جائیے سیدھے سیدھے۔ یک نہ شد دو شد۔ ایک بڑھوا کیا کم ہیں جو عین کھانے وقت دو جے بھی ٹپکے۔ ہاں نہیں تو....."

ہاں نہیں تو شاید خاتون کا تکیہ کلام تھا۔

وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں اور بیرسٹر صاحب خاتون کی زبان کی دھار سے بچتے ہوئے راہداری کے ایک کونے میں بنے کلیم صاحب کے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

وسیع و عریض پرتعیش کمرہ اس وقت شام غریباں منانے کے لیے تیار کیے گئے کسی ہال کا منظر پیش کر رہا تھا۔ بڑی سی کھڑکی پر دبیز مخملیں پردے ڈال کر روشنی کی آخری رمق تک کو اندر آنے سے روکنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔ جدید ترین آلات موسیقی کے اس دور میں کہیں سے ڈھونڈ کر پرانا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا گیا تھا۔ جس پر سن سینتالیس کے دور کے حزنیہ نغمے زور و شور سے بج رہے تھے۔

روتی ہے سلمیٰ

روتی ہے سیتا.....

بس کمرے میں اگربتیوں کی کمی تھی ورنہ ماتمی سیٹ مکمل تیار تھا۔ اعتزاز صاحب دوست کی حالت دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔ ایسی حالت تو ان کی اہلیہ اور جوان بیٹے کی موت پر بھی نہ ہوئی تھی تو آج کیا۔

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے اندر داخل ہوئے۔

"آؤ اعتزاز! رک کیوں گئے؟ دیکھو اپنے دوست کی حالت۔" وہ بیڈ پر لیٹے لیٹے کسی اسٹیج اداکار کی طرح دبنگ آواز میں بولے تو اعتزاز صاحب نے پلنگ کی دوسری جانب سے گھوم کر ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ کہ اس کے دلدوز نوحے انہیں بے وجہ ہی وقت آخر یاد کروانے لگے تھے۔ وہ وقت کے ساتھ چلنے کے قائل اور یونین سنگھ کے فین تھے۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا کلیم! کہیں وہ جو تم نے پرسوں اپنے بلڈ ٹیسٹ کروائے تھے۔ کہیں ان کی رپورٹ میں تو کچھ!'' بیرسٹر صاحب کہتے کہتے چپ ہو گئے اور کلیم صاحب کو تو جیسے بچھو نے ڈس لیا۔

''اتنی آسانی سے نہیں مروں گا میں، غنیم کو شکست فاش ہوگی اور وہ اپنے زخم چاٹتے ہوئے ناکام ہو کر یہاں سے جائیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کلیم خان نام نہیں میرا.....'' وہ کسی نادیدہ غنیم کو للکارتے ہوئے یک دم ہی لیٹے سے بیٹھ گئے۔

اعتزاز صاحب نے حیرت سے آس پاس غنیم کو کھوجا اور تب ہی دروازے میں غنیم کا چہرہ نمودار ہوا وہ وہی کچن والی خاتون تھیں جن سے ابھی ابھی عزت افزائی کروا کر وہ اندر پہنچے تھے اور اچانک اعتزاز صاحب کو یاد آیا کہ خاتون کے چہرے میں کلیم صاحب کی بہو کی حد درجہ مشابہت پائی جاتی ہے اور کچھ ہی دیر میں اس بات کی تصدیق بھی ہو گئی جب خاتون نے کلیم صاحب پر تابڑ توڑ جوابی حملے شروع کیے۔

''ارے،، اللہ اللہ کرنے کے دن ہیں، بیٹھ کے خدا کو یاد کرو۔ مگر نہ جی لوگ تو موت بھولے بیٹھے ہیں..... خزانے پر سانپ بنے بیٹھے ہیں۔ بچوں کا جینا اجیرن کیے..... کہے دیتی ہوں اگر آپ نے اپنے طور طریقے نہ بدلے تو میں لے جاؤں گی شاہینہ اور میاں زعیم کو اپنے کنے۔ بہت جگہ ہے میرے گھر میں۔ ارے کس کام کا ایسا پیسہ جو بچوں کے کام نہ آئے۔ ہاں نہیں تو۔''

''دیکھیے خاتون! آپ ہمارے گھریلو معاملات میں مداخلت بے جا کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ میں بہو کی خالہ ہونے کے سبب آپ کا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ کب کا باہر کی راہ دکھاتا۔''

بیرسٹر صاحب پر شاید مزید کچھ راز افشا ہوتے مگر جھگڑے کی طوفانی لہروں نے پورے گھر کی فضا میں ہلچل مچا دی تھی۔ اسکول سے آئے بچے بکا بکا دیکھ رہے تھے۔

شاہینہ، کلیم صاحب کی بہو ہانپتی کانپتی گھر کے کسی کونے سے برآمد ہوئی اور خالہ کا ہاتھ تھامے عملاً انہیں کھینچتی ہوئی کمرے سے باہر لے گئی۔ کافی دور پہنچنے تک ان کی آواز سنائی دیتی رہی۔

کلیم خان کا گلابی رنگ اس وقت غصے سے عنابی ہو رہا تھا۔ تکیے پر گر کر ـــــ زور زور سے ہانپنے لگے۔ اعتزاز صاحب نے جلدی سے گلاس میں پانی انڈیلا اور انہیں تھما دیا۔

وہ ایک گھونٹ میں آدھا گلاس پی گئے۔

''دیکھو اعتزاز! یہ ہے میرے سر کا درد یہ صاحبہ اتنے عرصے ملک سے باہر تشریف فرما تھیں۔ اب پاکستان آئی ہیں اور میرے گھر کی بنیادیں ہلانے لگی ہیں۔'' اور آہستہ آہستہ وہ انہیں تمام تفصیل بتاتے گئے۔

بقول ان کے آنسہ خدیجہ جہاں جو عرصہ پندرہ سال سے براعظم افریقہ کے کسی ملک میں اپنے خاوند کی زندگی اجیرن کیے ہوئے تھیں۔ اسے لحد میں اتار کر نئے ''زندگی اجاڑو'' مشن پر پاکستان تشریف لائی ہیں اور پہلا ہی نشانہ کلیم صاحب کے گھر کو چنا، کیوں کہ بدقسمتی سے یہاں ان کی لاڈلی بھانجی بہو کے روپ میں مقیم تھی اور ان کے ہنستے بستے گھر میں ایک نئی علیحدگی پسند تحریک کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب رہیں۔ ان کے بچے جو پہلے ہی کلیم صاحب کی آمریت نما جمہوریت سے بوکھلائے ہوئے تھے فوراً ان کے سایہ عاطفت میں آنے کو تیار ہو گئے۔ بدقسمتی سے موصوفہ شوہر کے اچھے خاصے ترکے کی مالک بن کر دودھاری تلوار کا روپ دھار چکی تھیں اور اب بضد تھیں کہ کلیم صاحب کا زندہ بجا اکلوتا بیٹا ان کے خریدے گئے گھر میں گھر داماد بن کر رہے۔ گھر داماد کا لفظ کلیم صاحب نے استعمال کیا تھا۔ ورنہ خدیجہ صاحبہ تو اسے بیٹے کا گھر کہا کرتی تھیں۔

کلیم صاحب کی تمام رام کہانی سن کر اعتزاز

ڈکٹیٹر شپ کا تو صرف بہانہ ہے۔ اصل مسئلہ خدیجہ جہاں کی تنہائی ہے۔ جسے دور کرنے کی خاطر وہ کلیم صاحب کو تنہا کر دینے کے درپے تھیں۔ کیوں کہ ان کے مزاج کی تسلط پسندی اور کلیم صاحب کی حکمرانی کا آپس میں ٹکراؤ ناگزیر تھا۔ اور ناممکن تھا کہ ان کی تو میں میں سے بقیہ گھر والے متاثر نہ ہوتے۔

اعتزاز صاحب آئے تو تھے اپنے دکھ سنانے مگر کلیم صاحب کی خستہ حالت دیکھ کر انہیں تسلی دینے میں جٹ گئے۔

''بات سنو اعتزاز! اگر تم مجھے صحیح الدماغ اور جیتا جاگتا دیکھنا چاہتے ہو تو اس عورت کے لیے زہر لادو۔ یہ جیتی رہی تو میں یقیناً اس دار فانی سے کوچ کر جاؤں گا۔'' کلیم صاحب نے شدت جذبات میں دوست کا بازو پکڑ کر تقریباً جھنجوڑ ہی ڈالا۔ اور اعتزاز صاحب خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے ذہن میں کچھ حساب کتاب کر رہے تھے۔

☆☆☆

بلقیس بہو کو بالکل بھی وقت نہیں مل پا رہا تھا کہ ابا جی کی جاسوسیاں کر سکتیں۔ چھ بجے اٹھ کر دس بجے شبو کے ہاتھ کا بنا ہوا ناشتا نوش جاں فرما کر آدھے دھلے آدھے میلے کپڑے پہن کر الٹے سیدھے حلیے میں گھر سے نکل جاتے۔ اور بلقیس یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کلیم صاحب کے گھر کی طرف گئے ہوں گے۔ مصلحتاً خاموشی اختیار کرتیں۔ جہاندیدہ تھیں جانتی تھیں کہ ہوا بھرے غبارے کو زیادہ دبایا جائے تو پھٹ بھی سکتا ہے۔ اور وہ فی الوقت محترم سسر کی پنشن سے محروم ہونے کے حق میں نہ تھیں جو اکثر حیلوں بہانوں سے ان سے نکلوا لیا کرتی تھیں۔

اس وقت بھی اسی ارادے سے ابا جی کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے انہیں اچانک ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ نئی نویلی چمک دار اخروٹی رنگ کی شیروانی پر خوشبوؤں کا چھڑکاؤ کیے۔ کھچڑی بالوں کو خضاب کی مدد سے سیاہ کیے۔ پیروں میں نئے سلیم شاہی پھنسائے۔ وہ جیسے کسی تقریب میں جانے کو بالکل تیار کھڑے تھے۔

''کہیں جانے کی تیاری ہے ابا جی؟'' وہ کچھ حیرت سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھیں۔ انہیں اپنی پیسے نکلوانے کی امیدوں پر پانی پھرتا نظر آیا۔ ابا جی کی تیاری دیکھ کر صاف پتا چل رہا تھا ان کی اس ماہ کی پنشن بلکہ شاید بچی کھچی کوئی اکاؤنٹ کے کونوں کھدروں میں پڑی رقم بھی اسی مد میں کام آ چکی ہے۔

کاش امجد اس ماہ پیدا نہ ہوا ہوتا۔ باقاعدہ سالگرہ نہ سہی ایک دن تو تمام بہن بھائیوں کی اچھی سی پارٹی کرنی ہی پڑتی تھی۔ مسعود سے اس معاملے میں رقم کا تقاضا کرنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے والی بات تھی لے دے کر سسر صاحب کا آسرا تھا۔ بہر حال ایک امید تھی کہ پوتے کی سالگرہ کے نام پر شاید کچھ رقم نکل ہی آئے۔

''ہاں بہو! آج کلیم نے میری اور کچھ اور دوستوں کی دعوت کا انتظام کیا ہے تو آج میرے لیے کھانا بنانے کی زحمت نہ کرنا۔ میں چلتا ہوں اللہ حافظ۔'' وہ اپنی بات کہنے کے لیے پر تولتی رہ گئیں اور وہ ہشاش بشاش لہجے میں کہتے ہوئے لاٹھی تھامے گردن اکڑائے جدی پشتی نوابوں کی طرح ان کے سامنے سے نکلتے چلے گئے۔

☆☆☆

واپسی میں یقیناً انہیں بہت زیادہ دیر ہو چکی تھی۔ مختصر سی فیملی والے وسیع و عریض گھر کا صحن اس وقت تنہائی اور سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ صحن میں جلتی روشنیاں دروازے تک پہنچتے پہنچتے دم توڑ رہی تھیں۔ اور مین گیٹ پر لگی آئیوی کی بیل نے ماحول کچھ مزید پراسرار سا بنا رکھا تھا۔ وہ آگے بڑھے تو قدموں کے نیچے پتے چرچرانے کی آواز بہت واضح طور پر بلند ہوئی۔

اپنے کمرے سے باورچی خانے کی جانب جاتی ہوئی بلقیس نے رُک کر دروازے کی جانب دیکھا ان کی آنکھیں کچھ اس انداز میں پھیلتی چلی گئیں

جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔اور آناً فاناً چیختی چلاتی واپس اپنے کمرے کی جانب لپکیں۔تھوڑی ہی دیر میں خاموشیوں میں ڈوبا صحن بلقیس بہو کے واویلے اور مسعود میاں کے دھاڑنے کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔اعتزاز صاحب اطمینان سے ان کی ہرزہ سرائی سننے میں مصروف تھے۔

آخرکار خوب صورت سے کام دار جوڑے میں ملبوس خدیجہ بی جو کافی دیر سے کمر پر ہاتھ رکھے۔ دونوں میاں بیوی کی چیخم دھاڑ ملاحظہ فرما رہی تھیں۔ خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئیں آخر کب تک اپنی اور اپنے سرتاج کی بے عزتی برداشت کرتیں۔

☆☆☆

جی ہاں ۔کلیم صاحب اور اعتزاز صاحب دونوں کے مسئلے کا یہی حل اعتزاز صاحب کو سوجھا اور کلیم صاحب... وہ تو جی جان سے اس حل پر راضی تھے اصل مسئلہ خدیجہ بی کو راضی کرنا تھا اور مقصد کے لیے پورا مہینہ اعتزاز صاحب کو اجڑے حالوں کلیم صاحب کے در دولت پر حاضری دینی پڑی تاکہ خدیجہ بی اچھی طرح ان پر بہو کی جانب سے ہوئے ظلم و ستم کا اندازہ کرلیں۔اور نتیجہ حسب توقع نکلا۔اور آج پورے ایک ماہ بعد وہ اس گھر کی مالکن کے روپ میں بلقیس بہو کو چیلنج کرنے موجود تھیں۔

مسعود میاں تو اپنی والدہ محترمہ کی زبان دانی دیکھ کر انگشت بدنداں تھے ہی۔بہو صاحبہ بھی اس سلاست اور روانی کو دیکھ کر اپنی عافیت کی جانب سے مشکوک تھیں۔مگر ابھی ان کے ہاتھوں کے مزید طوطے اڑنے باقی تھے۔

''میرے خیال سے اب جب تم لوگوں نے اپنی والدہ محترمہ کو قبول کرنے سے انکار کر ہی دیا ہے۔''انہوں نے سامعین کے ردعمل کا جائزہ لیا۔''اور میرے ایک شرعی حق پر معترض ہو تو میرے خیال سے مجھے بھی اب اپنی بات کہنے میں سہولت رہے گی.....کہ اب چونکہ ہم بھی ایک عدد فیملی کے کفیل ہو چکے ہیں.....میرا مطلب ہے دوبارہ سے۔تو لازم ہے باقاعدہ روزگار کا سلسلہ بھی ہوگا۔لہٰذا ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے۔انہوں نے ڈرامائی سا وقفہ دیا۔''کہ تم لوگ اپنا بندوبست کہیں اور کرلو، ہم مکان کے دو پورشن کروا کر اسے کرائے پر چڑھانا چاہتے ہیں۔''

وہ کہتے ہوئے طمطراق سے بنا بہو اور بیٹے کی جانب دیکھے خدیجہ بی کا ہاتھ تھامے کمرے کی جانب مڑ گئے۔درمیان میں حیرت سے تماشا دیکھتے امجد پر نگاہ پڑی تو اسے گود میں اٹھا کر دادی کی گود میں دیتے ہوئے بولے۔

''کیوں امجد میاں کیسا رہا آپ کی سالگرہ کا تحفہ؟''

اور امجد کی کھلکھلاہٹ ،دادا اور دادی کے قہقہوں کے ساتھ مل کر پرکیف فضاؤں میں گھل گئی۔

☆☆☆

اعتزاز منزل اب پرسکون اور خوب صورت گھریلو ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ہر روز صبح سویرے چائے کی مہک اور انڈے تلنے کی خوشبو در و دیوار سے ٹکراتی ہوئی طبیعت میں تراوٹ پیدا کرتی ہے۔اب بیرسٹر صاحب کو صبح سویرے ناشتے کے لیے انتظار نہیں کرنا پڑتا ہر روز اپنے ہاتھ کا بنا ہوا ناشتا کرتے ہوئے وہ خدیجہ جہاں کو دعائیں دیتے ہیں جنہوں نے انہیں ناشتا بنانا سکھا دیا۔

☆☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوب صورت ناول

فصل غم کا گوشوارہ

رضیہ جمیل

قیمت-/300 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

گل ارباب

سموسے کا سالن

''سموسے کا سالن...... سموسے کا سالن......''
وہ بیڈ پر پاؤں اوپر کیے، گود میں کشن رکھے، زیرلب یہ ہی الفاظ بار بار دہرا رہی تھی۔
''تم بھی بس اس بات کے پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔ ہوتے ہیں کچھ لوگ بے بنائے بنائے نفسیاتی کیس انہیں اصلاح کی نہیں علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔''
عینی پر سوچ انداز میں اپنی سہیلی عفت کی طرف دیکھتے ہوئے بے زاری اور الجھن کے تاثرات چہرے پر لیے سن رہی تھی۔
عفت نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔
کتنی پیاری ہے یہ معصوم سی لڑکی۔ والدین کی اکلوتی اور نازوں پلی بٹیا۔ اس کی روشن آنکھوں اور سنہری اجلی رنگت پر لمبی زلفوں کا ریشم کتنا سجتا ہے۔ جب پلکیں جھپکتے ہوئے معصوم لہجے میں مستقبل کے منصوبے بناتی تو اس کی چاہت اور خواہش عزت دینے والا ایسا جیون ساتھی ہوتا جو اسے کچھ دے نہ دے اس کی مما اور بابا کو اپنے والدین جیسا احترام ضرور دے کیونکہ وہ والدین سے بہت...... بلکہ حدوں سے باہر نکلی محبت کرتی تھی۔ لیکن اس کے جیون ساتھی کے لیے ایک طرف اس کی ماں کی خواہش کہ لڑکا حسین ترین ہو۔ چھ فٹ دو انچ قد۔ رنگت سرخ و سفید۔ جیسی انہیں پسند تھیں ان آنکھوں کے رنگ میں بھی انیس بیس کا فرق نہ ہو۔ شان دار شخصیت کے ساتھ مالی حالات بھی بہت اچھے ہوں اور گھر بار بھی قابل رشک حد تک شان دار ہو اور خاندان بھی اعلا۔ جبکہ بابا چاہتے تھے کہ لڑکا ان کی بیٹی کا قدرداں ہو۔
مسز انصاری بے شمار رشتوں کو کسی نہ کسی وجہ سے انکار کر چکی تھیں جس سے باپ بیٹی دونوں پریشان رہتے۔ عینا انصاری کو سج دھج کر آئے روز خواتین کی تفتیشی ٹیم کے سامنے پیش ہونا سخت ناپسند تھا لیکن مجبور تھی اسی لیے چائے کی ٹرے بھی لاتی اور بن بن کر لڑکوں کی ماؤں سے بات چیت بھی کرتی۔ سب کچھ ٹھیک ہوتا لیکن لڑکا دیکھ کر آتے ہی مما کا بگڑا ہوا موڈ اسے بتا دیتا تھا کہ ان کے معیار پر پورا نہیں اترا۔ سکینہ بی بی اس دن ان کے عتاب کا نشانہ ضرور بنتی۔
''توبہ ہے، آج پھر بیگم صاحب کا موڈ خراب ہے۔ ایک تو آج کل نیلے پیلے کالے لڑکے ہی دیکھنے کو ملتے ہیں، ٹھگنے مگنے۔ کیا تھا اگر فٹ دو فٹ لمبے قد ہوتے، شکل پر کچھ نور ہوتا اور آنکھیں پیلی زرد نہ ہوتیں۔ کچھ ہری نیلی سنہری ہوتیں اور موٹی موٹی گردنوں پر چربی ذرا کم ہوتی۔ لیکن پھر بھی ہماری بیگم صاحبہ نے یہ کہہ کر منہ بنا لیتا تھا کہ ''لڑکے کے ہاتھ پاؤں زنانہ قسم کے ہیں، اب سر پر تو نقلی بال لگ جاتے ہیں جن کے ہاتھوں پاؤں صاف ستھرے ہیں وہ کہاں سے بال لگا کر مردانہ ہاتھ پاؤں بنائے گا؟''
ان کی باتیں سن کر عینی ہنسنے لگی۔ واقعی پچھلے دنوں ایک لڑکے کو مما نے نازک ہاتھ پاؤں کی وجہ سے ہی ریجیکٹ کیا تھا۔
''یار عفت! میں تنگ آچکی ہوں روز کے اس کھیل سے۔
ان صاحبہ نے جب یہ کہا کہ بیٹا باقی سب تو

ہے لیکن کیا آپ کو سموسے کا سالن بنانا آتا
میں جواب میں حیرانی سے انہیں تکتی رہ گئی۔
و چند پل تو اس قدر اسٹوپڈ سوال پر مجھے سمجھ
آئی کہ جواب کیا دوں؟" وہ پرسوچ نظروں
ت کو دیکھ رہی تھی۔
تم نے کیا جواب دیا؟"
وہ اسے گھورنے لگی۔

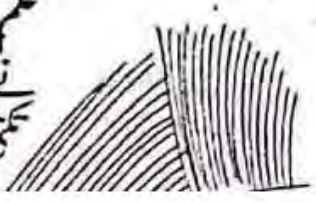

"اس کا جواب بھی تھا کوئی؟ مجھے
کھانے، دیسی بدیسی ہر طرح کے کھانوں
مولی کے کباب، آلو کے چھلکوں کے کباب،
کوفتے، مرچوں کا سالن اور---- نہ جانے
غلم بنانا آتا ہے---- لیکن سموسے کے سالن
نے کبھی نام بھی نہیں سنا۔ تو کیا کہتی چپ چا
تکتی ہی رہی؟" وہ بے زاری سے بولی تو

بول پڑی۔

''شہر بھرا پڑا ہے اچھے لڑکوں سے اور میری دوست کے لیے بھلا رشتوں کی کوئی قلت ہے؟ شہزادیوں کے تو سوئمبر ہوتے ہیں۔ وہ تو ہم دوسری سلطنتوں کے شہزادوں کو سفر کی تکلیف سے بچانے کے لیے سوئمبر نہیں رچا رہے ورنہ تو.....'' عفت اس کی حسین آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شریر لہجے بولی تو عینی ہنس دی۔

''اصل میں مما کو پہلی بار کوئی رشتہ بہت پسند آیا تھا۔ ہر لحاظ سے اچھا لڑکا تھا، پڑھا لکھا، مال دار اور ہینڈسم بھی۔ اتنا ہی جتنا مما کو چاہیے میرے لیے..... اور خاندانی ہونا اس کی اضافی خوبی تھی لیکن..... جانے کہاں سے بیچ میں سموسے کا سالن آ گیا۔ جس نے سارا کام بگاڑ دیا۔'' وہ افسوس بھرے لہجے میں بولی تو عفت کو اس کا ایسے لوگوں کے لیے افسوس کرنا اچھا نہ لگا۔

''اف توبہ! کہاں میری حسین ترین، نازک اور نفیس سی سہیلی اور کہاں سموسے کا سالن؟''

عفت نے برا سا منہ بنایا تو عینی اب کے زور زور سے ہنسنے لگی۔

''ہنس کیوں رہی ہو؟ کہیں صدمے سے پاگل تو نہیں ہو گئیں؟'' عفت نے مشکوک انداز میں اسے گھورا تو وہ شوخ ہوئی۔

''تمہاری شکل جو سموسے کے سالن جیسی بن گئی تھی۔''

وہ آنکھیں پھیلا کر حیرانی سے پوچھنے لگی۔

''تمہیں کیسے پتا، تم نے دیکھا ہے کبھی یہ سالن؟''

''ارے نہیں یار! میں نے تو نام بھی پہلی بار سنا ہے۔ تیری شکل سموسے کی طرح تکونی ہو جاتی ہے نا یوں منہ لٹکا لینے سے، اسی لیے.....'' وہ اس کے ٹھینکے گئے کشن سے بچنے کی کوشش کرنے لگی اور کشن جھپٹ کر گود میں رکھ لیا۔ باوجود کوشش کے وہ اپنی پیاری دوست عفت کو یہ نہ بتا سکی کہ زندگی میں پہلی

تھوڑے بہت اچھے تو کچھ لوگ پہلے بھی لگا کرتے تھے، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی دھڑکنیں کچھ چہروں کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر وقتی طور پر بے ترتیب بھی ہو جاتی تھیں لیکن اب کی دفعہ اسے دیکھ کر تو باقاعدہ دھڑکنوں نے دھمال ڈالا تھا۔ قسمت نے انہیں ایک دوسرے سے ملوانا تھا۔

وہ رشتے کے لیے آئی ان ہی خاتون کا بیٹا تھا اور آفس سے واپسی پر ماں کو لینے آیا تھا۔ اسے لگا کہ ڈرائیور ہی ہوگا کیونکہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ یوں رشتے کے لیے تو پہلی بار میں ہی لڑکے منہ اٹھائے نہیں آ جاتے لڑکی کے گھر۔

وہ چند لمحے پہلے ان آنٹی سے اپنا ایکسرے کروانے کے بعد خراب موڈ کو ٹھیک کرنے لان میں چہل قدمی کے لیے باہر نکل آئی تھی۔ ابھی بنفشہ کے حسین پھولوں سے سرگوشیوں میں حال دل بیان کرنا شروع ہی کیا تھا کہ گیٹ پر ہارن ہونے لگا، پہلے تو اس نے نظر انداز کیا کیونکہ گیٹ کھلا تھا۔ چوکیدار کی چھٹی کی وجہ سے جو بھی آتا خود ہی گیٹ کھول کر گاڑی اندر لے آتا تھا۔ اندر بیٹھی ایکسرے مشین باتوں کی بھی مشین تھیں اسی لیے تو پانچ منٹ میں چھ بار اپنی گاڑی کی آمد کا بتا چکی تھیں اور ابھی ساتویں بار بھی منہ کھولا ہی تھا کہ وہ بوریت بھرے انداز میں ماں کے چہرے پر پھیلی دلچسپی دیکھتے ہوئے باہر نکل آئی تھی کیونکہ ماں نے لڑکے کے حسن کی تعریفیں سنی ہوئی تھیں۔

''اس گاڑی کا ہارن کتنا تیز اور بے ہودہ سا ہے، کانوں کے پردے پھاڑنے والا۔'' چند لمحے ہارن کی آواز سننے کے بعد وہ بڑبڑاتے ہوئے بادل ناخواستہ گیٹ تک پہنچ گئی۔

''جناب ڈرائیور صاحب! آپ کی مالکن کو دیکھ کر ہی مجھے شک ہوا تھا کہ یہ نوکروں کو تنخواہیں وقت پر نہیں دیتی ہوں گی۔ لیکن آپ کے ہارن بجانے کے انداز سے میرا یہ شک یقین میں بدل گیا

سکندر بخت ڈرائیونگ بھول بھال کر اس پیاری سی، کھلے کھلے چہرے پر بکھری ریشمی زلفوں والی لڑکی کو کئی لمحوں تک مسلسل دیکھتا رہ گیا۔

وہ گیٹ کے بالکل قریب کھڑی گاڑی کے شیشے پر جھکی ہوئی تھی اور اتنے قریب سے اسے دیکھ کر وہ گڑبڑا سا گیا تھا۔ وہ ڈرائیور کے چہرے پر پھیلے تاثرات پڑھتے ہوئے جلدی سے بولی۔

''ارے حیران مت ہوں۔ قسم سے، میں نجومی ٹائپ کی چیز نہیں ہوں، بس چہرہ شناس ہوں۔ اسی لیے اندازہ لگا لیا کیونکہ آپ کی مظلومیت اور بے بسی آپ کے چہرے سے ٹپک رہی ہے اور ایسے پتلے حالات یقیناً تنخواہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں تب ہی تو اندر کی جمع شدہ فرسٹریشن پارن پر دباؤ ڈال کر دوسروں میں منتقل کی جانے کی کوشش کی جاتی ہے۔''

وہ غیر موجود کالرز کو جھاڑتے ہوئے فخریہ انداز میں، اپنی ذہانت کی دھاک بٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی تو سکندر بخت ساری صورت حال کا اندازہ لگا کر بے ساختہ امنڈنے والی مسکراہٹ بمشکل ہونٹوں کے کونے میں چھپا چکا تھا۔

''گاڑی اندر لے آئیں۔ آپ کی مالکن صاحبہ ابھی آدھا گھنٹہ مزید بیٹھیں گی۔ ایک ہی وقت میں کھانے کے لوازمات سے انصاف اور سننے والوں کی سماعتوں سے ناانصافی ہو رہی ہے اندر۔'' وہ رکی اور پھر شروع ہو گئی۔ ''میرا بیٹا ایسا ہے..... میرا بیٹا ویسا ہے۔ یوں صفات گنوانے پر اب کوئی پوچھے کہ بی بی آپ کوئی گھٹیا قسم کا سرف بیچنے آئی ہیں یا رشتہ لینے؟'' وہ اندر واپس جاتے ہوئے جلے بھنے لہجے میں بولے جا رہی تھی۔

''بی بی جی! تھوڑا پانی مل جائے گا۔ بہت بھوک لگی ہے۔'' وہ گاڑی اندر لا کر کار پورچ میں کھڑی کر چکا تھا اور اب اس کے سامنے کھڑا پانی مانگ رہا تھا۔

کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑائی۔ ''یقیناً مالکن کی طرح
مکمل ٹھیک نہیں ہے یہ بے چارا بھی۔ ویسے.....
ہینڈسم تو ہے اس میں شک نہیں اور جب ڈرائیور ایسا
سوبر ہے تو بیٹا تو کمال ہی ہوگا۔'' سدا کی حسن پرست
تھی وہ، اسی لیے تو اس کی شان دار پرسنالٹی کو نظر
انداز نہ کر سکی اور اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

''ارے پانی مانگ رہے ہو اور بھوک لگی ہے؟
کیا مسئلہ ہے۔'' وہ پوچھنے لگی۔ ''جی بی بی! اصل میں
ہم غریب لوگوں کو بچپن سے یہ عادت ڈالی جاتی ہے
کہ جب بھوک لگے تب پانی سے پیٹ بھر لیا
کرو..... اور بیگم صاحبہ کے گھر نوکری کرتے ہوئے تو
یہ عادت اور بھی پکی ہو گئی ہے۔'' وہ بہترین اداکاری
کا مظاہرہ کرتے ہوئے اداس لہجے میں بولا تو وہ
ہمدردی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے کالے کپڑوں
پر کالا کوٹ پہن رکھا تھا اور بالوں پر جیل لگا کر پیچھے کی
طرف سیٹ کیے ہوئے تھے۔ کپڑوں سے تو بظاہر
بالکل نہیں لگ رہا تھا کہ غریب ڈرائیور ہے یا اس کے
حالات بہت برے ہیں۔

''ان کی چمک پر مت جائیں جی، یہ کپڑے
میرے نہیں بلکہ صاحب کے ہیں۔ وہ بہت اچھے
انسان ہیں لیکن اتنے بھی نہیں کہ اپنے نئے نئے
کپڑے مجھے دے دیں۔''

وہ اسے کپڑوں کی طرف متوجہ دیکھ کر جلدی
سے اپنی خوش لباسی کی وضاحت میں بولا تو وہ حیرانی
سے اسے تکنے لگی۔

''ماں کو دیکھ کر تو بالکل بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ
بیٹے صاحب سخی ہوں گے۔ لیکن یہ بتائیں کپڑے
کیوں دے دیے انہوں نے؟'' وہ تجسس نہ چھپا
سکی۔

سکندر بخت کچھ سوچتے ہوئے مسکین سی شکل
بنائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے
نروس نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا جس میں
کامیابی اس کے قدم چوم رہی تھی۔

آپ نے پوچھ لیا ہے تو مجھے جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں لگ رہا۔ اصل میں یہ سوٹ خاص طور پر اس وقت مجھے پہننے کے لیے دیا جاتا ہے جب بیگم صاحبہ صاحب کے لیے کہیں رشتہ دیکھنے جاتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح لڑکی والوں پر رعب پڑ سکتا ہے۔'' وہ دم بخود سی اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''توبہ توبہ۔ کیسے عجیب سے لوگ ہیں۔ یہ اچھا ہوا کہ ان آنٹی نے مجھے زیادہ پسند نہیں کیا ورنہ تو.....'' وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی تو اسے اپنی مسکراہٹ چھپانی مشکل ہوگئی۔

''شاید یہاں بھی وہی کہانی دہرائی جا رہی ہوگی؟'' وہ بڑبڑایا۔ ''سموسے کا سالن۔''

''ارے بیٹا! تم کچھ جلدی آگئے؟ مجھے تو نکلتے نکلتے بھی پانچ منٹ لگ ہی گئے۔''

وہ آنٹی کے اخلاق سے متاثر ہو ہی جاتی کہ ڈرائیور کو کیسے محبت سے بیٹا کہہ کر پکار رہی ہیں لیکن..... وہ چند لمحے پہلے ان کی اصلیت سے پردہ اٹھا چکا تھا۔ اس لیے وہ نظر انداز کر گئی کہ یہ بھی لڑکی والوں کو متاثر کرنے کی کوئی ادا ہی ہو سکتی ہے۔

''مسز انصاری! ان سے ملیے یہ میرا بیٹا سکندر بخت ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں تو مما نے اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار دیا۔

''ہیں.....؟ سکندر بخت..... مطلب یہ..... یہ ڈرائیور نہیں ہیں؟'' وہ ہونق سا چہرہ لیے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ منہ کچھ زیادہ ہی کھلا ہوا ہے اور آنٹی کی پوری نہیں لیکن آدھی توجہ اس کے منہ کی طرف ہی تھی یوں کہ جیسے ڈینٹسٹ مریض کے دانتوں کا معائنہ کرتا ہے یا بقرعید پر گاہک بکرے کے منہ کا۔

''دیکھ لیں مسز انصاری! میرا بیٹا کتنا ہینڈسم ہے۔ پہلی بار اسے دیکھ کر لڑکیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں۔'' وہ مغرور سے انداز میں پہلے شریر مسکراہٹ چھپاتے سکندر بخت اور پھر عینی کی طرف دیکھ کر بولیں تو وہ گڑبڑا سی گئی اور جلدی سے منہ بند بھی کر لیا اور بنا بھی لیا۔

''ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ..... بہت ہی پیارا بچہ ہے۔'' عینی نے دیکھا مما تو اس پر واری صدقے ہوئے جا رہی تھیں۔

اور سکندر بخت کن انکھیوں سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر لطف لے رہا تھا۔ لیکن سموسے کے سالن والا کانٹا ابھی سے اس کے حلق میں اٹک رہا تھا جو ماں نے فون کر کے ان کے حلق میں بھی اٹکانا ہے۔

☆☆☆

صوفیہ بیگم کو آج کل اپنے جوان، خوب صورت اور برسر روزگار بیٹے کے لیے ایک لڑکی کی تلاش تھی لیکن جیسی لڑکی کی تلاش انہیں تھی، وہ اس دنیا میں تو کیا امکانی آباد سیاروں پر بھی ملنی ناممکن تھی۔ اب تک جتنی دوسرے سیاروں کی نسوانی مخلوق انگریزی، اردو، لاطینی، فرانسیسی، روسی یا ترکش فلموں ڈراموں میں دکھائی گئی تھیں، اس میں تو دنیا نامی سیارے کی دوشیزائیں ہی خوب صورت نظر آتی ہیں۔ کہیں کرینہ، قطرینہ، نیلی پیلی جیسی حسینائیں نظر سے گزری نہیں تھیں۔ صوفیہ بیگم جہاں رشتے کے لیے جاتیں، لڑکی کی لائی ہوئی بھری ٹرالی خالی کرتے کرتے نمک حلال نہ کرتیں بلکہ بھرپور کوشش کرتیں کہ چند دنوں کے لیے تو جینا حرام کر جائیں اہل خانہ کا بھی اور لڑکی کا بھی۔

''بیٹا آنکھوں کا رنگ اصلی ہے نا؟ آج کل وہ رنگے ہوئے شیشے بھی لگتے ہیں نا۔ اچھی بھلی لڑکیاں نیلی سبز آنکھیں بنا کر لڑکوں کو دھوکا دیتی ہیں لیکن لڑکوں کی ماؤں کو دھوکا دینا آسان نہیں۔ اس لیے میں تو جہاں جاتی ہوں، لڑکی دیکھنے وہاں دد کے بجائے چار آنکھیں ساتھ لے جاتی ہوں اور آنکھوں کے بارے میں سوال بھی ضرور کرتی ہوں۔''

قدرے مختلف رنگ یا نیلی سبز براؤن آنکھوں والی لڑکیاں بے چاری ان کی مشکوک نظروں کا سامنا کرتے ہوئے خواہ مخواہ ہی قدرت کی دین کو اپنا

قصور سمجھتے ہوئے شرمندہ سی نظر آتیں۔

”ادھر آؤ بیٹی! ذرا یہ تو سچ سچ بتا دو کہ یہ سرخی اور سفیدی قدرتی ہے یا ان مردار انجکشنز کا کمال ہے؟“

وہ چشمے کا شیشہ منہ کی بھاپ سے چمکا کر بھی مشکوک ہی رہتیں۔

انہیں مارننگ شو دیکھ دیکھ کر کاسمیٹکس سرجری اور دیگر رنگت گوری کرنے والے انجکشنز کا بھی پتا چل چکا تھا لڑکی کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر انہیں چائے کے ہر ہر گھونٹ میں انجکشنز میں شامل دوائیوں کی بو آ رہی ہوتی۔

سامنے رکھی پلیٹ میں سے سموسے کے آلو نکالتے ہوئے۔ بانگ دہل فرماتیں۔

”مجھے تو سموسے کا صرف پاپڑ پسند ہے اور اب کیا بتاؤں سموسے کا پاپڑ کھا کر میں سارے آلو رشیدن مائی کو دے دیتی ہوں غریب ہے بے چاری ہمیں تو رات دن اچھے سے اچھا کھانے کو مل جاتا ہے چھوٹے گوشت کی کڑاہی روز بنتی ہے گھر میں۔ لیکن یہ غریب نوکر وغیرہ ان کو تو یہ سب دستیاب نہیں نا؟ ایک وقت کا سموسے کا سالن بن جاتا ہے۔“

آج بھی ان کی بات سن کر لڑکی کی ماں حیرانی سے اور لڑکی بے دھیانی سے انہیں گھورے جا رہی تھیں

”سموسے کا سالن“ بالآخر ان میں سے بے دھیانی والی کی تنبیہہ کے باوجود بھی حیرانی والی پوچھنے لگی۔

”ارے ہاں بہن اب آپ سے کیا پردہ اماں مرحومہ نے مجھے یہ ترکیب بتائی تھی اور وہ بڑی مہارت سے یہ سالن بناتی تھیں

وہ اس قدر جوش سے سنانے لگیں کہ بے دھیانی والی پورے دھیان سے انہیں دیکھنے لگی۔

”میں نے تو طے کر رکھا ہے بہو شکل و صورت کی آدھی بھی چل جائے گی لیکن سلیقے کی پوری ہو گی تب شادی کراؤں گی بیٹے کی۔۔۔ آپ کی نند کی بیٹی تکھنے گئی تھی رکھانا بنانا اور خاطر مدارت بہت کی لیکن

سلیقہ تو اسے چھو کر بھی نہیں گزرا۔۔۔ آپ کی نند بتا رہی تھی کہ ان کی بیٹی نے کوکنگ اور بیکنگ کے کئی کورس کر رکھے ہیں تو میں نے اس لڑکی سے صرف اتنا ہی پوچھا کہ ”بیٹا آپ کو سموسے کا سالن بنانا تو ضرور آتا ہو گا؟ تو وہ پہلے تو ہنسی پھر ہنستے ہنستے دہری ہو گئی اور پیٹ پکڑ کر مزید ہنسنے لگی۔ یوں کہ جیسے کسی سوکھے منہ اور لمبی ناک والے کامیڈین نے کوئی بہت اچھا لطیفہ سنایا ہو۔“ میں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اٹھ کر آ گئی اور جانتی ہیں میں ان کی بھابھی یعنی کہ آپ کے گھر ان کو جلانے کے لیے ہی آئی ہوں۔ ذرا فون کر کے ان سے یہ تو کہہ دیں کہ سموسے کے سالن والی آنٹی اپنے ہونہار بیٹے کا رشتہ لے کر آئی ہیں آپ کے گھر۔“

وہ اماں کے کان میں کہہ کر ایک سازشی مسکراہٹ چہرے پر سجا چکی تھیں۔ یہ مسکراہٹ اور اس میں سازش کی آمیزش انڈین سوپ دیکھ دیکھ کر ہی تو آئی تھی۔

لڑکی والوں کے کان میں سموسے کے سالن والا زہر انڈیل کر وہ اٹھ جاتیں۔

آنٹی جی اب بھی نہ اٹھتیں تو اٹھا دی جاتیں بسیار خوری کی وجہ سے اللہ اٹھا لیتا یا ذہنی کمزوری کی وجہ سے پاگل خانے والے۔“ اچھی بھلی لڑکی ان کی بات سن کر بڑبڑانے لگتی۔ ”لڑکے کو پہلے ماں کا علاج کروانا چاہیے پھر اپنی شادی کی فکر ہونی چاہیے کیسے بے درد ہوتے ہیں یہ بیٹے۔ ماؤں کو ایسے حال میں بھی گھر سے باہر جانے دیتے ہیں۔“

”ایک بات پوچھوں آنٹی؟“ آج والی لڑکی کو پوری امید تھی کہ وہ اسے پسند نہیں کریں گی اس لیے نا امید ہو کر اپنا دل اور دماغ ٹھنڈا کرنے کے لیے سارے کے سارے پھپھولے پھوڑنا چاہ رہی تھی

”ہاں ہاں بولو بیٹی؟“ وہ حاتم طائی کی قبر کو لات مارتے یوں بولیں جیسے کوئی قیمتی چیز اسے دے کر کہہ رہی ہوں۔ ہاں ہاں لے لو بیٹی! تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کیسی سخی آنٹی سے واسطہ پڑا ہے

''آپ کے ابا سموسے بیچتے تھے نا؟'' وہ بڑی معصومیت سے پوچھ کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ لیکن نظروں میں معصومیت نہیں طنز بھرا تھا

''ہاں ہاں شیر پاؤ اسپتال کے سامنے ہی سموسے بیچتے تھے دور دور سے ان کے سموسوں کی شہرت سن کر لوگ آتے تھے۔'' وہ بے خیالی میں کہہ کر پچھتاوے کا شکار ہو چکی تھیں۔ یہ بات تو کبھی خود سے بھی کھل کر نہیں کی تھی انہوں نے۔ ہائے۔ رشتے کی منتظر بیٹھی لڑکی کے سامنے یہ کیا کہہ دیا میں نے؟ وہ بے اختیاری میں باقاعدہ ہاتھ مل رہی تھیں۔

''یقیناً جو سموسے کا مسالا بچ جاتا ہوگا وہ آپ کی اماں سلیقے سے سالن میں ڈھال کر آپ لوگوں کو کھلا دیتی ہوں گی ہے نا؟''

وہ عجیب کشمکش کا شکار تھیں سر اثبات میں ہل رہا تھا جبکہ زباں سے نہیں نہیں کہہ رہی تھیں۔

''تو آنٹی یہ بتائیں کے یہ ریسپی کہاں سے سیکھی آپ نے۔ مجھے چار پانچ ممالک کے کھانے بنانے آتے ہیں لیکن میں نے تو آج تک اس ڈش کا نام بھی نہیں سنا تھا؟''

وہ اس سوال پر فخریہ انداز میں بنا سوچے سمجھے پھر سے بول پڑیں لہجہ انتہائی پرجوش تھا

''ارے بیٹی ہمارے وقتوں میں یہ مسالا چینل ہم اور تم وغیرہ کچھ بھی نہیں تھے۔ اللہ بخشے اماں مرحومہ کو انہیں سارے خاندان والے سموسہ ماسٹر کہتے تھے۔ ایسا مصالحہ بناتیں کہ خریدنے والے انگلیاں چاٹتے رہ ہ ہ.....رہ.....'' وہ فقرہ درمیان میں چھوڑ کر یکدم یوں چپ ہو گئیں جیسے تیز رفتار گاڑی کی اسپیڈ اچانک بریکر پر پیر رکھ کر کم کر دی جاتی ہے۔

''چلیں امی! یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ اس بڑے آفیسر لڑکے کی نانی سموسے بناتی تھیں اور نانا بیچا کرتے تھے'' لڑکی نے ماں کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاں ہاں تم اس دلاور کم بخت کی خاطر ہر رشتے میں کوئی خرابی ضرور نکالتی ہو۔ اب اس کے دادا مرحوم کا پیشہ بھی تو معلوم کرو نا، ہو سکتا ہے وہ آلو چھولے کی ریڑھی لگاتے ہوں۔'' ماں نے بظاہر مسکرا مسکرا کر ماؤں والے مخصوص طریقے سے یوں یہ بات کی جیسے وہ کوئی بہت اچھی بات کر رہی ہوں بیٹی کے ساتھ۔

''امی میرا مطلب یہ نہیں ہے شادی بیاہ تو قسمت کا کھیل ہے اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔''

صوفیہ بیگم کا منہ بگڑا ماں بیٹی کی مسلسل کھسر پھسر سن کر۔

''اے بہن کیا یہ پڑوسن یا کسی رشتے دار کی بچی ہے؟ اپنی ہی ہے نا تو پھر میں چلی جاؤں تو اطمینان سے ماں بیٹی دکھ سکھ کرتی رہنا دل کے پھپھولے پھوڑنے اسی وقت ضروری ہیں کیا؟''

وہ انہیں گھور کر دیکھنے لگیں۔

''ہونہہ۔ جو بھی ہیں دلاور کی طرح نائی تو نہیں ہیں۔'' لڑکی کی ماں بڑبڑاتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

بیٹی کو شہر کا بہت بڑا ہیر ڈریسر پسند تھا جو اچھی خاصی تعلیم کے بعد بھی اپنے باپ دادا کا خاندانی بزنس سنبھال رہا تھا شہر میں کئی بڑی بڑی دکانیں تھیں ان کی اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ تھے لیکن والدین کی ضد کہ ہم خاندان سے باہر رشتہ دیں گے لوگ ضرور یہ کہیں گے کہ خاندان سے نکلے تھے تو برا کے لوگوں میں تو رشتہ کرتے ایک خاندانی نائی کو بیٹی دے دی۔

بیٹی مسلسل دلاور کا بتایا ہوا وظیفہ منہ ہی منہ میں پڑھتے ہوئے چپکے سے صوفیہ بیگم پر پھونک رہی تھیں جس سے ان کی آنکھیں بار بار بوجھل سی ہو رہی تھیں اور وہ منہ کھولنے اور بند کرنے کے کھیل سے اکتا سی گئی تھیں۔

☆☆☆

اکلوتا بیٹا اور وہ بھی بڑا آفیسر۔ مال و دولت کی کمی نہیں تھی۔ نہ ہی گھر بار ایسا تھا کہ دیکھنے والے اس

میں کوئی خرابی نکال سکتے۔ بلکہ جو بھی شہر کے مہنگے علاقے میں واقع ان کے خوب صورت بنگلے کو دیکھتا متاثر ہوئے بنا نہ رہتا۔ اوپر سے ان کے بیٹے سکندر بخت کی شخصیت اتنی خوب صورت تھی کہ اگلا اس کے رکھ رکھاؤ نفاست پسندی بذلہ سنجی اور جامہ زیبی سے تو بعد میں متاثر ہوتا اس سے پہلے سکندر بخت کی فراخ پیشانی، کندنی رنگت اور دراز قد پر فدا ہو جاتا تھا۔ ایسے آئیڈیل لڑکے کے لیے بھلا لڑکیوں کی اس معاشرے میں کیا کمی ہو سکتی تھی جہاں ہر ماں کے تصور میں بنائی گئی داماد کے لیے آئیڈیل تصویر کے فریم میں وہ فٹ آتا تھا۔

''دلہن میری پسند کی ہوگی بس یہ میں نے کہہ دیا ہے۔''

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ابھی وہ میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہی ہوا تھا کہ..... امی ابا کی یہ بحث چھڑ گئی تھی۔

''صوفیہ بیگم اتنی ظالم تو مت بنو میرا ابھی تو ایک ہی بیٹا ہے میرے دل میں بھی اس کے لیے بہت سارے ارمان ہیں تم میرے ارمانوں کو آگ لگا کر کیسے اپنی خوشی پوری کر سکو گی؟''

''جیسے ساری عمر کرتی آئی ہوں۔'' میاں صاحب ششدر سے اس اعتراف کے بعد یہ سوچتے رہے کہ اس پر خوش ہونا چاہیے یا اس عہد کے پیچھے چھپے ازلی غم پر افسردگی بنتی ہے؟

''پاکستانی قوم کے پاس دوسرا کوئی موضوع ہی نہیں بچا۔ ٹی وی پر ہر ڈرامے میں یہ ہی کہانی، فلموں میں یہ ہی موضوع، اخبارات کی سرخیوں میں یہ ہی قصہ حقیقی زندگی میں تو بخش دیں اس موضوع کو۔'' سکندر بخت ان کی ہر وقت کی لڑائی سے تنگ آ گیا تھا۔ ''جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔''

وہ دونوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا اور اکثر یہ بھی سوچنے لگتا کہ ایک ماں کی پسند کی دلہن لے آتا ہوں اور دوسری باپ کی پسند کی لیکن اس نکتے پر آ کر وہ اس سوچ سے ہی جان چھڑا لیتا۔

''اچھا چلیں آپ دونوں کی پسند کو ملا کر جو بنے گا میں اسے ہی شرف قبولیت بخشوں گا اب ٹھیک ہے؟'' وہ دونوں راضی ہو گئے تھے اور دونوں کو راضی رکھنا کتنا مشکل کام تھا یہ تو ان کا اکلوتا بیٹا ہی جانتا تھا۔

اب وہ ٹائم آ گیا تھا جب سنجیدگی سے رشتے دیکھے جا رہے تھے

''میرے ایک دوست کی کزن ہیں اکنامکس میں ماسٹر کیا ہے بقول اس کے بہت اچھی لڑکی ہے ہر لحاظ سے۔'' سکندر نے سرسری انداز میں کہا تو دوسرے دن جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔

''امی ہاتھ ذرا ہولا رکھیے گا۔ دوست کی بہن ہے کہیں مجھے اس کے سامنے شرمندہ ہی نہ ہونا پڑ جائے۔'' وہ انہیں سمجھا رہا تھا صوفیہ بیگم نے کندھے انگریزوں کے اسٹائل میں اچکاتے ہوئے مغرورانہ سے انداز میں بیٹے کی طرف دیکھا۔

''میری شرطوں پر پوری اتری تو میں بات پکی کر کے ہی آؤں گی۔'' وہ اطمینان سے بولیں تو سکندر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''پہلے اپنے باپ کی شرائط سنو پھر میری بھی سن لینا۔''

وہ اب مڑ کر سوالیہ نظروں سے باپ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''بیٹا! میری تو بس دو تین ڈیمانڈز ہیں۔ لڑکی خوب صورت ہو۔ خاندان اور حسب نسب مثالی ہو۔ مالی طور پر مستحکم خاندان ہو۔ اچھے کردار اور تمیز طریقے والی ہو۔ کم عمر ہو تو بہت اچھی بات ہوگی۔ تعلیم ایسی ہو کہ فخر سے خاندان والوں کو بتا سکوں کہ میری بہو نے فلاں ڈگری لی ہوئی ہے۔'' یہ اس کے ابا کی لسٹ تھی۔

''آپ بھی بتا دیں امی!'' وہ باپ کی بتائی ہوئی ڈیمانڈز سے پرامید تھا کہ یہ سب ملنا مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ لیکن ماں کی بات سن کر بے اختیار اپنا سر پیٹنے کو جی چاہنے لگا تھا۔

''تمہارے ابا کی بتائی گئی ساری خوبیوں کے

ساتھ ایک چھوٹی سی خوبی اس میں سلیقہ مندی کی ہونی چاہیے۔۔ میں نے لڑکی سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ بیٹی تمہیں سموسے کا سالن بنانا آتا ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہوا تو میری طرف سے وہ سو فیصد نمبروں سے پاس ہو جائے گی۔"

صوفیہ بیگم کا انداز حتمی تھا

"پھر ہو چکی میری شادی۔ امید ہے مزید دس سال کنوارا رہنا پڑے گا اور پھر اس کے بعد تو کسی لڑکی سے نہیں آنٹی سے ہی شادی ہو سکے گی۔" وہ لب کشائی کی ہمت نہ رکھتے ہوئے بھی کچھ ہمت کر ہی رہا تھا لیکن اس کی بڑبڑاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ بال سنوارنے میں مگن تھیں۔

"دیکھیے امی! آپ کو ایسی لڑکی کبھی نہیں مل سکتی جو ایسا بے وقوفانہ کام کر سکتی ہو۔ خواہ مخواہ لوگوں کو خود پر نہ ہنسائیں۔"

"اچھا چپ ہو جاؤ۔ یہ سب تمہارے کرنے کی باتیں نہیں ہیں نہ ہی تم کوئی فکر کرو ہیرے جیسی لڑکی لاؤں گی۔"

"اور پھر اس ہیرے کو پھانک کر مر جاؤں گا" وہ پھر بڑبڑایا۔

"خدا نہ کرے تیرے دشمن مریں۔"

وہ اسے گھورنے کے ساتھ تبت سنو کریم بھی چہرے پر لگا رہی تھیں۔ جس پر برسوں سے بھروسا تھا انہیں..... کیونکہ یہ کریم لگا کر ہی تو وہ اپنی مرحومہ ساس کے سامنے آئی تھیں اور انہوں نے پہلی نظر میں ہی پسند کیا بلکہ ماتھا چوم کر کھلی کھلی رنگت کی تعریف بھی کی تھی۔

"آپ نے میڈیسن لی ہے؟" اس کے سوال پر ماں نے یوں سر ہلایا جیسے اعتراف جرم کر رہی ہوں۔

"آپ کے انداز سے لگ رہا ہے کہ دوا نہیں لی۔"

وہ ان کی سائیڈ ٹیبل پر سے گولیوں کا پیکٹ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ "کل سات گولیاں کھائی ہوئی تھیں آج۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آٹھویں گولی نہ ہوتی اس پیکٹ میں۔" اس کی سرزنش پر انہیں غصہ آ گیا۔

"کیا کروں؟ گولی کھاتے ہی نیند پورے وجود کو بوجھل سا کر دیتی ہے۔ پھر خود کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ کہاں پڑی ہوں۔" وہ بادل ناخواستہ اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس اور گولی لے کر فریادی لہجے میں بولیں تو وہ مسکرا دیا۔

"زندگی کی تھکن اتار دیتی ہیں یہ دوائیں۔ آپ کو آرام اور سکون کی ضرورت ہے اسی لیے تو یہ میڈیسن دی ہیں ڈاکٹر نے۔"

وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ سے تبت سنو کریم کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں جو ان کے حسن کا سنگار تھی۔۔

☆☆☆

صوفیہ بیگم نے انتہائی غربت میں بچپن گزارا تھا چار بہن بھائی اور غریب مزدور باپ جو دن بھر سموسے بیچتا اور شام کو آٹا دال لے کر گھر آتا۔

اماں بڑی ٹرے بھر کر سموسے بناتیں اور وہ مٹی کے تیل کے چولہے پر سموسے تل کر گاہک کو گرم گرم کھلاتے۔ پہلے پہل تو گاہک کم ہوتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان کے سموسوں کی لذت کا چرچا ہونے لگا اور لوگوں کا جمگھٹا ان کے گرد رہنے لگا تھا۔ ان کی مشہوری سے ہی کچھ دوسرے لوگوں نے بھی یہ کام شروع کر دیا تھا لیکن جلال الدین بھائی نے تو بالکل ہی قریب یہ کام شروع کر دیا تھا اور انہوں نے جب سے سموسے بیچنے شروع کر دیے تھے کام کچھ خراب ہونے لگا تھا۔ اسی لیے اب عموماً دس بارہ سموسے روزانہ بچ جاتے تو اس کی سلیقہ منداماں بغیر دودھ کی چائے بنا کر کھانے کے ٹائم انہیں بچے ہوئے سموسے تل دیتی تھیں۔ لیکن سموسہ ان میں کسی کو بھی پسند نہیں تھا بمشکل منہ بنا کر وہ لوگ کالی سیاہ چائے کے گھونٹ بھر بھر کر سموسہ حلق سے نیچے اتارا کرتے تھے۔

ایک دن بچے ہوئے سموسوں کو سب نے ہی کھانے سے انکار کر دیا تب ماں سوچ میں پڑ گئیں کہ

اب کیا کریں۔ باپ کی طبیعت خراب تھی انہیں
ٹیسٹ لکھ دیے تھے ڈاکٹر نے..... لیکن بہت مہنگے
ٹیسٹ تھے۔

لازمی بات ہے کہ روزمرہ کے اخراجات میں
سے ہی کچھ بچا کر انہوں نے بچت کرنی تھی سو بہت
غور وفکر کے بعد انہوں نے ایک ترکیب سوچی اور
بچوں سے کہا۔

''میں تم لوگوں کے لیے آلو کے پراٹھے بنا کر
لاتی ہوں املی کی چٹنی کے ساتھ۔''

تب ہی انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا
کہ..... ''ہمیں روٹی اور سالن چاہیے جیسا سب لوگ
کھاتے ہیں۔ گڈی کی اماں کبھی آلو کی بھجیا بناتی ہیں
کبھی مسور کی دال کا سالن ایک دن تو انہوں نے
مرغی کے پیروں کا شوربہ بنایا تھا۔ میں نے گڈی سے
پوچھا کہ آج کیا کھایا ہے تو جھٹ سے بولی مرغی کے
پائے۔''

وہ چپ چاپ سن رہی تھیں۔

''اماں کیا ہم کبھی بھی روٹی سالن نہیں کھا سکیں
گے؟''

یہ ننھی صوفیہ تھی جسے سالن اور روٹی پسند تھی۔
ماں کا دل کٹ گیا، حالات کی خرابی ساتھ میں شوہر کی
بیماری اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ۔ سبزی
گوشت یا راشن آتا تو کاروبار خراب ہونے کا خدشہ
رہتا سموسوں کے لیے آٹا مسالا اور سبزی وغیرہ آتی تو
اس سے گھر کا کرایہ دودھ اور بجلی و گیس کا بل پورا
ہو جاتا

''خدایا بچوں کی ماں کو یوں غریب نہ کیا ہوتا۔
دل درد سے پھٹنے لگتا ہے جب بچے کھانا مانگیں اور
والدین کی استطاعت نہ ہو۔'' وہ آنسوؤں کے
گولے کو بمشکل نگلتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔

انہوں نے چند لمحے سوچا اور بے بسی سے کچے
سموسے کھولنے شروع کیے آٹے کے چھوٹے
چھوٹے پیڑے بنا کر چپاتیاں بنائیں اور ایک

ڈال کر تھوڑا پانی ڈالا ایک جوش دے کر اوپر سے سبز
مرچوں کا تڑکہ لگایا اور ذرا سی املی کی چٹنی بھی مکس کر
دی۔

جب شوربے والا سالن اور روٹی بچوں کے
سامنے رکھ کر انہیں کھانے کا کہا تو سب خوشی سے
کھانے لگے اور صوفیہ نے تو ایسے شوق سے کھایا کہ
انگلیاں بھی چاٹتی رہی۔

میاں نے ستائشی نظروں سے انہیں دیکھ کر
سوچا۔ اللہ نے کتنا سلیقہ دے رکھا ہے اس عورت کو۔
اس کے ہاتھ کے بنے سموسوں کی تعریف کرتے لوگ
تھکتے نہیں اور جہاں ضرورت پڑتی ہے یہ میرے
ساتھ کھڑی ہو کر میری مشکلوں کو آسانیوں میں
بدلنے کے لیے اپنا سکھ چین بھول جاتی ہے۔

بیوی نے شوہر کی نظریں پڑھ لی تھیں ایک اسی
زبان پر تو عبور حاصل ہوتا ہے بیوی کو۔۔ اسی لیے
اب شرمیلی سی مسکان لبوں پر سجائے نظریں جھکا لی
تھیں

☆☆☆

سکندر بخت ماں کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کے
قصے دلچسپی سن رہا تھا۔ اس کا چھٹی کا دن مکمل والدین
کے نام ہوتا تھا

''امی جب نانا ابو کا انتقال ہوا تھا تب بہت
ساری مشکلات میں گھری نانو نے کیسے آپ سب کو
پالا پوسا اور تعلیم بھی دلوائی؟'' وہ جانتا تھا اس موضوع
پر وہ بات کرنا چاہتی ہیں اور کئی دفعہ کی سنی باتیں بھی
اسے سنا کر انہیں سکون ملتا ہے اسی لیے وہ یہ موضوع
چھیڑ دیتا تھا۔ جن ماہر نفسیات کے پاس وہ انہیں لے
جاتا تھا ان کی بار بار یہ ہی ایڈوائز ہوتی کہ ان کے
ساتھ اسی زندگی کی باتیں کی جائیں جس نے ان کے
لاشعور کو بہت متاثر کیا ہے لیکن وہ اسے سوسائٹی سے
چھپا کر رکھنا چاہتی ہیں..... اور یہ ہی گھٹن انہیں
نفسیاتی مسائل سے دوچار کر رہی ہے۔

''جب ابا کے ٹیسٹ کا رزلٹ آیا تو انکشاف

دیکھ کر ہم سوچتے تھے کہ بیمار تو ابا ہیں لیکن درد اماں کو کیوں ہو رہا ہے؟ لیکن جلد ہی جب نوبت فاقوں تک پہنچ گئی تب ہمیں احساس ہوا کہ اماں کو آنے والے وقت کے خدشات رلا رہے تھے۔''

ان کی آواز میں اتنی اداسی تھی کہ سکندر بخت کا جی چاہا ماضی کی تکلیفوں سے بچانے کے لیے وہ ان کی اس یادداشت کو ختم ہی کر دے جس میں انہوں نے بہت کچھ سہا تھا اور اچھی اچھی یادیں ان کے ذہن میں رہنے دے جو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کا باعث بنتی رہیں کیونکہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ماں باپ جب روتے ہیں تو سب سے زیادہ تکلف اولاد کو ہی ہوتی ہے۔

''جس دن ابا فوت ہوئے اسی دن بڑے چچا نے سب کے سامنے کہا کہ میں عدت کے بعد بھابھی سے دوسری شادی کروں گا اور ان کا سہارا بنوں گا۔'' سکندر دیکھ رہا تھا کہ وہ بڑی تکلیف سے بتا رہی تھیں۔

''تو پھر کیوں نہ کی شادی؟'' وہ جواب سے آگاہ تھا پھر بھی پوچھ لیا۔

''چچا کو امی اپنے باپ جیسا احترام دیتی تھیں خود سوچو کہ اس عورت پر کیا گزر رہی ہوگی جس کا وہ رشتہ اٹھ کر نکاح کی بات کر رہا تھا جس سے وہ اپنا باپ سمجھتی تھیں؟ چچا کے اپنے چار جوان بچے تھے۔ چونکہ چاچی جب اس سارے معاملے سے آگاہ ہوئیں تو انہوں نے امی کا جینا ہر طرف سے حرام کر دیا۔ چچا غصے کی بہت تیز تھے اس لیے چاچی ان کے ساتھ لڑ جھگڑ نہیں سکتی تھیں لیکن امی تو بہت کمزور تھیں سب سنتی رہیں اور ایک فیصلہ کر کے ہم سب کی زندگیاں برباد ہونے سے بچا لیں اور وہ فیصلہ تھا سموسے بنا کر بیچنے کا..... جب نوبت فاقوں تک آ گئی تو اماں نے ایک پڑوسن سے کچھ پیسے قرض لیے اور آٹا آلو گھی وغیرہ لے کر آ گئیں۔ بھائی اسکول سے آ کر ریڑھی لگاتا اور میں لوگوں کو چٹنی لفافے میں آ کر لرزنے لگتی تھی۔

''میری ماں واقعی بہت بہادر خاتون تھیں۔ ان کے جیسا آج تک کوئی نہیں دیکھا۔'' وہ بھیگے لہجے میں یہ کہہ کر چپ ہو گئیں۔

''میں نے تو دیکھا ہے۔'' وہ پیار سے ان کے کندھے پر سر رکھ کر بولا۔

''کون؟'' وہ جواب پہلے سے جانتی تھیں لیکن بیٹے کے منہ سے ایک بار سننا چاہتی تھیں۔

''بہادر تو میری ماں بھی بہت تھیں۔ بلکہ تھیں کیا ابھی بھی بہت بہادر ہیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ بیمار ہیں لیکن وہ خود کو بیمار نہیں سمجھتیں بلکہ جو انہیں بیمار کہتا ہے اسے بیمار سمجھتی ہیں۔ ڈاکٹر ملک کہتے ہیں مجھے تو ان خاتون پر حیرانی ہوتی ہے جب بھی تمہاری امی آتی ہیں کبھی کہتی ہیں آپ کی رنگت زردی مائل ہے کبھی کہتی ہیں آپ کا وزن بہت بڑھ گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ آپ کے جانے کے دو چار دن بعد تک شدید تشویش میں مبتلا ہو کر ٹیسٹ وغیرہ کراتے ہیں تبھی تسلی ہوتی ہے ان کی۔'' وہ مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں بات بدل چکا تھا۔

''جانتے ہو اماں نے ہمیں ایک سال تک روزانہ رات کو بچے ہوئے سموسوں کا سالن اور روٹی کھلائی تھی کیونکہ عصر کے وقت سے ریڑھی لگتی اور عشا تک جو سامان بکتا اس کے علاوہ ہمارے گھر میں کچھ نہیں ہوتا تھا کھانے پینے کا لیکن ہر روز سموسوں کے سالن کا ذائقہ الگ ہوتا تھا کبھی میتھی کا ذائقہ کبھی املی کا۔ کبھی اچاری سالن تو کبھی سبز دھنیے والی آلو کی بھجیا۔'' ان کے انداز میں گہرا دکھ بھی تھا اور فخر بھی

''مجھے باقی کی کہانی یاد ہے۔'' اس کی بات سن کر صوفیہ بیگم نے اک آہ بھری۔

''کاش یہ حقیقت نہ ہوتی بلکہ ایک کہانی ہی ہوتی۔''

''کچھ حقیقتیں بالکل کہانیوں جیسی ہوتی ہیں ان میں سبق ضرور ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی بھی ہمارے

اظہار کیا ہے اپنے رب کے سامنے۔'' سکندر کی بات سن کر وہ مسکرا دیں

''بڑے بھیا نے پڑھائی چھوڑ دی اور باقی بہن بھائیوں کے لیے اپنی خواہشات کی قربانی دے دی سب پڑھتے رہے اور کسی نہ کسی مقام پر پہنچ ہی گئے۔

پھر تمہارے ابا میری زندگی میں آئے اور.....''

''اور پھر آپ نے اس کا جینا حرام کر دیا۔'' پیچھے سے ابا نے جملہ مکمل کیا جس پر وہ انہیں گھورنے لگیں۔

''مجھے تو کبھی نہ کھلایا یہ سموسے کا سالن۔'' ابا نے شکوہ کیا تو وہ گہرے اور شکر گزار لہجے میں بولیں۔

''آپ کے گھر سبزی گوشت دال چاول سبھی کچھ تو موجود ہوتا ہے پھر کیوں بناتی یہ سالن؟ اللہ کا شکر ہے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔''

وہ جواب میں بہت کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن سکندر بخت نے آنکھوں کے اشارے سے انہیں کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

''آؤ' تھوڑی سی واک کر لیتے ہیں بیٹا۔'' وہ بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھے باہر نکل گئے۔

صوفیہ بیگم ذہن پر طاری غنودگی سے تنگ تھیں اسی لیے واش روم جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگیں۔ انہیں آج کل بار بار ہاتھ منہ دھونے کے بعد بھی بے چینی سی رہتی کبھی وضو کر کے ایسا لگتا کہ کچھ کمی سی رہ گئی ہے دوبارہ وضو کر کے آتیں تو شک ہوتا کہ پاؤں نہیں دھوئے ہیں پاؤں دھو کر کمرے میں آتیں تو پھر بھی سکون نہ ملتا۔ پوری نماز پڑھ کر بھی لگتا ابھی کچھ رہ گیا ہے۔ نیت کرتیں ساری رکعتیں پڑھ کر بھی لگتا کچھ رہ گیا ہے۔ دروازوں کے تالے بار بار چیک کرتیں۔ کبھی لگتا کچن کا چولہا نوکرانی نے جلا ہوا چھوڑ دیا ہے۔ آدھی رات کو اٹھ کر چیک کرتیں تو نیند آتی ورنہ بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے رات گزرتی تھی۔

کر رہا تھا کہ ان کی اوسی ڈی بڑھتی جا رہی ہے کم ہونے کے بجائے اور اس کے پیچھے چھپی وجہ سے وہ مکمل انجان تھا لیکن انجان رہنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

''تم نے مجھے اپنی ماں سے پوچھنے کیوں نہیں دیا کہ اگر انہیں کسی چیز کی کمی نہیں تھی اور شوہر کے گھر میں کبھی سموسے کا سالن بنانے کی نوبت نہ آئی تو پھر ہمارے بیٹے کی زندگی میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی اس چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ پھر کیوں ذہن میں اسی چیز کو لے کر بہو ڈھونڈ رہی ہیں؟''

وہ خوبصورت لان میں چہل قدمی کرتے حسین پھولوں کی تازگی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس سے پوچھ رہے تھے۔

''ابو جی! میں یہ ہی سمجھانے کے لیے آپ کو باہر لے آیا ہوں کہ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ میری ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے انہیں ان کی بیماری بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے وہ کہہ رہے تھے میڈیسن ان پر اثر ہی نہیں کر رہی۔۔ ان کے لاشعور میں چھپے کچھ ایسے حالات ہیں جو ان کے شعور کو بھی ڈسٹرب کر رہے ہیں شاید انہیں عدم تحفظ کا احساس بے چین کیے ہوئے ہے۔'' اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

ابا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خاموش تسلی دی۔

''مجھے حیرانی اس بات پر ہے کہ تم جیسے فرماں بردار اور حساس بیٹے کے ہوتے ہوئے یہ ماں کیوں عدم تحفظ کا شکار ہے ـــ اگر ہمیشہ سے ایسا تھا تو پھر ان کی جوانی کیوں صحت مندانہ انداز میں گزری؟''

وہ یہ سوال ڈاکٹر سے بھی کر چکا تھا جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے سمجھایا تھا کہ دیگر جسمانی بیماریوں کی طرح ذہنی بیماریاں بھی عمر کے ساتھ بڑھتی جاتی ہیں جیسے جیسے انسان کے اندر سے قوت مدافعت کم ہونے لگتی ہے اور شوگر بلڈ پریشر وغیرہ کے ساتھ ہڈیوں جوڑوں کی بیماریاں حملہ آور

رہتے ہیں انسانی دماغ میں۔

''یار یہ پھول ان دنوں بہت بڑی ترقی کر رہے ہیں رات کو پودے کی ٹہنی پر ایک کلی ہوتی ہے تو صبح ہوتے ہی پوری شاخ پھولوں سے بھری ہوتی ہے۔ آج تو مالی بابا سے پوچھنا ہی پڑے گا کہ وہ ان پودوں کو ایسا کیا ڈال رہے ہیں جو دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے؟''

مالی سامنے سے آتا نظر آیا تو دونوں کے سوال پر پہلے تو وہ کچھ جھجک سا گیا لیکن جب اصرار کیا گیا تب اس نے انکشاف کیا کہ بیگم صاحبہ روز کچھ ڈالتی ہیں ان پودوں کو۔

''ہیں صوفیہ بیگم؟'' وہ حیران تھے

''صاحب میرا نام نہیں لینا انہوں نے مجھے سختی سے منع کیا ہوا ہے کہ کسی کے سامنے یہ ذکر نہ کروں لیکن اب آپ لوگوں کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔'' غریب آدمی ان کے مزاج کی سختی سے ڈرتا تھا۔

دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کی طرف پرسوچ انداز میں میں دیکھ رہے تھے۔

''کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ رہا ہوں؟''

اس کے سوال پر وہ بولے کچھ نہیں بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

''تو یہ تھا آپ پر دواؤں کے اثر نہ کرنے کا راز؟''

وہ ان پر نظر رکھے ہوئے تھا جیسے ہی وہ ہاتھ میں کچھ پکڑ کر لان میں پہنچیں وہ ان کے سر پر پہنچ گیا گملے کی مٹی میں کچھ دباتے ہوئے ان کا ہاتھ اس کی آواز سن کر رک گیا۔

''تو کیا کروں اتنی مہنگی دوائی ڈسٹ بن میں تو نہیں گرا سکتی۔ سوچا پودے بھی جان دار ہوتے ہیں پھینکنے سے اچھا ہے کہ ان کو کھلا دیا کروں یوں ان پر بھی خزاں جلدی نہیں آئے گی۔'' وہ بڑی معصومیت سے بتا رہی تھیں۔ سکندر کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے بال نوچ لے۔

''آپ کو پتا ہے کہ میں اور ڈاکٹر صاحب اس بات کو لے کر کتنے پریشان تھے کہ آپ پر دوائیں بالکل اثر ہی نہیں کر رہیں؟''

وہ اپنے ہاتھوں سے مٹی صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''یقین کرو مجھے کچھ بھی نہیں ہوا میں ذہنی طور پر بالکل ٹھیک ہوں..... بس میری بیماری کا ایک ہی علاج ہے کہ مجھے اپنی بہو مل جائے..... پھر میں تمہاری طرف سے بالکل بے فکر ہو کر عمرے کے لیے جاؤں گی۔''

ان کی بات سن کر وہ بیزاری سے بولا۔

''کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں میں سموسے کے سالن والی..... اور آپ نے اس کی اس خوبی کا استعمال کہاں کرنا ہے..... کیا ڈھابا کھول کر دیں گی اس کو؟''

اس کی بات پر وہ سہم سی گئیں۔

''اللہ نہ کرے کہ ایسی نوبت ہم پر پھر کبھی آئے۔..... مجھے تو وہ اذیت ناک دن اب بھی ڈرا دیتے ہیں۔''

انہیں یاد تھا وہ چٹنی لینے کے بہانے مردوں اور لڑکوں کا جان بوجھ کر ان کے ہاتھ کو نچ کرنا کتنا برا لگتا تھا لیکن دل ہی دل میں جل کٹ کر وہ پھر سے بھائی کے ساتھ کھڑی ہو جاتی تھیں کیونکہ اگر ماں سے ذکر کرتیں تو ان کو دکھی ہی ہونا تھا اور وہ کسی کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھیں خاص طور پر ماں کو تو بالکل بھی نہیں۔

''ٹھیک ہے آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ دوائیں ٹائم پر کھائیں گی تب میں بھی آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ ایک ہفتے کے اندر آپ کو سموسے کے سالن والی ڈھونڈ کر لا دوں گا۔''

کئی دنوں سے ایسا ہو رہا تھا کہ سکندر کی آنکھوں کے سامنے سے کھلے کھلے سے چہرے والی وہ لڑکی ہٹ ہی نہیں رہی تھی جو ڈرائیور سمجھ کر اس سے

بات کر رہی تھی۔ وہ جیسے ہی آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرتا چھم سے وہ آنکھوں کے دریچوں سے جھانکنے لگتی

عجیب سی حالت ہو رہی تھی اس کی۔ شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگتا تب اسے اپنا آپ دکھائی نہ دیتا بلکہ وہی لڑکی آئینے میں بھی نظر آتی۔

☆☆☆

اس دن سکندر کے جگری دوست کی منگنی کی تقریب تھی۔ شایان اس کے دوستوں میں سے آخری رہ گیا تھا جو شادی شدہ یا منگنی شدہ نہیں تھا باقی سب تو اپنی بیویوں کو پیارے ہو چکے تھے۔

"دیکھ یار! تم نے ٹائم پر آنا ہے باقی ساروں کو تو بیویوں کی طرف سے جس وقت اجازت ملے گی اسی وقت آئیں گے۔ بس ایک تم ہی ہو جو ابھی تک بھابھی کو پیارے نہیں ہوئے۔ ہو سکتا ہے اسی تقریب میں کوئی پیاری سی لڑکی بھی پسند آ جائے۔"

وہ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے سوچنے لگا پسند تو پہلے سے ہی ایک دل و جان سے آئی ہوئی ہے۔"

مخلوط فنکشن تھا سبھی قریبی عزیز تھے اسی لیے خواتین و حضرات اکٹھے ہال میں بیٹھے ہوئے تھے

"خدا کے لیے یہاں تو پیچھا چھوڑ دو میرا۔"

سنہری زلفوں کے ریشم کو سنبھالنے کی کوشش میں کبھی وہ گھاگھرا سنبھالتی کبھی چھوٹی سی چولی کو کھینچ کر نیچے کرنے لگتی اسی افراتفری میں وہ اس کے ساتھ والی خالی کرسی پر آ کر بیٹھ چکی تھی۔

"ارے ارے...... یہ کیا بدتمیزی ہے۔ لگتا ہے آپ کو لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز بالکل نہیں ہے یہ کرسی آپ اپنے گھر سے لے کر تو نہیں آئے ہوں گے نا؟" ڈِم لائٹس میں شاید وہ اسے پہچان نہ پائی تھی۔

"خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ آنکھیں بند کرتا ہوں تو نیند بھگانے کے لیے آ جاتی ہو۔ بال بنانے لگتا ہوں تو شیشے کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہو ڈرامہ یا فلم دیکھنے لگتا ہوں تو ہیروئن کے روپ میں آ جاتی ہو۔۔۔ اور آج تو حد ہی ختم کر دی تم نے اب تقریبات میں بھی نہ جایا کروں تمہاری وجہ سے؟" اس کے دھیمے مگر بیزار لہجے میں کہی گئی ساری باتیں عینی کے سر پر سے گزر گئی تھیں۔

"عینی جلدی سے آؤ دلہن تمہیں بلا رہی ہے۔" ایک لڑکی کے پکارنے پر سکندر نے اسے ٹھٹک کر دیکھا۔

"مطلب یہ ہوا کہ آپ۔۔۔ آپ بھی اس لڑکی کو دیکھ سکتی ہیں؟"

وہ قریب کھڑی اس کی سہیلی سے پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن اس سے پہلے ہی وہ اٹھی اور گونگی پائل کے ساتھ بنا چھن چھن کے اسٹیج پر چڑھ گئی۔ ہال میں لگے تیز میوزک نے شاید چوڑیوں پائل وغیرہ کے سارے سریلے گیتوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

"مطلب یہ سچ مچ ہی اس محفل میں شریک ہے؟" وہ اپنی بےخودی پر شرمندہ سا اسے تکنے لگا۔

"اب ملے گی تو اسے یہ کہہ دوں گا کہ میں تو آپ سے مذاق کر رہا تھا۔ یہ تو پہلی ملاقات میں ہی وہ بہت اچھی طرح سے جان چکی ہے کہ میرا مزاج بہت مزاحیہ ہے۔" وہ پہلی ملاقات یاد کر کے مسکرانے لگا۔

"سنو اب کی بار آنٹی کو لے کر جاؤ ماہر نفسیات کے پاس تو اپنا معائنہ بھی ضرور کرا لینا۔" یہ اس کے دوست شایان کی آواز تھی جو اسے مسکراتا دیکھ کر قریب آیا تھا۔

"چل اٹھ چھیل چھبیلے بابو جی۔ میرے ساتھ اسٹیج پر جانے کی اجازت ایک زن مرید کو بھی نہ مل سکی حالانکہ اندر ہی اندر سارے مرے جا رہے ہیں لیکن بھابھیوں نے اسپیشل فون کر کے منع کیا کہ ہمیں ان میاؤں پر بالکل بھروسا نہیں ہے لڑکیوں کو دیکھ کر یوں میاؤں میاؤں کرتے ہیں سارے دل کے کمزور۔ جیسے کبوتریوں کو دیکھ کر بلی کرتی ہے۔"

وہ بال ٹھیک کرتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑا۔ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ باقی سب اپنا اعتبار بیویوں کے سامنے کھو چکے ہیں۔

اسے جنید کی شادی اچھی طرح سے یاد تھی جس میں باقی کے سارے شادی شدہ دوست شامل تھے اپنی بیویوں کے ساتھ..... اور جب جنید کی ڈانس کرتی چھ عدد سالیوں اور ان کی سہیلیوں کو دیکھ کر صاحبان کی باچھیں کھلی تھیں تب بیویوں کے ماتھے ٹھنکے اور ہر ٹھمکے پر کہنیوں کے ٹھوکے کھا کھا کر بھی ان کی نظروں کے زاویے نہ بدلے تو مشترکہ فیصلہ بطور سزا یہ ہوا کہ آئندہ کسی دوست کی شادی میں جانے کی اجازت انہیں نہیں ملے گی۔

اب اکیلے اسے ہی شایان کے ساتھ رہنا تھا۔

''ارے دولہا بھائی کے دوست ہیں یا انڈین ہیرو؟'' ایک نے اتنی تیز سرگوشی کی کہ باوجود تیز میوزک کے سبھی نے آواز سن لی۔

سکندر مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا یہ لڑکی جب پوری آواز میں بولتی ہوگی تو کیا سماں ہوتا ہوگا؟

''چنداباجی! انڈین ہیرو تو رجنی کانت اور نانا پاٹیکر بھی ہیں۔ آپ کن سے ملا رہی ہیں انہیں؟'' وہی آواز تھی جو جانے کب سے خاموشی ہوتے ہی سماعتوں میں شہد ٹپکاتی رہتی تھی۔

سکندر نے اس کی شوخی پر اسے مڑ کر دیکھا تو وہ بالکل پیچھے کھڑی تھی اب شاید گھاگھرا چولی کی آپس میں سیٹنگ ہو چکی تھی اس لیے صرف زلفوں کے ریشم کو بار بار پیچھے جھٹکتے ہوئے اس بات سے بے خبر تھی کہ اس کی یہ ادا کس قدر قاتلانہ ہے اور دیکھنے والوں کے دل پر کیسے ستم ڈھا رہی ہے۔۔۔ وہ بھی شاید اتنے قریب سے دیکھ کر اسے پہچان گئی تھی

''ارے یوں چنداباجی تو نہ کہو میں تم سے کون سا پورے دس سال بڑی ہوں نو سال چھ مہینے کا فرق اب اتنا بھی نہیں ہوتا کہ سارے جہان میں اعلان کیا جائے باجی..... باجی کر کے؟'' چنداباجی کو خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ ان کی سرگوشی قریب کھڑے لوگوں پر بے ہوشی طاری کر سکتی ہے اس لیے وہ اطمینان سے یہ سمجھ کر بول گئیں کہ یہ نو سال چھ مہینے کا راز صرف ساتھ کھڑی عینی تک محدود رہے گا۔

''چل بیٹھ یار..... منہ نہ بنا۔ شکر کر کہ تجھے ہیرو سے ملایا ہے وہ بھی نانا جی اور رجنی کانت سے۔ یہ شفق کی سہیلی ہے اس سے بعید نہ تھا کہ تجھے کسی ہیروئن سے مشابہ قرار دے دیتی مثلاً پدمنی کولہاپوری یا بپاشا باسو جیسا کہہ دیتی تو مجھے ضرور اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑ جاتی۔۔ تو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ اختلاف کی صورت میں مجھے کتنا نقصان اٹھانا پڑتا۔'' شایان نے کھسر پھسر کرتے ہوئے بات ختم کی اور اس کا ہاتھ مسلسل اس دوران اپنی قمیص کی سامنے والی جیب پر رہا۔

اس کی کنجوسی کے قصے یار دوستوں کی محفل میں خوب مشہور تھے۔ کبھی کسی فقیر کو دینے کے لیے اس کے پاس ریزگاری تک نہیں ہوتی تھی۔ سب سے دعوتیں کھا کر اپنے نمبر والے دن ہمیشہ اسے فوڈ پوائزننگ ہو جاتی تھی۔ آج بھی اسے مووی فوٹو گرافی اور ساتھ بیٹھی دلہن وغیرہ سے زیادہ، خرچ ہونے والے امکانی پیسوں کی فکر لگی ہوئی تھی۔

''یار، اگر اتنی ہی محبت ہے پیسوں سے تو بٹوہ کرتے کی سائڈ جیب میں رکھ لیتے۔ سینے کو یوں پکڑ کر ٹی بی کے مریض لگ رہے ہو بس ہلکی سی کھانسی کی دیر ہے ورنہ تو بالکل یارو کے عاشق لگ رہے ہو۔'' وہ اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بٹوہ نکال کر سائیڈ جیب میں رکھنے ہی لگا تھا کہ چنداباجی نے اس کے ہاتھ سے بٹوہ جھپٹ لیا۔

''ارے دولہا بھائی کے بارے میں ویسے ہی مشہور ہے کہ کنجوس ہیں دیکھ لو سب مانگنے سے پہلے ہی سالیوں کو پورا بٹوہ نکال کر دے دیا۔''

شایان کے چہرے پر ہارٹ اٹیک والے تاثرات دیکھ کر ساتھ بیٹھے سکندر نے کہنی مار کر اسے اس ٹراما سے نکالنے کی کوشش کی۔

''یار شان! یہ بھابھی کی شان میں گستاخی

والے پوز نہ دے۔ بعد میں بڑے طعنے سننے پڑیں گے کہ منگنی والے دن خوش نہیں تھے، وہ تو میری مت ماری گئی تھی جو کچھ دیکھ نہ پائی۔'' وہ شادی شدہ دوستوں کے دکھڑے سن کر کافی ہوشیار ہو چکا تھا۔

''شایان بھائی طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟'' وہ بالکل سکندر کے قریب کھڑی شایان کی طرف جھک کر پوچھ رہی تھی۔

سکندر کے رگ و پے میں اس قربت نے اک سرور سا دوڑا دیا تھا اس کے دل کی دھڑکنیں اتنا شور کر رہی تھیں کہ اسے ڈر لگنے لگا کہیں یہ لڑکی یہ شور سن کر ڈانٹ نہ پلا دے۔ اس کی ریشمی زلفیں سکندر کے چہرے کے اتنے قریب تھیں کہ وہ ان کی خوشبو سے زلفوں پر استعمال شدہ شیمپو اور کنڈیشنر کا اندازہ بھی لگا چکا تھا۔

''وہ اصل میں ان کو دل کا مسئلہ ہے اور ان کا دل آپ کی سہیلی کی مٹھی میں ہے اس لیے انہیں تکلیف ہو رہی ہے۔''

سکندر کی نگاہوں کا مرکز چندا باجی کے ہاتھ میں پکڑا بٹوہ تھا لیکن شفق بھابھی جو دلہن بنی اچھے پارلر کی بدولت ویسے ہی پنک پنک لگ رہی تھیں اس ذو معنی جملے پر لال لال ہو گئیں۔

''کیا ضرورت تھی بٹوے میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ رکھنے کی؟'' وہ اب شیمپو اور کنڈیشنر کے بعد ریولون کے بلش آن اور میڈورا کی لپ سٹک بھی خوشبو سے پہچان گیا تھا اس لیے دھیان بٹانے کو شایان سے مخاطب ہوا تو وہ پہلو بدلتے ہوئے بٹوے پر نظریں جمائے بولا۔

''پورے پانچ ہزار دو سو اسی روپیہ ہیں بٹوے میں۔'' اس کی آواز سن کر سکندر کو لگا جیسے اس کے گلے پر کوئی چھری پھیر رہا ہو۔

''بھائی میرے تین سو ساٹھ روپیہ بٹوے کی قیمت بھی تو ساتھ شامل کر لونا۔ تجھے شرم نہیں آتی پانچ ہزار کے لیے پانچ کروڑ کھونے والے ایکسپریشن دیتے ہوئے؟''

وہ اب ذرا پرے ہٹ چکی تھی اور اس کے پرے ہٹنے کا اندازہ سکندر کو الگ قسم کی خوشبو سے ہوا تھا مڑ کر دیکھا تو چندا باجی اس کی جگہ پر کھڑی تھیں سٹپٹاتے ہوئے سکندر نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی جس کا نام بھی اسے معلوم نہ ہو سکا تھا اور اسی تلاش کی کوشش میں کامیابی تب نصیب ہوئی جب دونوں کی نظریں یوں ملیں کہ جیسے بٹن ایک ٹک کر کے آپس میں مل جاتے ہیں۔

''میں تجھے اس لیے ساتھ لایا ہوں کہ تو میری سالیوں کے ساتھ سیٹ ہوتا جائے۔ چل میرا بٹوہ واپس لینے کی کوشش کر؟'' شایان نے فریادی لہجے میں کہا اور وہ بمشکل نظر ہٹاتے ہوئے شور مچاتی لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہم سب ان پانچ ہزار سے ایک ایک آئس کریم بھی نہیں کھا سکتے پیسے نکالیں۔'' ایک لڑکی نے ایک ہاتھ میں خالی بٹوہ اور دوسرے میں پانچ ہزار کا نوٹ لہراتے ہوئے کہا تو شایان کی نظریں یوں نوٹ کے ساتھ گھومنے لگیں جیسے ہپناٹزم کے دوران عامل کے لہراتے ہوئے پنڈولم کے ساتھ معمول کی نظریں گھومتی ہیں۔

''تیری آنکھوں میں اس وقت اس نوٹ کے لیے وہ بھوک نظر آ رہی ہے جو کسی ڈانسر کے ساتھ آئی ناٹیکہ نما آنٹی کی نظر میں اس وقت جاگتی ہے جب محفل میں بیٹھا کوئی مال دار آدمی بڑا نوٹ پکڑ کر دکھاتا ہے۔''

''شیدے پہلوان کی قلفیوں والی دکان میں پانچ سو روپے خرچ ہوں گے اور سب ہی مزے سے قلفیاں کھا لو گی۔''

یہ مشورہ سکندر کی چپ سے مایوس ہو کر شایان نے انہیں دیا تو وہی تیز قسم کی لڑکی جھٹ سے بولی۔

''ہمیں اس جگہ مت بھیجیں جہاں آپ خود جایا کرتے ہیں۔'' اس کا منہ بنا دیکھ کر سکندر نے جلدی سے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

''اچھا لیڈیز کتنے پیسے چاہئیں؟''

وہ احتجاج کرنے لگیں لیڈیز نہیں گرلز۔

''پچاس ہزار..... پچاس ہزار.....'' وہ سب مل کر کہہ رہی تھیں۔

''ارے کہیں اٹھ کر بھاگ ہی نہ جانا' تمہارے چہرے پر ایسے ہی تاثرات ہیں۔'' وہ شایان کو سمجھا رہا تھا۔

'' آپ مت منع کریں انہیں پیسے دینے سے۔'' وہ ساری شور مچا رہی تھیں۔

''اب یہ گناہ میرے سر نہ ڈالو۔''

''ہم تو پچاس ہزار سے ایک روپیہ کم نہ لیں گے۔'' وہی گھاگھرے والی بالکل مقابل کھڑی تھی۔

''ارے آپ اس ادا سے مانگیں گی تو میں دل جگر گردے بلکہ اپنے دو عدد پھیپھڑے بھی دے دوں گا۔'' انداز فلمی تھا لیکن ایسے موقعوں پر سب چلتا ہے، وہ اچھی طرح سے جانتا تھا۔

اس نے اپنی گلابی ہتھیلی آگے کی۔

''تو پھر دے ہی دیں۔''

سب لڑکیاں چیخنے لگیں۔

''دے دیں..... دے دیں.....''

''کیا چاہیے..... دل؟''

وہ سب کو نظر انداز کر کے صرف اسے نگاہوں کا مرکز بنائے پوچھ رہا تھا۔

''ارے دل ابھی تک آپ کے پاس ہے، حیرت ہے؟'' وہی تیز طرار لڑکی بولی تو سب ہی ہنسنے لگیں۔

''جی بہنا جو سنبھال کر رکھ سکے اسے ہی دی جاتی ہے یہ نازک چیز۔''

وہ شور مچانے لگیں۔ ''عینی کو نہ دینا یہ تو گھاگھرا سنبھالنے میں رو پڑتی ہے تو.....؟''

''چھوڑیں ادھر ادھر کی باتیں کھانا لگنے والا ہے بزرگوں کی ڈانٹ کھلوانی ہے ہمیں؟ جلدی سے پیسے نکالیں۔''

اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی دیکھ کر بے اختیار سکندر مجھے، میں سارے کا سارا تمہارا ہوں۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور بے اختیار بٹوہ نکال کر عینی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

شایان کی گھورتی نظریں اب اپنے بٹوے سے ہٹ کر اس کے بٹوے پر جم چکی تھیں سب لڑکیاں تالیاں بجا بجا کر اس کی سخاوت کی داد دے رہی تھیں۔ وہ سب مل کر بٹوہ کھولے جائزہ لے رہی تھیں۔

شفق بھی مسکرا کر سہیلیوں کو دیکھ رہی تھی۔

شایان نے پہلو بدل کر سرگوشی کی۔

''میرے ذمے ان پیسوں کا حساب نہ لگا دینا۔ میں نے تمہارے بارہ سو اسی روپیہ ہی دینے ہیں۔ وہی چکن تکہ پیزا والے۔ یہ نہ ہو تم اکیاون ہزار اسی لکھ لو اس پچاس ہزار کو شامل کر کے۔'' اس کی رنگت متغیر اور حال پتلا ہو رہا تھا۔

''مجھے کیا پتا تھا اتنی ٹینشنز اور سر پر بجلیاں گریں گی منگنی میں..... ورنہ میں.....'' سکندر نے اسے گھورا۔

''ٹینشن نہ لے یار۔ اس بٹوے میں ایک لاکھ سے زیادہ پیسے ہیں..... سارے دوستوں کو تمہاری کنجوسی سے حالات خراب ہونے کا خطرہ تھا اس لیے سب نے مل کر پیسے ڈالے اور مجھے اپنا حصہ ڈالنے کا کہہ کر پکڑا دیے تھے یہ کہہ کر کہ شایان صاحب سے کچھ بھی متوقع ہے چند روپوں کے لیے کہیں منگنی کی تقریب سے بھاگ ہی نہ آئے۔'' وہ اس بے عزتی پر اسے گھور کر رہ گیا۔

''یہ بٹوہ لے لیں۔ ہم نے اس میں سے دس ہزار لیے ہیں..... ہماری آئس کریم ہو جائے گی ان پیسوں سے۔'' وہ سریلی آواز میں بولی تو سکندر نے بٹوہ واپس لے لیا۔

''یار سکندر شفق کی سہیلیوں نے کہیں کھانے کے لیے جانا ہوتا ہوگا تو بل ضرور لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا ہی آتا ہوگا۔ پانچ ہزار دو سو اسی میرے اور دس ہزار

کے؟ توبہ توبہ۔"

وہ شاید شادی کے بعد کے متوقع اخراجات کا تخمینہ لگانے میں مصروف تھا۔ ایک پل کے لیے تو سکندر کو اس کے چہرے پر ایسے تاثرات بھی دیکھنے کو ملے جیسے وہ یہ منگنی ختم کر کے اٹھ کر بھاگنا چاہ رہا ہے۔

کھانے کا انتظام ہال سے باہر لان میں تھا لان کے تین اطراف میں بوفے کا انتظام تھا وہ کھانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ مسز انصاری قریب آگئیں۔

"ارے سکندر بخت ہیں نا آپ؟" وہ پرجوش انداز میں پوچھ رہی تھیں اس کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ ساتھ کھڑے قدرے پستہ قامت پروقار سے بندے کو اس سے متعارف کرانے لگیں۔

"سکندر بیٹا یہ میرے شوہر ہیں شہزاد انصاری...... اور شہزاد یہ ہے وہ بچہ جس کی بہت تعریف کی تھی میں نے۔ ارے وہی عینی کے رشتے کے لیے جو خاتون آئی تھیں نا۔"

وہ اس سے ہاتھ ملا کر رسمی جملوں کا تبادلہ کر رہے تھے کہ انصاری صاحب نے سکندر کی طرف توصیفی اور بیگم کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھ کر پوچھا۔

"عینی کے رشتے کے لیے تو ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی آیا ہوتا ہے۔ یہ کون سے والے ہیں؟"

اب مسز انصاری نے جھجکتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تبھی سکندر بخت نے ان کی مشکل آسان کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"سموسے کے سالن والی خاتون...... اصل میں میری والدہ ذرا بیمار ہیں بلکہ سچ کہوں تو ایک نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہیں ایک درمیانے درجے کی او سی ڈی لاحق ہے انہیں...... جس میں اب بہت بہتری ہو رہی ہے۔" وہ وضاحت کر رہا تھا۔

"اوہ بہت افسوس ہوا یہ جان کر۔ بیگم آپ جاؤ کھانا لینے ہم اس طرف سے لیتے ہیں۔" وہ ادھر ادھر

کی باتیں کرنے لگے۔ ایک طرف مرد کھانا لے رہے تھے جہاں زیادہ رش نہیں تھا۔

"خواتین نفیس انداز میں بڑے سکون سے ایک بوٹی ڈھونڈ کر اس کی بریانی سے میچنگ کریں گی پھر ڈھونڈ کر سلاد میں سے زیتون نکالیں گی اور پھر ڈائٹ کولڈ ڈرنک لے کر چاول کے ایک ایک دانے کو منہ میں ڈالتے ہوئے اپنی ڈائٹنگ کا احوال سامنے والی کو سنا کر یہ گلہ کریں گی کہ اب شادیوں میں تبدیلی آنی چاہیے...... جو لوگ ڈائٹ کانشس ہیں ان کے لیے الگ سے ڈائٹ والا کھانا ضرور فنکشنز میں ایڈ کرنا چاہیے...... جیسے براؤن رائس جو کا دلیہ...... پروٹین والی ڈائٹ وغیرہ وغیرہ۔" شہزاد انصاری دیکھنے میں تو قدرے عام سی شکل صورت کے مالک تھے لیکن بہت ہی زندہ دل قسم کے انسان لگ رہے تھے۔ وہ ان کی بات سن کر مسکرا دیا

"بیٹا پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں میں آپ کو بتاؤں کہ میری بیگم میں بھی کچھ نفسیاتی مسائل چل رہے ہیں۔ یہ بھی شاید او سی ڈی کی ہی ایک قسم ہو سکتی ہے۔ میں چونکہ ایک معمولی سی شکل صورت اور درمیانے قد کا عام سا آدمی ہوں اور بیگم صاحبہ حسین ترین خاتون ہیں تو ساری عمر دیکھنے والے ان سے ہمدردی جتا جتا کر یہ ضرور پوچھتے کہ آپ کو ان صاحب میں ایسا کیا نظر آیا تھا جو ان سے شادی کر لی؟ حالانکہ یہ خالصتاً ان کی والدہ کا فیصلہ تھا۔ جو بہت سمجھ دار اور معاملہ فہم خاتون تھیں وہ اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ میرے جیسا عام سا بندہ ان کی حسین بیٹی کو بہت خوش رکھے گا۔ لیکن یہ سنی سنائی پر بہت یقین رکھتی ہیں میری بیگم کو ہمیشہ یہ احساس ستاتا رہا کہ ان کے ساتھ ان جیسا جیون ساتھی کیوں نہیں؟ ماشاء اللہ میری بیٹی بھی ماں کی طرح بہت حسین ہے اور اسی لیے شاید ان کے ذہن میں داماد کے لیے جو خاکہ بنا ہوا ہے اس پر وہ ایک پرسنٹ بھی سمجھوتا نہیں کرتیں۔ انہیں اگر چھ فٹ دو انچ قد چاہیے تو وہ چھ فٹ ایک انچ پر بھی راضی نہیں ہوتیں...... عینی

بہت کوشش کرتے ہیں انہیں سمجھانے کی مگر یہ بیمار ہیں اور اس بیماری کا علاج اس صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ خود کو بیمار سمجھیں۔'' وہ توجہ سے ان کی بات سن رہا تھا۔

''وہ زبانی تو مجھے یہ کہتی ہیں کہ میرے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں لیکن لاشعور میں بہت ساری چیزیں ہیں جو اس وقت زیادہ ہو چکی ہیں جب بیٹی کے رشتے کا وقت آیا ہے۔''

وہ انہیں بغور دیکھنے لگا۔

''پہلی ہی ملاقات میں یہ باتیں کسی سے نہیں کی جاتیں۔ لیکن میں ایسا ہی ہوں جو دل میں وہ ہی زبان پر۔ اس لیے کہ ایسے لوگ کسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے ہیں۔'' وہ ہنسنے لگے۔

''ارے بابا! آپ کی پلیٹ تو بالکل خالی ہے لائیں میں کچھ لا دوں۔'' وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھی

''سکندر بیٹا! یہ ہے میری بیٹی میری کل کائنات عینا انصاری۔''

وہ کہہ نہ پایا کہ اب تو میری بھی کل نہ سہی لیکن کائنات تو بن ہی گئی ہے آپ کی بیٹی۔''

''جی بابا میری ملاقات ہو چکی ہے ان سے جس دن وہ سموسے کے سالن والی آنٹی ہمارے گھر آئی تھیں۔''

اس کا انداز سکندر کو عجیب سا لگا۔

وہ باپ کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر کھانا لینے کے لیے چلی گئی تو شہزاد انصاری صاحب نے سکندر کی طرف دیکھ کر دھیمے لہجے میں کہا۔

''یہ پہلی بار ہوا ہے کہ جب آپ کی والدہ رشتے کے لیے آئیں اور آپ سے میری بیگم کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے بہت تعریف کی..... ورنہ تو وہ ہر لڑکے میں کوئی نہ کوئی مسئلہ نکال کر اسے مسترد کر دیتی ہیں۔''

سکندر کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ ''مطلب جانس سے ادھر بھی؟''

''آیئے نا، کسی دن کھانے پر۔ چھٹی کا دن رکھتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ملاقات اچھی رہے گی۔''

ان کی دعوت قبول کرنا تو بھی اس لیے جلد ملنے کا وعدہ کرتے ہوئے وہ ان سے اجازت لے کر کھانا لینے کے لیے آگے ہوا تب وہ اچانک سامنے آ گئی۔

لگتا ہے آج بھوکا ہی رہنا پڑے گا کبھی ماں کبھی باپ اور کبھی بیٹی سامنے آ جاتے ہیں۔ سکندر نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

''تو آپ ہیں عینا انصاری؟'' وہ اس کے سامنے کھڑا تھا وہ ہاتھ میں پکڑی دو پلیٹوں میں رکھے کھانے کے ڈھیر کی طرف اسے متوجہ دیکھ کر شرمندگی سے وضاحت دینے لگی۔

''یہ کھانا صرف میرا نہیں ہے بلکہ چار سہیلیوں کا ہے وہ ساری ادھر ہی دیکھ رہی ہیں اتنی دفعہ پلیٹیں بھر بھر کر جا چکی ہیں کہ اب آتے ہوئے شرم آ رہی تھی، اس لیے مجھے بھیج دیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مطلب آپ خدائی خدمت گار ہیں؟''

وہ اثبات میں زور زور سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''اچھا آپ اب آگے سے تو ہٹ جائیں نا وہ مجھے کھا جانے والے انداز میں گھورے جا رہی ہیں۔''

''سنیں! ایک خدمت ہماری بھی کر دیں پلیز۔'' وہ حیران تھا اپنے لہجے کے ملتجیانہ پن پر سکندر بخت نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کسی لڑکی کی اتنی منت بھی کرنی پڑے گی؟''

وہ حیرانی سے لمبی لمبی پلکیں جھپکتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی

''مجھے آپ کا فون نمبر چاہیے..... اور یہ کسی طرح کے فلرٹ یا رومانوی گفتگو کے لیے نہیں چاہیے بلکہ..... وہ آپ کو سموسے کے سالن کی کچھ تفصیل بتانی ہے..... ترکیب بھی..... اگر آپ سیکھنا چاہیں تو.....'' وہ ڈرتے جھجکتے کہہ ہی گیا۔

''سوچوں گی اس بارے میں۔'' وہ گالوں کی

سرخی چھپانہ پائی۔

"ویسے اگر جلدی ہے آپ کو تو شفق سے لے سکتے ہیں میرا نمبر...... اب تو آپ کی بھابھی ہے وہ۔" یہ کہہ کر وہ گھاگھرے کے ساتھ پلیٹیں بھی سنبھالتی خراماں خراماں سہیلیوں کی طرف چل پڑی۔

"میرا دل سنبھال کر رکھنا لڑکی۔" وہ بڑبڑایا اور اس بات پر شکر بھی ادا کیا کہ چندا باجی کی طرح اس کی سرگوشی یا بڑبڑاہٹ دوسرے نہیں سن سکتے۔

☆☆☆

"پیاری ماں! ان کے لیے کہیں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تبت کریم لایا تھا۔

"کچھ کہنا ہے نا؟" وہ آج کل دوائیں وقت پر لے رہی تھیں اور غنودگی کی سی کیفیت ہمہ وقت ان پر طاری رہتی تھی سکندر نے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"اگر تم نے اپنی قسم نہ دی ہوتی تو میں نے لان کے سارے پودوں پر خزاں میں بھی بہار لے آنی تھی۔" وہ ہنسنے لگا۔

"آپ ایک بار پھر اس لڑکی کے گھر جائیں گی نا؟"

"اچھے لوگ تھے لڑکی بھی پیاری ہے لیکن وہی بات کہ سموسے کا سالن جس لڑکی کو بنانا نہ آئے وہ زندگی کی مشکلوں میں ساتھ کیسے نبھائے گی؟" ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

"آپ کیوں اسی دور میں رہتی ہیں امی؟ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اس وقت نانی کے پاس سلیقہ تھا جس کی اس زمانے میں ضرورت تھی اسی لیے انہوں نے آپ سب کو اچھی تعلیم اور پرسکون زندگی دینے کے لیے اپنا سارا ہنر استعمال کیا...... لیکن اب بہت کچھ بدل چکا ہے...... آپ دیکھیں تو سہی...... آج کی عورت تعلیم کی طاقت کے ساتھ عملی زندگی میں شوہر کے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑی ہے۔ اللہ سے اچھا گمان رکھیں تو وہ سب ٹھیک رکھے گا ہمارے بچوں کی دادی اتنی سلیقہ مند ہوں گی کہ ان کی اماں کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔" وہ انہیں سمجھاتے ہوئے شوخ ہوا۔

ہے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے ساتھ اور اس کا ساتھ دینے کے لیے کوئی نہیں ہوتا تب محلے کے مرد آدھی رات کو دروازہ کھٹکھٹایا کرتے ہیں سردیوں کی راتوں میں لحاف میں کئی بار اماں کو خوف سے کانپتے دیکھ چکی ہوں...... جانتے ہو میں جب صرف آٹھ سال کی تھی...... میں محلے داروں سے ڈرتی تھی۔

ہمارے گھر کے ساتھ تیسرے گھر میں رہنے والے بشیر چچا کہتے تھے جا کر اماں کو میرا اسلام دینا اور کہنا جو بھی ضرورت ہو چچی سے چھپ کر مجھے ضرور بتانا......" وہ رو رہی تھیں۔ سکندر کا کلیجہ دکھ سے پھٹ رہا تھا لیکن اس نے ماں کو رونے دیا۔

"راشد انکل نے تو ایک دن مجھے خط دیا کہ ماں کو دے آؤ...... میں وہ خط اماں کو دے کر انہیں روتا دیکھتی رہی وہ خط کے ٹکڑے چولہے میں ڈال کر مجھے سینے سے لگائے دیر تک روتی رہیں۔

اگر اماں ہمت اور سلیقے والی نہ ہوتیں تو ان کو سموسے اور پھر سموسوں کا سالن بنانا نہ آتا تو ہم بہن بھائی لوگوں کے گھروں میں کام کر رہے ہوتے ان کے ایک سلیقے نے ہم سب کی زندگیوں میں سکون اور اطمینان بھر دیا۔ ہم سب یہاں تک کہ تعلیم ادھوری چھوڑنے والے بھیا بھی اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن ہیں۔"

"امی جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے تو وہ اسے کسی بھی مشکل کسی بھی آزمائش میں تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ وہ کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر دیتا ہے رزق کا بھی اور خوشیوں کا بھی۔ اب یہ ضروری تو نہیں جو چیز آپ کی زندگیوں میں خوشی لائی وہ ہماری زندگی میں بھی ضروری ہو؟"

اس کے سوال پر وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"تم کیا سمجھتے ہو کہ میں خود کو سمجھاتی نہیں ہوں؟" وہ اپنی گود میں رکھے اس کے سر میں انگلیاں پھیرتے ہوئے دھیمے انداز میں بولیں۔ "میں بہت

سامنے مجھے بھی یہ بات مضحکہ خیز لگتی ہے کہ پڑھی لکھی خوب صورت بچیوں کو صرف اس وجہ سے ریجیکٹ کردوں کہ انہیں سموسے کا سالن بنانا نہیں آتا..... لیکن کیا کروں اس طرف سے دھیان ہٹتا ہی نہیں بار بار ذہن میں کسی بھی لڑکی کی سب سے اہم یہ ہی کوالٹی آجاتی ہے۔'' وہ بے بسی سے کہہ رہی تھیں۔

''ڈاکٹر کہتے ہیں سب ٹھیک ہوجائے گا لیکن اس کے لیے دوا لینی ضروری ہے۔''

''اب ضرور لوں گی دوا۔ تیری قسم جو کھالی ہے ورنہ جانتے ہو جیسے ہی لان میں نکلتی ہوں وہ بے چارے سکون اور دواؤں کے عادی پودے گھور گھور کر مجھے دیکھتے ہیں اور جیسے بزبانِ خاموشی پوچھ رہے ہوں کہ ہمیں عادت ڈال کر دوا میں خود لینے لگی ہو؟'' دونوں مسکرانے لگے۔

☆☆☆

''جی مسز انصاری! بالکل، کیوں نہیں آئیں گے کھانے کے لیے۔ دعوت کرنا اور دعوت قبول کرنا تو بہت ثواب کا کام ہے۔'' انہوں نے سامنے کھڑے سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے فون رکھا۔

''اب تو جانا پڑے گا انہوں نے دعوت پر بلایا ہے۔'' وہ مسکرادیا ماں کی سادگی پر۔ انہیں شک بھی نہ ہوا تھا کہ وہ اس دعوت کے بارے میں پہلے سے جانتا ہے۔

''کب جانا ہے؟'' وہ بھی انجان بنا ہوا تھا۔

''آج شام کا کھانا ہے، تم ذرا جلدی آجانا۔'' چھٹی کے دن تو آپ کے ساتھ ہی ہوتا ہوں آج کہیں نہیں جانا۔'' وہ دل ہی دل میں بہت خوش تھا۔

لاؤنج میں بیٹھے ابا نے اسے دیکھ کر یوں آنکھ ماری جیسے کہہ رہے ہوں ''ہمارے بھی استاد ہو بیٹا۔''

وہ الماری کے سامنے کھڑا کپڑے منتخب کر رہا تھا کہ فون بجا۔

عینی کا نام دیکھ کر مسکرادیا۔

''اس بندی میں کانفیڈنس نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''جی مس عینا انصاری! صبح سے یہ تیسرا فون ہے آپ کا..... جو میرا حال پوچھنے یا حال دل سننے کے لیے یقیناً نہیں ہوگا حسب سابق..... بلکہ کچھ پوچھنا ہی ہوگا نا؟''

''اچھا سنیں سموسے کے تین قسم کے سالن تو بنا لیے ہیں اب یہ بتادیں کہ اور بھی کچھ پکانا ہے؟'' دوسری طرف سے وہ پریشان انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''ہیں کیا مطلب؟ ہم بھوکے رہیں گے کیا..... میں نے نہیں کھانا سموسے وموسے کا کچھ بھی..... میرے لیے اپنی پسند سے کچھ بناؤ..... اور ابا کو میٹھا بہت پسند ہے وہ سب کھالیتے ہیں بس میٹھے میں گزارا نہیں کرتے۔''

''امی تو حیران ہی رہ جائیں گی جب بالکل نانی کے طریقے سے بکے ہوئے سالن کھائیں گی تو آپ کے ہاتھ چوم کر ضرور کہیں گی کہ ان ہاتھوں میں میرے بیٹے کے نام کی انگوٹھی ہونی چاہیے۔'' وہ شرما گئی۔

''لیکن دھیان رکھیے گا میں نے جو بتایا ہے اس کے مطابق کلین شیو مما کو بالکل پسند نہیں اور جو آدھا انچ کا فرق قد میں ہے وہ ہیل والے شوز پہن کر پورا کرنا ہے اور مما کو جو پرفیوم پسند ہے وہ ضرور لگا کر آنا ہے۔'' وہ تیسری دفعہ یاد کرا رہی تھی۔

''باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن یہ پرفیوم تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگا کیسی عجیب سی پسند ہے آپ کی مما کی؟ مجھے تو انصاری انکل پر ترس آرہا ہے برسوں سے اسی پرفیوم میں نہائے رہتے ہیں جس کی خوشبو گلابی سنڈی مارنے والے اسپرے جیسی ہے۔''

اسے ماں کے لیے یہ بات سن کر غصہ آگیا۔

''اب میں بھی کچھ کہوں سموسے کے سالن کے متعلق تو پھر آپ برا مان جائیں گے؟''

وہ ہنسنے لگا۔

''یار ساسوں کے معاملے میں ہم دونوں کو مشکل وقت دیکھنا پڑے گا ہم دونوں کو اللہ نے اسپیشل ساسوں سے نوازا ہے۔''

دونوں مسکرانے لگے۔

☆☆

قرۃ العین ہاشمی

اسٹینڈرڈ

''فریدہ! کتنی دیر لگادی۔ میں کب سے تم لوگوں کا انتظار کررہی ہوں۔''

اماں ہاجرہ نے جلدی سے تسبیح پڑھ کر دعا مانگتے ہوئے عائبانہ پھونک ماری اور بے تابی سے فریدہ کے ہاتھ میں پکڑے شاپر کی طرف دیکھنے لگیں۔

''بس ایک شاپر! پیسے تو کافی دیے تھے مگر خیر۔'' اماں ہاجرہ نے دل میں سوچا اور تھکی ہوئی فریدہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''پھپھو! بازار میں بہت رش تھا۔ راستے بھی بند تھے۔ بہت مشکل سے گھر واپس پہنچے ہیں۔ قسم سے بائیک پر لٹک کر میری تو ٹانگ میں درد ہونے لگا۔ کتنے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس گاڑی ہوتی ہے۔ دو بچوں کے ساتھ بائیک پر سفر کرنا کسی آزمائش سے کم نہیں۔'' فریدہ حسب معمول اپنی تنگ دستی کا رونا رونے لگی۔ پاس بیٹھے آٹھ سالہ علی نے ماں کی طرف دیکھا۔

''امی بھوک لگی ہے۔'' فریدہ نے پہلے تو اسے گھورا اور پھر پاس پڑا بیگ اٹھا کر پیسے نکال کر گننے لگی۔

''جاؤ سامنے والی دکان سے نان چنے لے آؤ۔'' اس نے کہا تو علی پیسے پکڑ کر فوراً باہر کی طرف لپکا۔ اماں ہاجرہ کے منہ کے زاویے بگڑ گئے۔

''بچوں کی شاپنگ کرلی۔'' اماں ہاجرہ نے بے چینی سے سوال کیا۔

''کیا خاک شاپنگ کرنی تھی۔ مشکل سے ایک سوٹ لیا ہے۔ علی کا۔''

فریدہ نے کہتے ہوئے تھیلے میں سے سوٹ نکال کر ساس کی طرف بڑھایا۔ اماں آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگیں۔

''پانچ ہزار میں بس ایک سوٹ۔'' اماں کو یقین نہیں آیا۔

''نہیں پھپھو! یہ تین ہزار کا ہے۔ دو ہزار ابھی پڑے ہوئے ہیں۔ دراصل رمشا کے لیے جو فراک پسند آئی وہ ڈھائی ہزار کی تھی۔ میں نے آپ کے بیٹے سے کہا کہ پانچ سو روپے چاہئیں۔ اللہ توبہ، کیا بتاؤں کتنا تماشا لگایا آپ کے بیٹے نے۔ سارے راستے آنسو پیتی ہوئی آئی ہوں۔ یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہے۔ میں اپنے بچوں کو برانڈڈ کپڑے نہیں پہنا سکتی۔ وہ بھی سیل میں سے۔ حد ہے پھپھو!'' فریدہ نے کہا۔

اسی وقت علی نان چنے لے آیا اور فریدہ نے چنے پلیٹ میں ڈال کر علی کو ایک کونے میں بٹھا دیا۔ رمشا راستے میں ہی سو گئی تھی۔ جبکہ اظہر ان لوگوں کو گھر چھوڑ کر کسی کام سے چلا گیا تھا۔

''فریدہ! بندے کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہیے۔ جتنی حیثیت ہو، وہ ہی کام کرنا چاہیے۔ پہلے ہی تم لوگوں کے حالات اتنے خراب ہیں۔ مشکل سے بچوں کے لیے یہ پیسے میں نے جمع کیے تھے کہ چلو چاچے کی شادی میں تین دن بچے نئے کپڑے تو پہنیں گے مگر تم صرف ایک سوٹ ہی اتنا مہنگا لے کر آئی ہو۔'' اماں ہاجرہ کا ضبط جواب دے گیا۔ اس لیے جب وہ بولیں تو ان کا لہجہ سخت تھا۔

فریدہ غصے سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

''پھپھو! آپ کو ہمیشہ مجھ پر ہی اعتراض رہتا ہے۔ کبھی اپنے بیٹے کو بھی سمجھا لیں کہ اچھا کما کر گھر لایا کرے۔ سستے سے کپڑے پہن کر میرے بچے خاندان کے اتنے بڑے فنکشن میں کیا لگیں گے؟ میری دونوں جٹھانیوں کے بچے اور وہ خود مہنگے اور برانڈڈ کپڑے لیتی ہیں۔ چلو میں خود پر تو سمجھوتا کر بھی لوں مگر اپنے بچوں کے لیے تو ہرگز نہیں۔ ایک بات صاف کہہ دوں پھپھو! میں کبھی بھی اپنے اسٹینڈرڈ پر سمجھوتا نہیں کرسکتی۔'' فریدہ نے غصے سے کہا۔

اماں ہاجرہ سر تھام کر رہ گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ فریدہ ان لوگوں میں شامل ہے جو مقابلے کی دوڑ میں اندھا دھند بھاگتے ہیں۔

''تجھے کون سمجھائے فریدہ کہ انسان مہنگا پہنے یا سستا، اپنی اوقات اور حیثیت کے مطابق ہی جچتا ہے۔ اب کوے کو سفید پر لگا دینے سے، وہ کچھ اور تو نہیں بن جائے گا ناں۔''

اماں ہاجرہ نے پرانے بنے گھر کے بوسیدہ در و

دیوار کو دیکھتے ہوئے خود کلامی کی۔ فریدہ وہاں سے جا چکی تھی۔ علی نے سر اٹھا کر پہلے ماں اور پھر دادی کی طرف دیکھا اور دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے ذہن میں اس دن یہ چیز بیٹھ گئی کہ اسٹینڈرڈ سے آگے کچھ نہیں ہوتا ہے۔

☆☆☆

''سب سے پیاری اور خوب صورت میری بیٹیاں لگ رہی ہیں آج۔''

مہندی کے فنکشن میں ڈانس فلور کی جگمگاتی روشنیوں میں لڑکیوں کا گروپ بہت ماہرانہ انداز میں ڈانس پیش کرنے کے بعد سب سے داد وصول کر رہا تھا۔ جب دو لڑکیاں کھلکھلاتے ہوئے، تتلی کی طرح لہراتی اپنی ماں کے پاس آ کر سامنے والے کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ مہنگے لباس میں ملبوس، سونے سے لدی فرحانہ نے فخریہ انداز میں اپنی جوان بیٹیوں کی طرف دیکھا اور ساتھ بیٹھی نصرت سے کہنے لگی۔ جس نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلایا۔

''جی جی، ماشاء اللہ۔ وہ تو نظر آ ہی رہا ہے۔ سب سے منفرد ڈریس ہیں آپ کی بیٹیوں کے۔ کہاں سے لیے ہیں؟'' نصرت نے مرعوب انداز میں پوچھا۔

''کرن اور رمشا کی ساری شاپنگ میں ''فار می'' سے ہی کرتی ہوں۔'' فرحانہ فاروقی نے ملک کے مشہور برانڈ کا نام لیتے ہوئے کہا۔

''اچھا۔'' نصرت کو زیادہ برانڈز وغیرہ کا نہیں پتا تھا۔ اس لیے بس سر ہلا کر رہ گئی مگر فرحانہ کی ابھی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے مزید تفصیل سے آگاہ کرتی ہوئی کہنے لگی۔

''ایک ڈریس تقریباً چالیس سے پچاس ہزار کے درمیان ہے، بھئی اب اس سے سستا ڈریس کہاں ملتا ہے!'' فرحانہ نے اترا کر کہا۔

چالیس پچاس ہزار کا؟ نصرت نے آنکھیں پھاڑ کر سامنے بیٹھی لڑکیوں کی طرف دیکھا جو موبائل پر سیلفی لینے پر مصروف تھیں۔ ملٹی شیڈ کا نیٹ کا دوپٹا، بڑے گھیرے والا لہنگا۔ اس میں پچاس ہزار والی کیا بات ہے؟

نصرت کا دل کیا کہ ایک بار ان کے کپڑے کو ہاتھ لگا کر دیکھے شاید چھونے پر کچھ الگ احساس ہوتا ہو۔ دیکھنے میں بھلے بہت پیارا تھا مگر اس طرح کا ڈریس بنانا کون سی مشکل بات تھی۔ نصرت جتنا سوچتی گئی۔ اتنا ہی اس کا ذہن الجھتا گیا۔

''مما! اسمائل پلیز۔'' کرن نے ماں کی طرف موبائل کرتے ہوئے کہا تو فرحانہ نے جلدی سے چہرے پر مسکراہٹ سجالی۔

''میرا یہ سیٹ اور چوڑیاں بھی تصویر میں آنی چاہئیں نا۔'' فرحانہ اپنی تصویر سے مطمئن نہیں ہوئی تو دوسرے زاویہ سے تصویر بنوائی۔

''ہاں اب ٹھیک ہے۔ جلدی سے سوشل میڈیا پر لگا دو۔ دیکھنا لوگ کیسا جلیں گے ہم سے۔'' فرحانہ نے فاتحانہ انداز میں کہا جیسے بہت بڑا معرکہ مار لیا ہو۔

''اب دیکھیں نا نصرت بہن! صرف کپڑے لینے سے ہی تو بات نہیں بنتی نا، بچیاں ہیں۔ کہتی ہیں کہ اگر ڈریس کے ساتھ اچھا میک اپ اور میچنگ جیولری نہ ہو تو کیا فائدہ۔ ایک دن کا میک ہی بیس ہزار کا کروایا ہے بچیوں نے اور.....''

فرحانہ آگے جوتوں کی قیمت سے لے کر پہنی ہوئی جیولری تک کے بارے میں بتانے لگی تو نصرت کو لگا جیسے اس کی سانس تنگ پڑنے لگی ہے۔ اس نے چادر اٹھائی اور گھر جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

''آج تو مما! سب نے بہت تعریف کی ہماری۔'' واپسی میں گاڑی میں سوار گھر کی طرف گامزن کرن نے خوشی سے کہا تو فرحانہ کی گردن مزید اکڑ گئی اور اس نے فخریہ انداز میں گاڑی چلاتے ہوئے اپنے شوہر نامدار کی طرف دیکھا۔

''دیکھا آپ نے۔ اب تو مانتے ہیں میری سمجھ داری کو۔ میں صرف پیسہ شو آف کرنے کے لیے نہیں خرچ کرتی ہوں بلکہ ہماری حیثیت اور رتبے کو برقرار

میں سب کو پتا ہے کہ ہمارا کیا اسٹینڈرڈ ہے۔"
فرحانہ نے غرور سے کہا تو گاڑی موڑتے شخص نے اثبات میں سر ہلایا۔ کرن نے مسکراتے ہوئے پہلے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنے والدین اور پھر ساتھ بیٹھی موبائل پر مصروف چھوٹی بہن کی طرف دیکھا۔
"واقعی ہمارا اسٹینڈرڈ سب سے الگ ہے۔"
کرن نے سوچا اور ہاتھ میں پکڑے موبائل کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

"عماد اور عذیر کے داخلے کے لیے اسکول سے داخلہ فارم لے آیا ہوں۔ اسے دیکھ لو۔" جمشید رضوی نے چائے کا کپ بیگم کے ہاتھ سے پکڑتے ہوئے، سامنے بیٹھے اپنے چھوٹے بیٹے فرخ سے کہا۔
"ہوں! کس اسکول کے ہیں داخلہ فارم؟" فرخ نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔
"کیا مطلب بھئی؟ جہاں تمہارے باقی دونوں بھائیوں کے بچے پڑھتے ہیں، اسی اسکول سے لایا ہوں۔" جمشید رضوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"مگر ابا جان! میں اپنے بیٹوں کو وہاں داخل نہیں کروانا چاہتا ہوں۔" فرخ کے کہنے پر جمشید رضوی چونکے اور حیرت سے اپنی بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ بھی حیران نظر آرہی تھیں۔
"وہ کیوں بیٹا؟" ماں کے پوچھنے پر فرخ نے گہری سانس لی۔
"میں نے سوچا ہوا ہے کہ میں اپنے بچوں کو شہر کے سب سے بڑے اور مہنگے اسکول میں داخل کرواؤں گا جس کا ایک نام اور اسٹینڈرڈ ہے۔"
فرخ نے مضبوط لہجے میں کہا تو جمشید رضوی نے ہاتھ میں پکڑا اخبار رول کرتے ہوئے سامنے میز پر رکھا اور بولے۔
"بیٹا! اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ تمہاری سیلری اچھی ہے مگر خود پر اضافی بوجھ ڈالنا عقل مندی کی نشانی نہیں۔"
"ابا جان! آپ لوگ ان باتوں کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ آج کل اچھی رہائش، اچھا پہناوا، اچھا اوڑھنا، کھانا پینا، اچھے اداروں میں تعلیم حاصل کرنا، آپ کے اسٹینڈرڈ کو ظاہر کرتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بچے کسی سے پیچھے رہ جائیں۔"
فرخ نے پرجوش انداز میں کہا۔
"ہوں! اپنی اولاد کے لیے اچھے سے اچھا چاہنا اور کرنا، ہر دور میں، سب والدین کی خواہش رہی ہے بیٹا! ہماری بھی یہ خواہش تھی اپنے بچوں کے لیے مگر....."
جمشید رضوی کہتے کہتے چپ ہوگئے۔ فرخ نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔
"مگر ہم نے اچھی تعلیم، اچھی تربیت، اچھے اخلاقی معیار کو ہمیشہ مقدم جانا اور ان ہی خطوط پر اپنے بچوں کی پرورش کی ہے۔ بیٹا دنیا کی دوڑ میں آپ روپے پیسے سے آگے تو نکل سکتے ہیں مگر دنیا کی دوڑ کبھی ان سب کی بنیاد پر جیت نہیں سکتے۔ جیت اسی کی ہوتی ہے جو ہر دور میں، اپنی مضبوط شخصیت کے بل بوتے پر میدان میں اترتا ہے۔ اس لیے میرا ماننا ہے کہ اپنے بچوں کو یہ مت بتاؤ یا سکھاؤ کہ یہ دنیا کیا ہے؟ انھیں یہ بتاؤ اور سمجھاؤ کہ آپ خود کیا ہیں؟ آپ کی اہمیت، آپ کی قیمت.....اس لیے کہ ایک آپ کے ہونے سے ہی سب کچھ ہے۔ یہ دنیا بھی اور اس کے جھمیلے بھی۔ بڑے تعلیمی اداروں میں پڑھنا نہ تو بری بات ہے اور نہ ہی میں اسے غلط مانتا ہوں مگر صرف "اسٹینڈرڈ" کے لیے ایسا کرنا ہے تو میں اس کے خلاف ہوں۔ آگے تمہاری مرضی اور خوشی۔"
جمشید رضوی نے سختی سے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر چلے گئے۔
جب بچے آپ کی سننا نہیں، بلکہ آپ کو سنانا چاہتے ہیں تو ایسے وقت میں خاموشی سے پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔
یہ ہی جمشید رضوی اور ان کی بیگم نے کیا تھا۔

☆☆☆

وقت تیزی سے گزرنے لگا۔فریدہ کا وقت اس کی خواہش کے حساب سے بدل چکا تھا۔

کئی سال پہلے فریدہ کے شوہر، اظہر کو کاروبار میں بہت منافع ہوا اور ان کی قسمت ہی پلٹ گئی۔ بہت جلد فریدہ کی فرمائش پر وہ لوگ اندرون لاہور کی تنگ و تاریک گلیوں سے نکل کر، شہر کے اچھے ایریا میں کرائے کے گھر میں منتقل ہو گئے۔یہاں آتے ہی ان کا طرز زندگی بدل گیا۔نئی گاڑی، برانڈڈ کپڑے، اچھے ریسٹورنٹ میں ہوٹلنگ۔

ہر روز علی فیس بک پر اسٹیٹس اپ لوڈ کر کے خاندان بھر میں شو آف کرتا کہ وہ کن اچھی جگہوں پر گھوم پھر رہا ہے یا شاپنگ کر رہا ہے۔فریدہ کے کہنے کے مطابق ہی اس کی دوستی بھی ایسے لوگوں سے تھی جو مال و دولت والے تھے۔علی بہت تیزی سے، ان کے رنگ میں رنگتا چلا گیا۔مہنگا موبائل اور مہنگی گاڑی کے بنا اس کی شخصیت مکمل نہیں تھی۔

مگر اب ایسی بہت سے باتیں سامنے آنے لگیں تھیں جس پر فریدہ اعتراض کرنے لگی تھی۔جیسے علی نے اپنے دوستوں کی دیکھا دیکھی شیشہ پیتے ہوئے ایک ویڈیو بنا کر فیس بک پر لگا دی۔جیسے دیکھ کر اس کی بہنوں نے فوراً ماں کو بتایا اور فریدہ نے جب اس سے باز پرس کی تو علی بھی غصے میں آ گیا۔

"مما! کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ۔میرے سب دوست ایسا ہی کرتے ہیں۔میں نے کون سا گناہ کیا ہے۔آج کل سب لڑکے شیشہ پیتے ہیں۔ میں اگر منع کروں گا تو وہ مجھے پینڈو کہہ کر میرا مذاق اڑائیں گے۔" علی تو کہہ کر وہاں سے چلا گیا مگر فریدہ سچ میں پریشان ہو گئی۔

علی اپنی ہی دھن میں آگے بڑھتا جا رہا۔اس کی توجہ پڑھائی پر نہ ہونے کے برابر تھی۔صرف اسے اپنے ظاہری شو آف سے مطلب تھا۔اس کی جیب میں پیسے ہوں۔اچھی گاڑی اور مہنگا موبائل ہو اور اسے کچھ نہیں چاہیے تھا۔وہ گھر کا کوئی کام نہیں کرتا تھا [illegible]

بہت مشکل سے منہ بناتے ہوئے جاتا تو تھا مگر آٹھ لاکھ کی گاڑی پر۔بائیک یا سائیکل چلانا وہ اپنی توہین سمجھتا تھا۔اب فریدہ اسے اخلاقیات اور محنت اور ایمانداری کے بہت سے سبق پڑھانے کی کوشش کرتی مگر اب علی کی عمر نصیحت سننے کی نہیں، بلکہ خوابوں اور خواہشوں کے پیچھے بھاگنے کی تھی۔اسے بچپن سے جو اسٹینڈرڈ ماں نے دیا تھا، وہ اب اس سے پیچھے کیسے ہٹ جاتا۔

☆☆☆

"آپ بے فکر رہیں۔ہماری طرف سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔ہماری دو ہی بیٹیاں ہیں۔ہم ان کی ہر خوشی بہت دھوم دھام سے منانا چاہتے ہیں۔دیکھیں جی۔ہم نے اپنی بیٹیوں کے لیے بہت سے خواب دیکھے ہیں۔اب وقت آیا ہے تو ہم پیچھے کیوں ہٹیں۔"

فرحانہ فاروقی نے ایک ادا سے کہا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھے لڑکے والوں کی طرف دیکھا۔

"جی ماشاء اللہ! کمی تو ہماری طرف سے بھی نہیں رہے گی۔ہمارے بھی پہلے بیٹے کی شادی ہے۔ بہت ارمان ہیں ہمارے دل میں۔"

کرن کی ہونے والی ساس نے کہا تو فرحانہ مسکرا کر سر ہلانے لگی۔

منگنی سے لے کر شادی تک ایک مقابلے کی فضا تھی جس میں دونوں فیملیز شامل تھیں۔

"کسی بھی طرح پیچھے نہیں رہنا! اور اسٹینڈرڈ سے نیچے کچھ نہیں رہنا۔"

اس موٹو پر دونوں خاندانوں نے عمل کرتے ہوئے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔اللہ اللہ کر کے شادی بخیر و خوبی سے سر انجام پائی۔چونکہ مقابلہ بہت سخت تھا اس لیے دونوں ٹیمیں ہی فاتح کہلائی۔

کرن اور حمزہ نے اپنی نئی زندگی کا آغاز بہت امیدوں اور خوشیوں سے کیا تھا۔دونوں خوشیوں کے جھولے میں جھول رہے تھے۔چونکے تو تب جب آزمائش کی تیز دھوپ سر پر آ رکی۔حمزہ کو بزنس میں [illegible]

وقت اور حالات کے طوفان میں ہچکولے کھانے لگی۔

☆☆☆

''یہ کھلونا تم نے اسے لے کر دیا ہے؟'' فرخ نے ہاتھ میں پکڑی چھوٹی سے گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بیوی شزا سے پوچھا۔

''ہاں آج امی کے ساتھ پارک گئی تھی تو وہاں ایک بوڑھا آدمی کھلونے بیچ رہا تھا۔ عماد نے دیکھا تو ضد کرنے لگا کہ اسے یہ گاڑی لینی ہے۔ صرف پچاس روپے کی تو ملی ہے۔ میں نے دونوں بچوں کو لے دی۔'' شزا نے مسکراتے ہوئے کہا مگر فرخ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے کیا؟ میرے بچوں کے پاس ایک سے بڑھ کر ایک چیز موجود ہے۔ اچھے سے اچھا کھلونا پھر تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم ایک ٹھیلے سے یہ گھٹیا چیزیں خریدو۔'' فرخ نے غصے سے کہا تو شزا اس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

''مگر بچے بہت ضد کر رہے تھے۔'' شزا نے شرمندگی سے کہا۔

''سو واٹ! اگر ضد کر رہے تھے تو انھیں کوئی اچھی چیز خرید دینی تھی۔ ایک بات تم اچھی طرح جانتی ہو شزا کہ میں بچوں کے لیے جو اسٹینڈرڈ بنا چکا ہوں۔ اس سے کم مجھے کچھ بھی منظور نہیں ہے۔ اگلی بار ایسی غلطی نہ ہو۔'' فرخ نے کہا تو شزا نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے رخ پھیر لیا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

''ہائے میرے اللہ! یہ کیا ہوا گیا آپ کو؟ گڑیا، نیناں جلدی سے باپ کے لیے پانی لاؤ۔''

فریدہ کی نظر جیسے ہی دروازہ کھول کر اندر آتے اظہر پر پڑی۔ وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور دونوں بیٹیوں کو آوازیں دینے لگیں۔

اظہر نے پانی پی کر ایک نظر پریشان کھڑی بیوی اور دونوں بیٹیوں پر ڈالی۔ جو پریشانی سے اس کے برے حلیے کو دیکھ رہی تھیں۔ اظہر کے ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ جیسے کسی سے لڑائی ہوئی ہو۔ اظہر بہت چپ تھا۔ جس پر فریدہ کو تشویش ہو رہی تھی۔

''علی کہاں ہے؟'' اچانک اظہر نے پوچھا۔ فریدہ چونکی۔

''علی کچھ دیر پہلے کمبائن اسٹڈی کر کے واپس آیا ہے۔ اب اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ کچھ بتائیں تو سہی! آخر ہوا کیا ہے؟'' فریدہ نے پریشانی سے کہا۔

''علی کو بلاؤ۔'' اظہر نے سنجیدگی سے کہا۔ فریدہ نے پاس کھڑی گڑیا کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً اندر کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ اور علی آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ علی کی نظریں جھکیں ہوئی تھیں اور وہ بہت گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ اظہر ایک نظر اس کے جھکے ہوئے سر پر ڈالی اور گہری سانس لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔

''آج بھی معمول کے مطابق، حساب کتاب میں مصروف آرڈر کے مطابق سپلائی مطلوبہ مقامات پر پہنچا رہا تھا۔ جب ٹرک سے سامان اتارتے ہوئے میری ایک دکان کے مالک سے بحث ہوگئی۔ وجہ تھی اس کی غلط بیانی اور جھوٹ۔ وہ معاہدے کے مطابق بہت کم پیسے دے رہا تھا اور ساتھ ہی میرے لائی ہر چیز میں نقص نکال رہا تھا۔ بحث اتنی بڑھی کہ بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ اپنے باپ کو مشکل میں دیکھ کر اس کے دونوں بیٹے بھی دکان سے اٹھ کر آ گئے اور ان تینوں نے مل کر.....'' اظہر کہتے ہوئے لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔

''وہ تو شکر ہے کہ آس کے پاس لوگوں نے درمیان میں آ کر مجھے بچایا۔ نہیں تو شاید.....'' اظہر نے افسردگی سے کہا۔

''آپ پولیس اسٹیشن میں ان کے خلاف درخواست دیں۔ غضب خدا کا! بیٹے باپ کو سمجھانے کے بجائے، خود بھی لڑائی میں شامل ہو گئے!'' فریدہ نے غصے سے کہا۔

''خدا کا غضب تو سچ میں آج دیکھا ہے میں

نے۔'' اظہر ایک طنزیہ نظر چپ کھڑے علی پر ڈالی۔
''کیا مطلب؟'' فریدہ نے ٹھٹک کر پوچھا۔
''علی تم خود ساری بات بتانا پسند کرو گے یا میں.....''
''کیسی بات اور علی کا یہاں کیا ذکر؟'' فریدہ نے حیرت سے سوال کیا۔
''اس لیے کہ جب یہ لڑائی ہو رہی تھی تو تمہارا بیٹا بھی وہاں پر موجود تھا۔ کیوں علی!'' اظہر کے کہنے پر فریدہ نے حیرت سے علی کی طرف دیکھا جس نے سر جھکا لیا تھا۔
''مما میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ قریب کے ریسٹورنٹ سے باہر نکل رہا تھا۔ جب میں نے پاپا کو دیکھا.....'' علی کہتے کہتے ایک دم چپ ہو گیا۔
''اور جب میں نے علی کو وہاں دیکھا تو.....'' اظہر نے اس کی نامکمل بات کا سرا پکڑتے ہوئے کہا۔ ''مجھے لگا کہ اللہ نے میری مدد کے لیے اسے بھیجا ہے۔ میں اسے پکارنے کا سوچ ہی رہا تھا جب علی لاتعلقی سے ایک نظر مجھ پر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ پہلے مجھے لگا کہ شاید اس نے مجھے پہچانا ہی نہیں مگر ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کو نہ پہچان سکے؟''
اظہر نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ وہاں بیٹھے سب نفوس ساکت رہ گئے۔ اچانک فریدہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور سامنے کھڑے علی کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ علی جو پہلے ہی بہت شرمندہ تھا۔ ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
''شرم نہیں آئی تمہیں۔ بوڑھے باپ کو اس طرح بے سہارا چھوڑتے ہوئے۔ بیٹے تو ماں باپ کا فخر ہوتے ہیں اور تم..... بولو ایسا کیوں کیا تم نے؟'' فریدہ نے اسے جھنجوڑتے ہوئے سوال کیا۔
''میں اپنے باپ کی مدد کرنا چاہتا تھا، مجھے بھی بہت دکھ ہو رہا تھا جب وہ لوگ میرے باپ کو دھکے دے رہے تھے۔ میرا دل کر رہا تھا کہ میں ان لوگوں کے وہ ہاتھ توڑ دوں، جن سے وہ میرے باپ کی تذلیل کر رہے تھے مگر.....'' علی کہتے ہوئے رک گیا اور اپنی شرٹ کی آستین سے اپنا بھیگا چہرہ صاف کیا۔
''مگر کیا؟'' فریدہ نے بے تابی سے پوچھا۔
''مگر مما! میرے ہائی کلاس دوستوں کو نہیں پتا کہ میرے بابا سبزی فروش ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا ہوا کہ میرے بابا کی سبزیوں کی آڑھت ہے۔ میرے سب دوستوں کے باپ بڑے بزنس مین ہیں۔ میں کیسے اس وقت کسی کو بتاتا کہ اتنے گندے کپڑوں میں ملبوس، مٹی میں اٹا، تھوڑے سے پیسوں کے لیے بحث کرتا یہ شخص میرا باپ ہے۔ مما! آپ خود ہی بتائیں کہ میرے ہائی فائی اسٹینڈرڈ سے ایسے حلیے والے بابا میچ کرتے ہیں؟ نہیں ناں! اور آپ نے ہی تو سکھایا ہے کہ اسٹینڈرڈ پر کبھی کمپرومائز نہیں کرتے۔ پھر میں کیسے سب کے سامنے مان لیتا کہ یہ میرے بابا ہیں۔'' علی نے سوال کیا اور دونوں کو حیرت میں گم دیکھ کر وہاں سے چلا گیا۔
''کمال کیا تم نے فریدہ بیگم!'' اظہر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ فریدہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''چلو میرا فیصلہ تو اس نے سنا دیا اور میں نے تسلیم کر بھی لیا مگر دھیان رکھنا کل کو اگر تم ان برانڈڈ کپڑوں اور ماڈرن حلیے کے بغیر، پرانے محلے والی فریدہ نظر آئی تو یہ نہ ہو کہ وہ تمہیں بھی اپنی ماں ماننے سے انکار کر دے۔ آخر بیٹا تو تمہارا ہی ہے ناں۔ اسٹینڈرڈ سے نیچے کیسے آئے! باقی کی ساری زندگی تم اب اس کے اسٹینڈرڈ کے مطابق جینے کو کوشش کرو۔ تمہاری جیسے ماؤں کی یہ ہی سزا ہے۔''
اظہر کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ جبکہ فریدہ حیرت میں گم بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ اس نے زندگی میں کتنے گھاٹے کا سودا کیا تھا۔

☆☆☆

''کرن پلیز اپنا موڈ ٹھیک کرو۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔'' حمزہ نے شاپنگ سے واپس آ کر تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
ایک مہینے کے بعد کرن کی چچازاد بہن کی شادی

تھی۔ جس کی تیاریوں میں وہ آج کل مصروف تھی۔ آج بھی حمزہ کو زبردستی اپنے ساتھ شاپنگ مال لے گئی تھی مگر واپسی پر بہت آف موڈ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو حمزہ برداشت کرتے ہوئے بھی پھٹ پڑا تھا۔

''پریشان؟ آپ سے زیادہ تو میں پریشان ہوں۔ میری شادی کو ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ بمشکل سات مہینے اور جب سے شادی ہوئی ہے ہر روز کوئی نئی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کیا میں نے شادی اس لیے کی تھی؟''

کرن نے اسے چیختے ہوئے کہا تو اس کی آواز سن کر اندر والے کمرے سے ساس اور نند بھی باہر نکل آئیں۔

''ارے کیا ہوا؟ اب کیوں لڑ رہے ہو تم دونوں؟ جب دیکھو تم دونوں کسی نئی بحث میں الجھے ہوتے ہو۔ یہ گھر ہے کسی جنگ کا میدان نہیں۔'' ساس نے سخت لہجے میں کہا تو کرن کو آگ ہی لگ گئی۔

''آنٹی یہ سب اپنے بیٹے کو سمجھائیں جس کے رونے ہی ختم نہیں ہوتے ہیں۔'' کرن نے بدتمیزی سے کہا۔

''تمیز سے بات کرو کرن! کیا تمہارے ماں باپ نے تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی ہے؟'' حمزہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

''کرن بیٹی! میں حمزہ کو بھی سمجھاؤں گی مگر تم بھی ذرا.....'' حمزہ کی ماں نے نرمی سے کہنا شروع کیا۔

''ذرا.....؟ کتنا کچھ برداشت کروں آنٹی؟ آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا کیا اسٹینڈرڈ ہے۔ ہمارے والدین نے ہمیں جو معیار زندگی دیا تھا۔ اب میں اس سے نیچے آ کر کیسے زندگی گزاروں؟ میری شادی کے بعد خاندان میں پہلا فنکشن ہے، میں کیا میں ایسے ہی اٹھ کر چلی جاؤں۔ پورے خاندان میں ہمارے ڈریس سے لے کر ہر چیز کی تعریف ہوتی تھی مگر اب.....'' کرن نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تو کرن بیٹی! آپ کی شادی کے سب ڈریسز اتنے خوب صورت اور مہنگے ہیں۔ آپ وہ استعمال کر سکتی ہیں اور بیٹی بزنس میں نفع نقصان تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہمیشہ حالات ایسے تو نہیں رہے گے نا۔ تھوڑا صبر کرو۔ سب پہلے جیسا ہو جائے گا۔'' حمزہ کی ماں نے سمجھایا۔

''واٹ صبر؟ آنٹی صبر کے چکر میں، کیا میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دوں؟ وہ سب ڈریسز میں پہن چکی ہوں۔ ویسے بھی نئے ڈیزائن آ گئے ہیں۔ مجھے نہیں پتا۔ مجھے اپنی کزن کی شادی میں ہر چیز بہترین چاہیے اور میں اسے گفٹ میں سونے کا سیٹ دوں گی۔'' کرن نے ضدی انداز میں کہا تو حمزہ گہری سانس لے کر اپنی جگہ سے اٹھا۔

''فی الحال تو میری جیب اجازت نہیں دیتی کہ میں کسی طرح کی بھی فضول خرچی کروں۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔''

حمزہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ کرن نے غصے سے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور فوراً اپنے گھر کال کر کے گاڑی منگوالی۔ ڈرائیور کے آنے تک وہ اپنا سامان پیک کر چکی تھی۔

''میں جا رہی ہوں۔'' کرن نے غصے سے کہا اور سب کے روکنے کے باوجود وہاں سے چلی آئی۔

کرن کی بے جا ضد اور بدتمیزی کی وجہ سے تنگ آ کر حمزہ نے اسے طلاق دے دی۔ طلاق کے پیپرز ہاتھ میں تھامے کرن گم صم بیٹھی رہ گئی۔

''بے وقوف لڑکی! یہ تم نے کیا کیا؟ اپنے ہاتھوں ہی اپنا گھر تباہ کر لیا۔ حمزہ اتنا اچھا لڑکا تھا مگر تم نے قدر نہیں کی۔''

فرحانہ نے کرن کو جھاڑتے ہوئے کہا۔ جوان بیٹی کی طلاق نے اسے بھی بہت دھچکا پہنچایا تھا۔ اس کے باپ کا سر تو جھکا کا جھکا ہی رہ گیا۔

''مما! آپ نے خود ستائش اور شو آف کا جو اسٹینڈرڈ ہمارے لیے بنا دیا تھا۔ میں اس سے نیچے

آ کر کیسے دیکھتی؟''

کرن نے مدھم لہجے میں سوال کیا تو فرحانہ کو لگا جیسے کسی نے اسے چابک رسید کیا تھا اور یہ ضمیر کا چابک اسے ساری عمر ہی برداشت کرنا تھا۔

☆☆☆

''میرے خیال سے اب ہمیں عماد اور عذیر کا اسکول تبدیل کروا دینا چاہیے۔'' فرخ نے رات کے کھانے کے بعد اظہار خیال کیا تو جمشید رضوی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''سب خیریت ہے؟'' انھوں نے پوچھا تو فرخ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''جی ابا جان! ایمل اور ردا کو بھی داخلہ کروانا ہے اور پھر دو سال تک ننھے علی کا بھی۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے دو بچے تو شہر کے سب سے اچھے اسکول میں تعلیم حاصل کریں اور باقی تینوں عام سے اسکول میں۔ اس لیے سب کو ایک ہی اسکول میں داخل کرواؤں گا۔'' فرخ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ مہنگائی کے طوفان کے آگے اب ان کی تنخواہ کافی نہیں پڑ رہی تھی۔ اس لیے وہ یہ فیصلہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''ہوں! ٹھیک سوچا تم نے۔ اللہ آسانی دے۔'' جمشید فاروقی نے کہا تو فرخ سر ہلا کر رہ گیا۔

مگر جب دس سالہ عذیر اور عماد کو پتا چلا کہ ان کا اسکول تبدیل ہو رہا ہے تو انھوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بمشکل سمجھا بجھا کر انھیں دوسرے اسکول جانے پر راضی کیا مگر دوسرے اسکول جا کر بھی وہ دونوں سیٹ نہیں ہوئے۔ آئے روز پرنسپل آفس سے ان کی شکایات ملنے لگیں۔ پڑھائی میں دونوں کمزور ہو گئے۔ گھر اور اسکول میں ضدی اور بدتمیز کے نام سے مشہور ہونے لگے۔ ایک دن تنگ آ کر فرخ نے ان دونوں کو بہت مارا۔ جمشید رضوی نے بمشکل انہیں چھڑوایا۔ دونوں روتے ہوئے دادا کے گلے لگ گئے۔ جمشید رضوی نے بمشکل انہیں چپ کروایا۔

''بچو! آپ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ پہلے تو آپ ایسے نہیں تھے؟'' جمشید رضوی نے نرمی سے پوچھا۔

فرخ بچوں کو روتا ہوا دیکھ کر پشیمانی کا شکار ہو کر ایک کونے میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''دادا جان! پاپا بھی تو پہلے ایسے نہیں تھے نا۔ انہوں نے ہمیشہ کہا کہ ہمارا ایک معیار، ایک اسٹینڈرڈ ہے۔ پہلے ہمیں سب سے اچھے اسکول میں داخل کروایا۔ ہم اپنے دوستوں اور سب کزنوں میں سب سے الگ لگتے ہیں۔ سب ہم سے متاثر تھے مگر جب سے ہم اس اسکول میں آئے ہیں، اب سب ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ بار بار پوچھتے ہیں کہ وہ اسکول کیوں چھوڑ دیا؟ دادا جان! ہمیں نہیں پڑھنا۔ ہم گھر میں ہی رہیں گے۔'' دونوں بچوں نے روتے ہوئے کہا تو جمشید رضوی نے ایک تاسف بھری نگاہ فرخ پر ڈالی جو شرمندگی سے اپنا بویا ہوا بیج بڑا ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا اب رونا بند کرو۔ آج سے میں آپ کا پکا والا دوست ہوں۔ اب آپ کو کوئی بھی کچھ کہے تو مجھے بتانا۔ میں اسے خود سمجھا لوں گا، ٹھیک ہے نا؟''

جمشید رضوی کے کہنے پر دونوں بچوں نے فوراً سر ہلایا۔ تو انہوں نے سکھ کی سانس لی۔ ابھی ان دونوں کے ذہن پختہ نہیں ہوئے تھے۔ ان معصوم ذہنوں کو تھوڑی سی محنت اور توجہ کے ساتھ درست راہ دکھانے کی ضرورت تھی۔ جمشید رضوی یقین تھا کہ وہ ضرور یہ مشکل کام سر انجام دے لیں گے کہ آخر سوال ان کی نسل کے مستقبل کا تھا۔

مگر سوال یہ ہے کہ.....

آج کے دور میں والدین ''اسٹینڈرڈ'' اور شو آف کی چکا چوند میں اپنے بچوں کے اچھی اور بہترین تربیت کے دعویدار ہیں۔

مگر کیا کھوکھلی بنیادوں پر ان کے روشن مستقبل کی مضبوط عمارت کھڑی ہو سکتی ہے؟

کیا سچ میں یہ ممکن ہے؟

سوچیں اور جواب اپنے بچوں کی تربیت کے کورے صفحے پر تحریر کیجیے گا۔

☆☆

نگہت عبداللہ

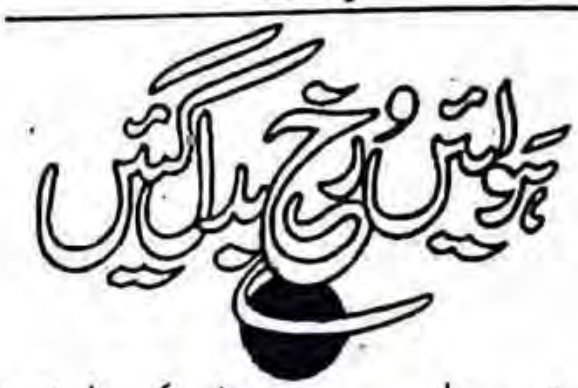

علی اور احمد علی دو بھائی تھے۔ حیدر علی بڑے تھے، چھوٹے بھائی احمد علی کے لیے وہ مشفق باپ تھے۔ احمد
کا تھا اور حیدر علی جس حد تک ممکن ہوتا بھاوج اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔
ی کو ان کے مزاج کے برعکس بیوی ملی تھیں۔ وہ جتنے نرم خو تھے حمیدہ بیگم اسی قدر تیز و طرار اور کسی حد تک بدز
ی کی بیوی فاخرہ ان ہی کی طرح نرم مزاج اور درگزر کرنے والی تھیں۔
ی کی تین بیٹیاں سمینہ، خزینہ اور شہرینہ تھیں جبکہ احمد علی کے دو بچے حمزہ اور بیلا تھے۔
ی شادی ہو چکی ہے۔ خزینہ اپنے باس تیمور غزنی کو پسند کرتی ہے جبکہ خزینہ کا خالہ زاد شرجیل اس کو چاہتا ہے۔
رشتہ، حیدر علی نے حمیدہ بیگم کی مرضی کے خلاف بھائی کی زندگی ہی میں ان کی کم عمری ہی میں کر دیا تھا جو
ن کے دلوں میں بھی مضبوط ہو چکا ہے۔
صاحب کا آفس میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو جاتا ہے۔ حمزہ کو جاب مل جاتی ہے لیکن اس کے
ب کی بیٹی ربیکا اس کو پسند کرنے لگتی ہے جو وقتاً فوقتاً حمزہ کو اپنی باتوں سے پریشان کرتی ہے۔
زنی اور سارہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، سارہ مس کیرج ہونے کی وجہ سے وہ اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ سارہ،
ست زوبی کا بے بی لینے کا کہتی ہے لیکن تیمور اس بات پر دل سے رضامند نہیں ہے۔

یا کے مشورے پر تیمور دوسری شادی کے لیے سوچنے لگتا ہے اور خزینہ اسے بالکل موزوں نظر آتی ہے
محبت کا اظہار کرتا ہے اور اسے سارہ کے بارے میں نہیں بتاتا اور کہتا ہے کہ فی الحال گھر والے راضی
ینہ سے چھپ کر شادی کرے گا اور بعد میں انہیں منا لے گا۔ خزینہ تیمور کی محبت میں رضامند ہو جاتی
س شادی پر راضی کر لیتی ہے۔ تیمور خزینہ کو ایک الگ فلیٹ میں بیاہ کر لے جاتا ہے۔

چھبیسویں

شہرینہ نے چند لمحے سوچا پھر انہیں میسج سینڈ کیا۔
''اچھی بات ہے میں آؤں گی۔''
''آپ ٹائم بتادیں میں گاڑی بھیج دوں گا۔'' جہانداد نے لکھا تھا۔
''نو سر میں خود آجاؤں گی۔'' اس نے گاڑی بھیجنے کو منع کیا۔
''کیسے آئیں گی؟'' فوراً پوچھا گیا۔
''اپنی سسٹر کے ساتھ۔''
''گھر یاد ہے؟''
''کچھ کچھ۔ احتیاط آپ ایڈریس سینڈ کردیں۔'' جہانداد نے ایڈریس سینڈ کردیا جسے دیکھ کر اس نے موبائل رکھ دیا۔ پھر کھانا گرم کر کے حمیدہ بیگم کے کمرے میں لے آئی۔ وہ نماز پڑھ چکی تھیں۔ اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔
''کوئی آیا تھا؟''
''جی امی طیبہ آئی تھی۔''
''تو چلی کیوں گئی۔ کھانے کا وقت ہے روک لیتیں۔'' حمیدہ بیگم اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے نارمل رہی تھیں۔
''روکا تھا لیکن وہ اسکول سے آرہی تھی اس لیے پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی اور ہاں اس کے جانے کے بعد ہی سر جہانداد کا میسج آگیا ان کی والدہ گھر آگئی ہیں۔'' اس نے بتایا تو حمیدہ بیگم پوچھنے لگیں۔
''کیسی طبیعت ہے ان کی۔''
''پتا نہیں۔ میں نے زیادہ بات کی بس یہی کہا کہ میں آجاؤں گی۔ اب امی آپ۔ خزینہ کو بلالیں۔ وہ کل آجائے تو اسے ساری بات بتادیں پھر میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' وہ بھی حمیدہ بیگم کی طرح کھانے میں مصروف رہ کر بول رہی تھی۔
''ہوں.....'' حمیدہ بیگم نوالہ منہ میں ڈال چکی تھیں جب ہی سر ہلا دیا۔
اس نے بھی پھر اس موضوع پر بات نہیں کی اور کھانے کے بعد خود ہی خزینہ کو فون کر کے کل آنے کا کہہ دیا۔ ساتھ دھمکی بھی دی کہ اگر نہیں آئی تو وہ ناراض ہوجائے گی۔ یوں بھی تیمور غزنی کی وجہ سے خزینہ کافی دنوں سے نہیں آئی تھی اس لیے اگلے دن ناشتے کے بعد ہی آگئی۔ اور شہرینہ کو دیکھ کر تعجب سے پوچھنے لگی۔
''خیریت تم گھر میں نظر آرہی ہو۔ اسکول نہیں گئیں۔''
''نہیں۔'' شہرینہ اس کی گود سے ہنی کو لے کر چومنے لگی۔ ہنی ماشاءاللہ گول مٹول ہوگیا تھا۔ خزینہ سمجھ گئی اب یہ کسی بات کا ڈھنگ سے جواب نہیں دے گی جب ہی حمیدہ بیگم کے گلے لگ کر ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ ان کا حال احوال پوچھنے کے بعد کہنے لگی۔
''میں نے غزنی سے کہا ہے ڈرائیور رکھ دیں تاکہ جب میں نہ آسکوں تو ڈرائیور بھیج کر آپ کو بلوالیا کروں گی۔ ٹھیک ہے ناں امی آپ بھی ایک جگہ بیٹھ بیٹھ کر اکتا جاتی ہوں گی۔''
''اپنے گھر میں کیا اکتانا بیٹا بس وقت گزر جاتا ہے۔'' حمیدہ بیگم نے کہا پھر شہرینہ سے مخاطب ہوئیں۔ پہلے کھانا بنالو شہرینہ پھر چلی جانا۔
''اسے کہاں جانا ہے؟'' خزینہ پوچھنے لگی۔
''تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ امی آپ اسے بتائیں میں کچن دیکھ لوں۔'' شہرینہ کہتے ہوئے ہنی کو اس کی گود میں ڈال کر چلی گئی۔ تو حمیدہ بیگم جہانداد اور ان کی والدہ کے بارے میں تفصیل سے خزینہ کو بتانے لگیں۔

☆☆☆

خزینہ نے ایڈریس دیکھ کر گاڑی ان ہی راستوں پر ڈال دی۔ تھوڑی مشکل تو ہوئی لیکن پہنچ گئیں۔ گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر خزینہ کی نظریں اٹھیں تو پھر وہ دیکھتی رہ گئی۔

''کیا ہوا؟'' شہرینہ نے ٹوکا تو وہ اسی بہت عالم میں بولی۔

''کتنا شاندار بنگلا ہے۔''

''اف ہمیں بنگلے سے کیا لینا دینا چلو اترو۔'' شہرینہ کہہ کر اتر گئی تو خزینہ نے پہلے ویومرر میں دیکھ کر اپنے بال ٹھیک کیے پھر اتر کر شہرینہ کے پاس آئی تو چوکیدار نے فوراً گیٹ کھول دیا۔ غالباً اسے یہی ہدایت کی گئی تھی۔

''تم نے جہانداد کو اپنے آنے کا بتا دیا تھا ناں؟'' خزینہ نے اندر داخل ہو کر پوچھا۔

''ہوں۔'' شہرینہ نے جہانداد کو آتے دیکھ کر منہ کے اندر ہی جواب دیا اور ان کے قریب آنے پر سلام کر کے بولی۔

''سر یہ میری سسٹر ہیں۔''

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر آیئے پلیز۔'' جہانداد نے کہنے کے ساتھ اندر چلنے کا اشارہ بھی کیا تو دونوں ان کے ساتھ اندر آ گئیں۔ سٹنگ روم جہاں شہرینہ حمیدہ بیگم کے ساتھ آئی تھی تو بیٹھی تھی۔ اس وقت دبیز پردے پڑے ہونے کے باعث تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جہانداد نے فوراً بڑھ کر ایک ساتھ تمام لائٹس آن کر دیں۔

''آپ تشریف رکھیں۔ ماں ابھی سو رہی ہیں کچھ دیر میں اٹھ جائیں گی۔ اور اٹھتے ہی وہ آپ کا پوچھیں گی۔'' انہوں نے آخر میں شہرینہ کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگی۔

''آپ کیسی طبیعت ہے ان کی؟''

''قدرے بہتر ہے۔ آپ بیٹھیں نا کیا لیں گی؟''

''پانی۔'' خزینہ نے فوراً کہا جیسے جانے کب سے پیاسی ہو۔ اور جہانداد بھی اسی تیزی سے چلے گئے۔

''معقول آدمی ہے۔'' خزینہ نے آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا تو شہرینہ اچھل پڑی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب معقول آدمی ہے۔ اب اس کی وضاحت کیسے کی جا سکتی ہے وہ مجھے نہیں پتا۔'' خزینہ نے خود ہی محظوظ ہو کر ہنسنے لگی۔ تب ہی ملازمہ نوری پانی لے آئی اس کے پیچھے دوسری ملازمہ مشروب لا رہی تھی۔

''پانی پیو تا کہ تمہارے حواس ٹھکانے آئیں۔'' شہرینہ نے نوری کی طرف اشارہ کیا جو گلاس میں پانی ڈال کر خزینہ کے متوجہ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

''اوہ تھینک یو۔'' خزینہ نے گلاس تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ دونوں ملازمائیں چلی گئیں تب جہانداد آ کر بیٹھتے ہی پوچھنے لگے۔

''گھر ڈھونڈنے میں دقت تو نہیں ہوئی آپ کو؟''

''زیادہ نہیں۔ ہوتی تو آپ کو فون کر کے ایڈریس سمجھ لیتی۔'' خزینہ نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''جی میں اسی انتظار میں تھا۔'' جہانداد نے کہا اور ایسی ہی چند رسمی باتوں کے بعد خزینہ اصل بات یعنی شہرینہ کے یہاں آنے جانے کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ملازمہ نوری نے آ کر کہا۔

''صاحب جی۔ بیگم صاحبہ شہرینہ شہرینہ پکار رہی ہیں۔''

''اوہ.....'' جہانداد اٹھنے لگے کہ شہرینہ ان سے پہلے کھڑی ہو گئی۔

''میں دیکھتی ہوں۔''

''ہاں تم جاؤ۔'' خزینہ نے جس انداز سے کہا اس سے جہانداد سمجھ گئے کہ وہ ان سے بات کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے وہ رک کر شہرینہ کو جاتے ہوئے دیکھنے لگے۔ پھر خزینہ کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ کہنے لگی۔

''مجھے امی نے آپ کی والدہ کے بارے میں بتایا ہے اور پھر ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اگر شہرینہ کی ذات سے ان کی صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے تو اسے ضرور ان کے پاس آتے رہنا چاہیے۔''

''بہت شکریہ مس.....''

''مسز خزینہ غزنی۔'' خزینہ نے فوراً اپنا شادی شدہ ہونا جتادیا۔

''جی مسز خزینہ۔ یہ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔'' وہ بے حد ممنون نظر آنے لگے۔

''نہیں۔ احسان کی کوئی بات نہیں۔ انسانیت کا یہی تقاضا ہے۔ البتہ شہرینہ اسکول کی جاب جاری نہیں رکھ سکے گی۔ کیونکہ جو ٹائم وہ اسکول کو دے رہی تھی وہ یہاں آپ کی مدر کے پاس آجائے گی۔ لیکن کیسے آئے گی یہ ایک مسئلہ ہے۔''

''اس کی آپ فکر نہ کریں ان کے لیے کنوینس کا انتظام یہاں سے ہوگا۔'' انہوں نے فوراً کہا تو خزینہ انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا کچھ غلط کہا میں نے؟''

''نہیں غلط تو نہیں کہا لیکن میں شاید سمجھا نہیں پائی۔ اصل میں امی یہ نہیں چاہتیں کہ آپ کی گاڑی روزان ان کے دروازے پر آئے اور شہرینہ کو آتے جاتے دیکھ کر لوگ باتیں بنائیں۔ اس کے لیے ایسا انتظام ہونا چاہیے جس سے پتا چلے کہ وہ جاب پر جارہی ہے۔'' خزینہ نے وضاحت کی تو وہ چند لمحے پرسوچ انداز میں سر ہلاتے رہے پھر کہنے لگی۔

''نو پرابلم۔ میں ایسا ہی انتظام کردوں گا۔ میرا خیال ہے وین ٹھیک رہے گی جس میں پہلے سے ایک دو خواتین اور بھی موجود ہوں گی۔''

''جی یہ ٹھیک ہے۔'' خزینہ نے تائید کرتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھالیا تو وہ پوچھنے لگی۔

''چائے تو چلے گی ناں؟''

''شیور..... خزینہ قصداً مسکرائی۔ جہانداد جائے کا کہنے چلے گئے تو وہ پھر زیرلب بڑبڑائی۔

''بندہ معقول ہے۔'' پھر اپنے آپ محظوظ ہورہی تھی کہ جہانداد آکر کہنے لگے۔

''ماں مس شہرینہ کے ساتھ بہت خوش ہیں۔''

''چلیں میں بھی ان سے مل لوں۔'' خزینہ اٹھنے لگی کہ وہ روک کر بولے۔

''وہ یہیں آرہی ہیں۔'' پھر بیٹھ کر پوچھنے لگے۔ ''آپ کے ہسبنڈ کیا کرتے ہیں؟''

''بزنس۔ غزنی انٹر پرائز شاید آپ نے نام سنا ہوگا۔''

''اوشیور..... مسٹر تیمور غزنی۔'' جہانداد قدرے مشتاق ہوئے تھے۔

''جی تیمور غزنی میرے ہسبنڈ ہیں۔'' خزینہ نے کہا تو وہ چونک کر چند لمحہ کو خاموش ہوئے پھر پوچھنے لگے۔

''آپ مسٹر تیمور غزنی کی فرسٹ وائف ہیں یا سیکنڈ؟''

''جی.....'' خزینہ نے ایک دم انہیں دیکھا تو وہ سٹپٹا گئے۔

''سوری مجھے پرسنلز میں نہیں جانا چاہیے۔ لیجیے ماں آگئیں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور خزینہ جیسے کچھ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ اس کا ذہن ماؤف ہورہا تھا۔ شہرینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی کھڑا کیا تب وہ ماں کو دیکھ کر کوشش سے مسکرائی۔

☆☆☆

ربیکا کو ثمرہ نے بتایا تھا کہ اس کی ساس اور نند آئی تھیں تو اس وقت اس نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ بس سرسری سنا تھا اصل میں اس وقت وہ نیلی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ تو اس کا دھیان اس طرف زیادہ تھا۔ اور اب جب وہ ادھر سے فارغ ہوگئی تھی تو حمزہ کو سوچتے ہوئے اچانک اسے یاد آیا کہ ثمرہ اس کی ساس اور نند کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکل کر ثمرہ کے پاس آگئی۔

''ممی اس روز آپ میری ساس اور نند کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں کیا ہوا ہے انہیں؟'' اس نے پوچھا تو اب ثمرہ سرسری انداز میں بولیں۔

''میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا تھا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ دونوں آئی تھیں۔''

''کون آنٹی اور بیلا۔ یہاں آئی تھیں؟'' ربیکا کی غیر یقینی پر ثمرہ جھنجلا گئیں۔

''تو اور کہاں جائیں گی تمہیں لینے یہیں آئیں گی۔''

''پلیز ممی، مجھے ٹھیک سے اور آرام سے بتائیں کیوں آئی تھیں وہ اور کیا کہہ رہی تھیں۔'' ربیکا زچ ہو کر ان کے پاس بیٹھ کر لجاجت سے بولی۔

''کیا کہتیں۔ یہی کہا کہ تم سے ملنے اور تمہیں لینے آئی ہیں۔''

''وہ لینے آئیں اور حمزہ کیوں نہیں آیا۔'' ربیکا فوراً بولی۔ لہجے میں حد درجہ تنفر سمٹ آیا تھا۔

''یہی میں نے ان سے کہا کہ ربیکا آپ کی بہو بعد میں پہلے حمزہ کی بیوی ہے۔ اور اصولاً اسے آنا چاہیے پھر میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اب میری بیٹی اس گھر میں نہیں جائے گی اگر وہ اس رشتے کو قائم رکھنا چاہتی ہیں تو حمزہ سے کہیں اسے بنگلے میں لے جائے۔'' ثمرہ نے بتایا تو اس کی آخری بات پر ربیکا ایک دم پرجوش ہوگئی۔

''یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا ممی۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی حمزہ آئے گا تو میں اس کے ساتھ جانے کی یہی شرط رکھوں گی۔''

''ہوں۔'' ثمرہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر پوچھنے لگیں۔ ''تمہارا کیا خیال ہے وہ بڑھیا حمزہ کو ماننے دے گی۔''

''بڑھیا کا کوئی مسئلہ نہیں ممی۔ وہ پتا نہیں کون سی صدی کی عورت ہیں۔ پھر میں نے دیکھا ہے ان میں چالاکی بھی نہیں ہے آرام سے میری بات مان لیتی ہیں۔ بس آپ حمزہ کو آنے دیں۔''

''تو کیوں نہیں آرہا وہ۔ تم نے اسے کال کی؟'' ثمرہ نے پوچھا تو وہ پھر ڈیپریس ہوگئی۔

''نہیں۔ میں اسے کال نہیں کروں گی۔ وہ خود آئے گا۔ آنا پڑے گا اسے۔''

''بہرحال یہ مسئلہ جلدی حل ہونا چاہیے۔'' ثمرہ نے کہا تو وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

''کیوں آپ مجھ سے تنگ آگئی ہیں ممی؟''

''میں کیوں تنگ آؤں گی۔ تمہارے ڈیڈی بار بار پوچھتے ہیں تو میں ان کے سوالوں سے تنگ پڑتی ہوں۔ پھر شہنیلا بھی آکر اتنی باتیں سنا جاتی ہے۔''

''کیوں سنتی ہیں آپ۔ یہ شہنیلا کا میٹر نہیں ہے میرا میٹر ہے اور میں خود سالو (حل) کروں گی اسے۔ کہہ دیجیے گا اس سے۔'' وہ غصے سے کہہ کر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی تو کچھ دیر شہنیلا پر تلملاتی رہی پھر سر جھٹک کر حمزہ کو سوچنے لگی۔ اس کے خیال میں اپنی ماں اور بیلا کو حمزہ ہی نے بھیجا ہوگا اور اب وہ خود آئے گا۔ اس رخ پر سوچتے ہوئے اسے اپنے مقصد میں کامیابی کا یقین ہو چلا تھا۔

☆☆☆

خزینہ کے اندر بے چینی پھیل گئی تھی۔ شہرینہ کو گھر چھوڑ کر وہ پھر رکی ہی نہیں ضروری کام کا بہانا کر کے گھر آگئی۔

نی کو نجمہ خالہ کے حوالے کر کے کمرے میں بند ہو گئی۔ اس کے ذہن میں مسلسل جہانداد کی آواز گونج رہی تھی۔
"آپ مسٹر تیمور غزنی کی فرسٹ وائف ہیں یا سیکنڈ۔"
"غزنی۔" اس کا دل ڈوبنے لگا اور ایک دم اسے یاد آیا۔ اس روز تیمور غزنی اپنے کسی دوست کی داستان اسے سنا رہے تھے کہ اسے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی اور اس نے اس سے شادی کر لی۔
"تو کیا وہ لڑکی میں ہوں۔"
"نہیں غزنی ایسا نہیں کر سکتے نہیں۔" وہ کتنی دیر نہیں میں سر ہلاتی رہی لیکن اس کا ذہن اسی بات پر اٹکا رہا۔
"یا اللہ...... میں کس سے پوچھوں اور پھر کیسے بتاؤں کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ غزنی نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میری خوش قسمتی پر رشک اور حسد کرنے والے مجھ پر کتنا ہنسیں گے۔ اف نہیں۔
اس کا ذہن چیخنے لگا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر اس نے سر کو زور زور سے جھٹکے دیے۔ لیکن اس خیال کو نہیں جھٹک سکی۔ اچانک خود کو تنہا اور بے بس محسوس کرنے لگی۔ اسے لگا کوئی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ کیونکہ اس نے بھی تو کسی کی نہیں سنی تھی۔ صرف تیمور غزنی کا یقین کیا تھا۔ اور اسی یقین کا دامن تھام کر اس نے سیل فون اٹھا کر اس کا نمبر پش کر دیا۔
"ہاں سوئیٹ ہارٹ میں بس کچھ دیر میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔" تیمور غزنی نے کال ریسیو کرتے ہیں کہا تو وہ بہت ضبط سے بولی تھی۔
"نہیں......"
"کیا نہیں......؟" وہ کہاں سمجھ سکتا تھا کہ وہ کس عذاب سے گزر رہی ہے۔
"آپ یہاں آنے کی زحمت نہ کریں۔" اس نے کہا تو اب بھی وہ نارملی پوچھنے لگا۔
"کیوں تم کہاں ہو؟"
"ابھی تو یہیں ہوں۔ لیکن تھوڑی دیر میں نکل جاؤں گی۔ کہاں جاؤں گی یہ مجھے نہیں پتا۔" اس کے اندر کا درد بول رہا تھا۔ تیمور غزنی ٹھٹک گیا۔
"خزی۔ کیا ہوا ہے۔ تم ٹھیک تو ہو۔"
"پتا نہیں......"
"اچھا میں آ رہا ہوں۔ ابھی آ رہا ہوں۔" اس کی عجلت پر اس نے فوراً بند باندھ دیا۔
"ایک منٹ غزنی۔ آنے سے پہلے میری ایک بات کا جواب دیں۔"
"ہاں بولو کیا بات ہے؟"
"سچ...... میں صرف سچ سنوں گی غزنی۔" وہ بنا حرکت کیے بول رہی تھی۔
"مائی گاڈ! آخر ایسی کیا بات ہے۔ اچھا دیکھو میں آ رہا ہوں پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"نہیں پہلے میں جو پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دیں۔ میں آپ کی فرسٹ وائف ہوں یا سیکنڈ......؟" وہ ایک دم سے کہہ گئی اور ادھر تیمور غزنی چکرا گیا۔
"کیا...... تم...... تم......"
"میں جو پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دیں۔" ضبط کے بندھن کیا ٹوٹے وہ چیخ پڑی۔
"ریلیکس خزی۔ میں بتا رہا ہوں ناں اصل میں۔" وہ تمہید باندھنے جا رہا تھا کہ خزینہ نے ٹوک دیا۔
"فرسٹ یا سیکنڈ۔" میں اس سے ہٹ کر کچھ نہیں سنوں گی۔" وہ ابھی بھی چلا کر بولی تھی۔

"بس...... سیکنڈ۔" تیمور غزنی کے منہ سے بمشکل نکلا۔

خزینہ کی سماعتیں سائیں سائیں کرنے لگیں۔ کچھ اور سننے کا یارا نہیں تھا نہ وہ سننا چاہتی تھی۔ مان ٹوٹ گیا تھا تو وہ فون پٹخ کر ٹوٹ کے روئی۔ تیمور غزنی نے کچھ دیر میں آنے کو کہا تھا لیکن ابھی وہ شاید ہی آئے۔ لیکن نہیں وہ آ گیا۔ کمرے کا دروازہ ناک کر رہا تھا۔

"خزی...... خزی دروازہ کھولو......" خزینہ تکیے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔ گو کہ وہ کمزور لڑکی نہیں تھی لیکن یہاں وہ ٹوٹ گئی تھی۔

"خزی، پلیز۔ تمہیں میری قسم دروازہ کھولو......" تیمور غزنی نے اپنی قسم دے کر اسے مجبور کر دیا۔

وہ تکیہ پھینک کر اٹھی اور دروازہ کھولتے ہی منہ موڑ کر ڈریسنگ روم میں چلی آئی تو ایک پل میں فیصلہ کر لیا۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی۔" تیمور غزنی کو سنا کر بولی اور الماری سے بیگ کھینچ کر اس میں اپنے کپڑے رکھنے لگی۔

"یہ...... یہ کیا کر رہی ہو۔" وہ اس کے ہاتھ سے بیگ کھینچتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ کہیں نہیں جاؤ گی تم۔"

"غزنی پلیز مجھ سے بات مت کرو۔ ہٹ جاؤ سامنے سے۔" بہت ضبط کی سعی میں اس کی آواز بھاری ہو گئی۔

"ہٹ جاؤں گا۔ نہیں آؤں گا تمہارے سامنے، لیکن تم کہیں نہیں جاؤ گی۔"

"کیوں نہیں جاؤں گی۔ تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے۔ جھوٹے، فریبی، مکار، میں نے تمہارا، تمہاری ہر بات پر اعتبار کیا تھا۔ لیکن تم نے مجھے دھوکا دیا۔ کیا بتاؤں گی میں سب کو کہ جس کے لیے میں نے سب کو جھٹلایا تھا وہی فریبی نکلا۔" وہ جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔ غصے میں وہ سارے لحاظ بھلا بیٹھی تھی۔

"میں نے تمہیں فریب نہیں دیا خزی، چاہا ہے تمہیں۔ دل سے اپنایا ہے۔ بتاؤ کیا کمی دی تمہیں۔" تیمور غزنی اسے کندھوں سے تھامنا چاہتا تھا لیکن وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے۔ میں اب تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔ اور ٹھیک کہا تم نے کوئی کمی نہیں دی کمی تو مجھ میں تھی۔ چھوٹے گھر کی لڑکی بڑے آدمی کا اعتبار کر بیٹھی۔" وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تیمور غزنی پریشان ہو گیا۔

"خدا کے لیے خزی رو مت۔ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔"

"تم کیا جانو تکلیف کیا ہوتی ہے۔ صرف دل ہی نہیں ٹوٹا میرا، پوری ہستی بکھر گئی ہے۔ کہاں تک خود کو سمیٹوں گی۔ نہیں سمیٹ سکتی۔ اگر یہ سچائی پہلے بتا دیتے تو شاید......"

"مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے واقعی تمہیں پہلے بتانا چاہیے تھا۔ بس یہ ڈر تھا کہیں میں تمہیں کھو نہ دوں۔"

"تم کھو چکے ہو مجھے۔" وہ اسے دھکیل کر ڈریسنگ روم سے نکل آئی۔

"نہیں تمہیں کھو کر میں جی نہیں پاؤں گا۔" وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

خزینہ نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ جانے کیسا شور تھا۔ لوگ ہنس رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

"بیٹھ جاؤ خزی۔ بیٹھ کر میری بات سنو......" وہ منت سے بولا تھا۔

"اب کچھ نہیں سنوں گی نہ میں یہاں رہوں گی۔" وہ کہہ کر تیزی سے جانا چاہتی تھی لیکن تیمور غزنی نے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"تمہیں ... [illegible]

آؤں گا۔ کبھی نہیں۔'' تیمور غزنی اسے روکنے کی خاطر خود نکل گیا۔
خزینہ نے اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ دیکھ لیتی تو شاید کبھی نہ جانے دیتی۔

☆☆☆

''دیکھو حمزہ، میری بات سنو بیٹا.....'' فاخرہ نہایت عاجزی سے گویا ہوئی تھیں۔ ''تم نے اپنی من مانی کی تو میں نے تمہاری خوشی کی خاطر اپنے دل کو راضی کر لیا۔ اب تم کیوں نہیں میری خوشی کا خیال کر رہے۔ میں تمہیں ہنستا بستا دیکھنا چاہتی ہوں اور سچ کہوں مجھے اپنی بہو سے کوئی شکایت نہیں۔ تمہیں بھی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ وہ تمہاری پسند ہے۔''
حمزہ سر جھکائے خاموشی سے سن رہا تھا۔
''سن رہے ہو ناں۔ جاؤ دلہن کو منا کر لے آؤ۔ میں لوگوں کو جواب دیتے دیتے تھک گئی ہوں۔ اس روز بیلا کی ہونے والی ساس اور نند آئی تھیں تو وہ بھی بار بار دلہن کا پوچھ رہی تھیں۔ پھر تم خود سوچو شائستہ آنے والا ہے اور اس کے آتے ہی اس کے گھر والوں کا روزانہ کا یہاں آنا جانا شروع ہو جائے گا۔ ایسے میں دلہن کو یہاں ہونا چاہیے کہ نہیں۔''
''ہونا تو چاہیے لیکن جب وہ آنا ہی نہیں چاہتی تو میں کیا کروں۔'' وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولا۔
''کیوں نہیں آنا چاہتی۔ تم نے اس سے پوچھا ہے؟''
''نہیں مجھے پتا ہے۔''
''اپنے آپ پتا ہے۔ غلط بات ہے حمزہ۔ ساری باتیں اپنے آپ فرض کر کے بیٹھ جاؤ۔ جا کر اس سے بات کرو۔ مل بیٹھ کر بات کرنے سے ہی بات بنتی ہے۔ وہ اپنی ضد میں اڑی رہے تم اپنی ضد میں تو بیٹا ایسے تو رشتے نہیں بنتے۔'' فاخرہ بہت عاجزی سے اسے سمجھا رہی تھیں۔
''سوچ لیں اماں اگر اب میں اس کے سامنے جھک گیا تو پھر ساری زندگی جھکے رہنا پڑے گا اور یہ میں نہیں چاہتا۔ مانتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی تو آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں ساری زندگی اس ایک غلطی کا ماتم کرتا رہوں۔ ٹھیک ہے اگر آپ کی یہی خوشی ہے تو چلا جاؤں گا جھک جاؤں گا اس کے سامنے۔'' حمزہ کے لہجے میں بے حد کڑواہٹ تھی۔
''جھکنے کی کیا بات ہے۔ آرام سے پیار سے سمجھاؤ اسے اور ہاں اگر وہ اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی تو تم اس کے لیے اچھے بڑے گھر کا انتظام کر لو۔'' فاخرہ اسے گھیر کر اصل بات کی طرف آئی تھیں۔
''اچھا بڑا گھر.....'' وہ سلگ گیا۔ ''یہ آپ نے خوب کہی اماں۔ اتنی آمدنی نہیں ہے میری۔ تنخواہ کرائے میں چلی جائے گی تو پھر دال روٹی کو بھی بیٹھے رہیں گے۔''
''تو بہو کا اپنا بنگلا بھی تو ہے اس کے ساتھ وہاں جا رہو۔'' گویا فاخرہ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ جبکہ وہ مزید تلملا گیا۔
''میں وہاں جا رہوں اور آپ؟ کیا آپ کو بھی بنگلے میں رہنے کا شوق ہے۔''
''نہیں، مجھے یہاں کوئی مسئلہ نہیں۔ پھر میں کیوں اپنا گھر چھوڑوں گی۔ اللہ کا شکر ہے اس نے اپنی چھت دے رکھی ہے۔ تمہارے باپ کا جنازہ اسی گھر سے نکلا تھا میرا بھی اسی گھر سے نکلے گا۔''
''اور میرا بھی.....'' وہ کہہ کر ایک دم اٹھ کر کمرے سے نکل گیا فاخرہ نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اور بیلا جو بظاہر انجان بنی کچھ کاڑھنے میں مصروف تھی نظریں اٹھا کر چند لمحے ماں کو دیکھتی رہی پھر اٹھ کر ان کے لیے پانی لے آئی۔
''لیں اماں پانی پئیں۔'' فاخرہ جو سناٹے میں بیٹھی تھیں ان کی نظریں بیلا پر جا ٹھہریں۔
''پانی پئیں۔'' بیلا نے پھر کہا۔ تو فاخرہ رندھی آواز میں بولیں۔
''سنا تم نے کیسے کلیجہ چیر کے رکھ دیتا ہے۔''

"تو آپ کیوں انہیں مجبور کرتی ہیں۔ چھوڑ دیں انہیں ان کے حال پہ۔" بیلا نے بیٹھ کر پانی کا گلاس ا
کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ تو فاخرہ ایک گھونٹ لے کر بولیں۔

"کیسے چھوڑ دوں۔"

"بس چپ ہو جائیں آپ۔ خواہ مخواہ بات کو نہ بڑھائیں۔ ابھی وہ گھر پر ہیں۔ سن لیں گے تو ایک ہنگا
کھڑا ہو جائے گا۔" بیلا نے ان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کہا تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک گئے۔

☆☆☆

جہانداد نے شہرینہ کے لیے کنوینس کا فوری انتظام کر دیا تھا، جیسا کہ خزینہ نے ان سے کہا تھا۔ البتہ ٹائمنگ
شہرینہ نے سیٹ کی تھی تو دن کے گیارہ بجے آفس وین اسے لینے آ جاتی جس میں ایک ادھیڑ عمر خاتون اور
لڑکیاں موجود ہوتیں۔ جس سے دیکھنے والے کو یہی لگتا کہ وہ آفس جا رہی ہے۔ البتہ واپسی کے لیے اس کا کو
ایک وقت نہیں تھا۔

بہرحال پہلے دن وہ قدرے گھبرائی ہوئی تھی۔ لیکن کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے وہ پریشان ہوتی یا خو
کو مشکل میں محسوس کرتی۔ اور سب سے زیادہ اطمینان بخش بات یہ تھی کہ بس پہلے دن ہی جہانداد اس سے م
تھے۔ اس کا شکریہ ادا کیا اور جب یہ کہا کہ اب وہ روزانہ آفس جا سکیں گے اور ان کی غیر موجودگی میں اسے کوئی
مسئلہ ہو تو وہ انہیں فون کر لے۔ اب وہ ان سے کیا کہتی کہ اسے ان کی موجودگی میں ہی مسئلہ ہوتا ہے۔ جا
کیوں وہ کنفیوز ہو جاتی ہے۔ اس نے کہا نہیں لیکن سوچا ضرور اور اطمینان سے ہو گئی تھی۔ پھر اگلے دن سے ہی و
اس کے پہنچنے سے پہلے آفس جا چکے تھے۔ غالباً اس دوران ان کا کافی نقصان ہو چکا تھا۔ بہرحال اب ماں کی
ساری ذمہ داری اس پر تھی۔ انہیں بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا پڑتا تھا۔ اور یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا۔

اسے یہاں آتے ہوئے آج تیسرا دن تھا اور پچھلے تین چار دنوں سے جو گہرے بادل چھائے ہوئے تھے
جن کی وجہ سے سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ تو آج اچانک دھوپ نکل آئی تھی۔ سردیوں کی ہلکی ہلکی
دھوپ تھی۔ وہ ماں کو کمرے سے نکال کر لان میں لے آئی۔ خود اس کا بھی دل چاہ رہا تھا دھوپ میں بیٹھنے کو۔

"کافی پئیں گی آنٹی۔" یہ بھی اس کی اپنی خواہش تھی۔ ماں خوش ہو کر اثبات میں گردن ہلانے لگیں۔

"میں کافی بہت اچھی بناتی ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کافی بنا لاؤں۔" اس نے پوچھا تو ماں ہنس
کر کہنے لگیں۔

"مجھ سے اجازت لے رہی ہو۔ کیوں یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ جو دل چاہے کرو۔ میں تو مہمان ہوں۔ رحیم
داد آئے گا تو میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

"مجھے چھوڑ کر۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"نہیں نہیں......"

"اچھا میں کافی لاتی ہوں۔" اس سے پہلے کہ ماں اسے اپنے ساتھ لے جانے کا کہتیں۔ وہ کافی کے
بنانے اٹھ گئی۔

کچن کافی کشادہ تھا اور وہاں دو ملازم عورتیں کام کر رہی تھیں اسے دیکھ کر ایک نے فوراً پوچھا۔

"کیا چاہیے بی بی؟"

"نہیں بس تم مجھے کافی چینی اور دودھ نکال دو۔" وہ کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ملازمہ نے تینوں
چیزیں سلیب پر رکھ دیں تو وہ چولہے کے پاس آ گئی۔ دونوں عورتیں اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔ کافی پھینٹتے
ہوئے اس کے ہاتھ بہت تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ پھر دودھ ڈال کر اس نے دونوں مگ

ملازمہ کہنے لگیں۔
''آپ چلیں بی بی۔ میں لے آتی ہوں۔''
''نہیں تم اپنا کام کرو۔'' وہ ٹرے لے کر کچن سے نکل آئی۔
ماں لان چیئر کی بیک پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کیے بیٹھی تھیں۔ اس نے وہ ٹرے میز پر رکھ کر انہیں مخاطب کیا۔
''آنٹی، کافی لیں.....'' ماں آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں۔
''آپ کو نیند آ رہی ہے؟''
''ہاں لیکن پہلے میں کافی پیوں گی۔ تم نے بنائی ہے ناں۔''
''جی.....'' اس نے ٹرے سیگ اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ جسے تھام کر ماں کافی سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتے ہوئے جانے کس سوچ میں گم ہو گئیں۔
''یا اللہ.....'' شہرینہ قدرے خائف ہو گئی کہ کہیں اب وہ چیخنے چلانے نہ لگیں۔ ایسے میں وہ کہاں چھپے گی۔ غیر ارادی طور پر اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹک کر چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگیں کہ ڈاکٹر منصور کو آتے دیکھ کر اس کی جیسے جان میں جان آ گئی۔
''واہ، ماشاء اللہ۔ ماں دھوپ کے مزے لے رہی ہیں اور ساتھ کافی بھی گڈ ویری گڈ۔'' ڈاکٹر منصور ماں کے چیک اپ کے لیے آئے تھے۔ انہیں فریش دیکھ کر خوش ہو گئے۔ پھر اس سے پوچھنے لگے۔
''آپ کیسی ہیں؟'' اس نے سر ہلانے کے ساتھ اپنا کافی کا مگ اٹھا کر ان کے آگے رکھ دیا۔
''ارے نہیں آپ۔''
''نہیں یہ آپ کے لیے ہے۔'' وہ کہہ کر ماں کو دیکھنے لگی جو اب گھونٹ گھونٹ کافی پی رہی تھیں۔
''اچھا کیا ماں۔ آپ کمرے سے نکل کر ادھر آ گئیں۔ اسی طرح گھر میں چلا پھرا کریں۔ صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔'' ڈاکٹر منصور نے کہا تو ماں یکدم نروٹھی بن گئیں۔
''کیوں کیا ہوا میری صحت کو۔ اچھی بھلی ہوں۔ تم زبردستی مجھے دوائیں کھلاتے رہتے ہو۔''
''میں کیا کروں ماں ڈاکٹر ہوں ناں عادت سے مجبور ہوں۔'' ڈاکٹر منصور سر کھپاتے ہوئے بولے۔
''ابھی دیکھو میں نے کوئی دوا نہیں لی پھر بھی مجھے نیند آ رہی ہے۔''
''جی آنٹی آپ کو سونا تھا۔ چلیں میں آپ کو کمرے میں لے چلوں۔'' شہرینہ نے اس خیال سے کہ کہیں ان کا موڈ زیادہ نہ خراب ہو جائے فوراً کہہ کر اٹھنے لگی کہ ماں ہاتھ کے اشارے سے روک کر کہنے لگیں۔
''میں خود جا سکتی ہوں۔ مجھے اپنے کمرے کا پتا ہے۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر چل پڑیں۔ شہرینہ ان کے پیچھے دیکھے گئی۔ جب وہ کوریڈور سے اندر چلی گئیں تب سیدھی ہو کر بیٹھی۔
''کافی تو ٹھنڈی ہو گئی ڈاکٹر صاحب میں اور.....''
''نو تھینکس..... ڈاکٹر منصور اسے روک کر پوچھنے لگے۔ آپ نے ماں کی نفسیات سمجھ لی ہے ناں؟''
''کچھ کچھ.....''
''بس اسی طرح ان کے ساتھ باتیں کرتی رہا کریں تو ان شاء اللہ آہستہ آہستہ انہیں سب یاد آ جائے گا۔'' ڈاکٹر منصور نے کہا تو اس کا دل چاہا پوچھے وہ انہیں کیا یاد دلانا چاہتے ہیں لیکن انہیں عجلت میں دیکھ کر خاموش رہی تھی۔

☆☆☆

تیمور غزنی بے حد ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ گو کہ اسے شروع سے اندازہ تھا کہ جب خزینہ کو اس کی پہلی شادی کا پتا

چلے گا تو وہ ناراض ہو گئی لیکن ابتدا میں وہ اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ اس وقت اس کا خزینہ کے ساتھ دل کا معاملہ نہیں تھا...... اور وہ سمجھتا تھا کہ وہ سارہ کی جگہ کبھی نہیں لے سکتی۔ لیکن اس کے بچوں کی ماں بن کر تو گویا خزینہ نے اسے فتح کر لیا تھا۔ حقیقتاً اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے اتنی اہم ہو جائے گی کہ اس کی ناراضی جان پر بنا دے گی۔

آج تین دن ہو گئے تھے وہ خزینہ کے پاس نہیں گیا تھا۔ اور یہ طے تھا کہ وہ بلائے گی تب ہی جا سکے گا۔ البتہ صبح شام اسے سوری کا میسج کر رہا تھا۔ لیکن جواب ندارد...... وہ اس سے متنفر تھی اور کٹھور بھی ہو گئی تھی اور وہ تھا کہ اس کا کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ چڑچڑا بھی ہو رہا تھا۔ آفس میں ورکرز کی شامت آ جاتی اور گھر میں بھی بات بے بات غصہ کر رہا تھا۔ بابا مسلسل اسے نوٹس کر رہے تھے اور اس رات انہوں نے پھر اسے اپنی اسٹڈی میں بلا لیا اور بٹھا کر پوچھنے لگے۔

''کتنے دنوں سے میں تمہیں اپ سیٹ دیکھ رہا ہوں۔ کیا بات ہے۔ سب ٹھیک تو ہے ناں؟''

''نہیں بابا ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ٹھیک نہیں ہے؟''

''وہ خزینہ میری شادی کا سن کر ناراض ہو گئی ہے۔ گھر چھوڑ کر جا رہی تھی لیکن میں چلا آیا یہ کہہ کر کہ جب وہ بلائے گی تب ہی آؤں گا۔ آج تین دن ہو گئے ہیں بابا۔ میں اسے میسج بھی کر رہا ہوں لیکن وہ جواب نہیں دے رہی۔ میں اسی بات سے پریشان ہوں۔ وہ اکیلی کیسے رہے گی۔ پھر ہنی بھی مجھ سے اتنا مانوس ہو گیا ہے۔ جب جاتا ہوں تو ہاتھ پاؤں چلا کر خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ مجھے وہ بھی یاد آ رہا ہے۔ میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا بابا۔'' وہ بولے چلا گیا۔

''ہم......'' بابا اس کی پوری بات سن کر پرسوچ انداز میں سر ہلانے لگے۔

''بتائیں بابا میں کیا کروں؟''

''صبر......'' بے ساختہ جواب تھا۔ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگے۔ ''صبر سے کام لو۔ اس کا غصہ ناراضی بجا ہے۔ ابھی وہ نہ کچھ سنے گی نہ سمجھے گی۔ اس لیے تم زبردستی اس سے کوئی بات منوانے کی کوشش مت کرنا۔ تھوڑا انتظار کرو۔ اس کا غصہ ٹھنڈا ہونے دو۔ لیکن اس دوران اس سے غافل مت ہونا۔ مطلب اس کی اور بچے کی ضروریات پوری کرنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے سمجھ رہے ہو ناں؟''

''جی......''

''ٹھیک ہو جائے گا، ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور ہاں تم اپنے آپ پر قابو رکھو۔ پریشانی اس طرف کی ہے اور ظاہر یہاں ہو رہی ہے۔ ٹھیک ہے تم اپ سیٹ ہو لیکن تمہارے اس رویے سے اگر سارہ کو کچھ شک ہو گیا تو پھر مسئلہ گمبھیر ہو جائے گا۔ اس لیے احتیاط کرو۔'' بابا نے اس کے چڑچڑے پن کو جتا کر سمجھایا۔

''سوری بابا۔ میں کوشش کروں گا۔ اصل میں مجھے خود پتا نہیں ہوتا میں کیا کر رہا ہوں۔ کیا کہہ رہا ہوں۔ ماما بھی ٹوک رہی تھیں کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔'' وہ نادم ہو گیا۔

''بس اب خیال رکھنا اور فکر مت کرو تمہارے بچوں کی ماں کہیں نہیں جائے گی۔'' بابا اس کا کندھا تھپک کر مسکرائے تو وہ جھینپ گیا۔

''جاؤ آرام کرو۔'' وہ شب بخیر کہہ کر وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی رک گیا۔

سارہ کمبل میں نیم دراز اپنے سیل فون میں مصروف تھی۔ وہ بلا ارادہ اسے دیکھے گیا۔ یہ لڑکی اس کی اولین محبت تھی [illegible]

سبقت لے گئی تھی۔ کیا صرف اس لیے کہ اس نے اسے باپ کے رتبے پر فائز کر دیا تھا۔ اور سارہ اسے یہ خوشی نہیں دے سکتی تھی۔ لیکن اس میں سارہ کا کیا قصور۔ وہ کیوں اس سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا دل پہلے کی طرح اس کی طرف کیوں نہیں کھنچتا۔

''یہ دل بھی عجیب شے ہے۔'' اس نے سوچا تھا کہ سارہ موبائل سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''کیا ہوا تیمی.....؟'' اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی۔

''بابا نے بلایا تھا کیا کہہ رہے تھے؟'' سارہ کہنیوں پر وزن ڈال کر مزید اونچی ہو گئی۔

''کچھ نہیں بزنس ڈسکس کر رہے تھے۔ سر میں درد ہو گیا۔ کافی ملے گی؟'' اسے اس وقت کافی کی شدید طلب تھی۔

''اوہو تیمی، میں اب کمبل سے نہیں نکل رہی، بٹلر سے کہہ دو۔'' سارہ نے کمبل مزید اپنے اوپر کھینچ لیا۔

''وہ تو اپنے کوارٹر میں چلا گیا۔''

''تو پھر سو جاؤ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' سارہ نے کروٹ بدل لی۔

''اور مجھے نیند کہاں آئے گی۔'' اس نے سوچا اور کمرے سے نکل کر خزینہ کو میسج کیا تھا۔

''ایک کپ کافی ملے گی.....''

☆☆☆

خزینہ کے اندر گو کہ بے حد غصہ بے حد ناراضی تھی۔ سارا وقت وہ یہی سوچتی کہ کبھی غزنی سے بات نہیں کرے گی کبھی اس کی شکل نہیں دیکھے گی۔ مزید دل بغاوت پر بھی اکساتا تھا کہ وہ کیوں اس کے دیے ہوئے اپارٹمنٹ میں رہ رہی ہے اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ ان ساری باتوں کے باوجود وہ نہ صرف اس کا میسج دیکھتی بلکہ لاشعوری طور پر اسے انتظار بھی رہتا تھا۔ اور اب تک تو اس نے صرف سوری کے میسج کیے تھے لیکن ابھی کافی کی فرمائش پر وہ پہلے سلگ گئی۔ دل چاہا لکھ دے۔ اپنی فرسٹ وائف سے کہو یا کیوں تمہاری فرسٹ وائف نہیں بنا کر دے رہی۔ ایسے ہی کتنے جملے اس کے ذہن میں آتے رہے اور وہ تلملاتی رہی جب اندر کا ابال کچھ کم ہوا تب دھیان بٹانے کو ٹی وی آن کر دیا۔ لیکن پھر بہت جلد اکتا کر ٹی وی آف کر کے لیٹ گئی۔ جانے کیوں نیند بھی روٹھ گئی تھی۔ زبردستی آنکھیں بند کیں تو ذہن اس کی طرف بھٹک گیا۔

''جانے اسے کافی ملی کہ نہیں۔''

''نہیں ملی تو میں کیا کروں۔ وہ جھنجھلائی اور تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا۔ پلکوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

پھر صبح وہ ناشتا کرتے ہی ہنی کو لے کر حمیدہ بیگم کے پاس آ گئی۔ کیونکہ اکیلے میں ذہن کس طرح سوچنے سے باز نہیں آتا تھا۔ وہ لاکھ اپنا دھیان ادھر ادھر بٹانے کی کوشش کرتی لیکن کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے اس نے سوچا حمیدہ بیگم کی باتوں سے ہی اس کا دھیان بٹ جائے گا۔ لیکن یہ خیال ہی نہیں آیا کہ اس کی اتری شکل دیکھ کر حمیدہ بیگم کیا سوچیں گی۔ ان چند دنوں میں وہ کتنی کملا گئی تھی اور واقعی اسے دیکھتے ہی حمیدہ بیگم نے ٹوک دیا۔

''ہیں تمہیں کیا ہوا ہے۔ دو دن میں یہ کیا شکل نکل آئی ہے تمہاری.....؟''

''بس امی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ابھی بھی بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی جب ہی میں آپ کے پاس آ گئی۔'' اس نے ہنی کو ان کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''جی دوا لے لی ہے۔شہرینہ نہیں ہے کیا؟''اس نے بتا کر فوراً بات بدلی کہ مزید جھوٹ نہ بولنا پڑے۔
''ہے اتنی جلدی کہاں جائے گی۔گیارہ بجے جاتی ہے۔شہرینہ۔''حمیدہ بیگم نے بتانے کے ساتھ شہرینہ کو پکار لیا۔تو اس کی آواز کمرے سے ہی آئی تھی۔
''آئی امی۔''
''سب ٹھیک ہے ناں۔میرا مطلب ہے جہانداد کے ہاں جانے آنے میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوتا۔''
''نہیں آفس وین آتی ہے میں نے دیکھا ہے اس میں اور لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔فکر کی کوئی بات نہیں۔میں نے اپنا۔''حمیدہ بیگم کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ شہرینہ آتے ہی خزینہ کو دیکھ کر چیخ پڑی تھی۔
''ہائے خزی تم آج سویرے سویرے کیسے آ گئیں؟''
''دس بج چکے ہیں۔سویرے سویرے۔''خزینہ نے ٹوکا تو وہ اس کے گلے لگ گئی پھر پیچھے ہٹ کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
''یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔بیمار بیمار لگ رہی ہو۔''
''ہاں بھی بیمار تم نے تو پوچھا نہیں۔''
''بتاتی تو پوچھتی الہام تو ہوتے نہیں مجھے۔''شہرینہ نے دوبدو بولنے پر حمیدہ بیگم نے ٹوک دیا۔
''اچھا بس۔جاؤ بہن کے لیے ناشتا بنالاؤ۔''
''نہیں امی۔میں ناشتا کر کے آئی ہوں۔البتہ چائے پی لوں گی۔''خزینہ نے فوراً کہا تو شہرینہ اٹھتے ہوئے بولی۔
''میرا خیال ہے آج میں بھی چھٹی کر لیتی ہوں۔''
''اور جو گاڑی آئے گی؟''حمیدہ بیگم اسے دیکھنے لگیں۔
''فون کر دیتی ہوں امی۔گاڑی نہیں بھیجیں گے۔''شہرینہ کہتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔
''لائیے امی۔اسے اندر سلا دوں بلکہ چلیں ہم بھی چلتے ہیں میں بھی لیٹوں گی۔''خزینہ حمیدہ بیگم کی گود سے ہنی کو لے کر ان کے ساتھ کمرے میں آ گئی۔کچھ دیر میں شہرینہ چائے لے آئی تو بس چائے پینے تک وہ بیٹھی پھر کمبل میں سے گھس گئی۔یہاں آ کر بھی اسے سکون نہیں مل رہا تھا۔دل چاہ رہا تھا حمیدہ بیگم کی گود میں سر رکھ کر خوب روئے لیکن بھرم ٹوٹ جانے کا خوف اسے رونے بھی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

حمزہ بیلا کی ضد پر اسے شاپنگ کرانے لایا تھا۔حالانکہ وہ کبھی ضد نہیں کرتی تھی۔آج جانے اسے کیا ہوا تھا۔حمزہ نے ایک دو دن بعد چلنے کو کہا تو وہ نہ صرف ناراض ہوئی بلکہ رونے بھی لگی تھی۔جس پر ناچار حمزہ کو تیار ہونا پڑا اور اب وہ دیکھ رہا تھا کہ اسے کچھ خاص لینا دینا نہیں تھا۔ایک سوٹ لینے کے بعد وہ یونہی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔
''اور کیا لینا ہے.....؟''حمزہ نے زچ ہو کر پوچھا تو وہ بڑے آرام سے بولی۔
''کچھ نہیں بس وہاں سے جوس پیئوں گی۔''
''چلو۔''حمزہ غصہ ضبط کرتے ہوئے اسے جوس کارنر پر لے آیا اور بیٹھتے ہی بولا تھا۔''ایک سوٹ کے لیے تم نے اتنا رونا دھونا مچایا کیوں؟''
''کیونکہ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی جو گھر میں نہیں ہو سکتی تھی۔''بیلا نے کہا تو وہ حیران ہوا۔
''ہیں ایسی کیا بات ہے جو گھر میں نہیں ہو سکتی۔''

''بس ہے ایسی بات۔ پہلے آپ وعدہ کریں اماں کو نہیں بتائیں گے۔ میرا مطلب ہے اماں کو پتا نہیں چلنا چاہیے کہ میں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔'' بیلا کا اطمینان دیکھتے ہوئے وہ ٹھٹکا تو نہیں لیکن سوچ میں ضرور پڑ گیا تھا۔

''بھائی، میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اماں نے مجھے سختی سے منع کیا ہے۔'' بیلا نے زور دے کر کہا تو وہ چونک کر بولا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ اماں کو پتا نہیں چلے گا۔''

''وعدہ کر رہے ہیں ناں.....؟''

''پکا وعدہ..... کہو تو لکھ کر دے دوں۔ اب جلدی بتاؤ کیا بات ہے؟'' وہ خاصا متجسس ہو کر بے صبرا ہو گیا۔ تو بیلا خائف انداز میں بتانے لگی۔

''وہ ایسا ہے بھائی کہ اماں کے کہنے پر میں انہیں بھابھی کے گھر لے گئی تھی۔''

حمزہ کا منہ ''کیا'' کے انداز میں کھلا ضرور لیکن اس نے فوراً خود پر ضبط کر لیا تھا تاکہ پوری بات سن سکے۔

''اماں کا خیال تھا کہ وہ بھابھی کو اپنے ساتھ لے آئیں گی۔ لیکن آگے بھابھی تو ملی ہی نہیں پتا نہیں شاید کہیں گئی ہوئی تھیں۔ البتہ ان کی امی ویسے تو اچھے سے ملیں لیکن جب اماں نے کہا کہ وہ بہو کو لینے آئی ہیں تب.....''

''تب کیا؟'' بیلا سانس لینے کو رکی تھی کہ وہ بول پڑا۔

''بھائی اماں کو پتا نہ چلے۔''

''نہیں پتا چلے گا انہیں، تم آگے بتاؤ کیا کہا انہوں نے؟'' وہ اب کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ پایا۔ جس سے بیلا مزید خائف ہو گئی۔

''زیادہ کچھ نہیں۔ بس یہی کہا کہ ربیکا اس گھر میں نہیں جائے گی۔ اور یہ کہ اگر ہم اس رشتے کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو ربیکا کے بنگلے میں رہنا ہوگا۔ اس کے بعد اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم واپس آ گئے۔ میں نے اماں سے کہا بھی آپ کو بتا دیں لیکن وہ پتا نہیں کیا سوچتی ہیں۔ اور اپنے آپ پریشان ہوتی رہتی ہیں۔''

''ہمم.....'' حمزہ ہونٹ بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔ اس کے اندر غصہ بھر گیا تھا۔ بیلا نے عقل مندی کی کہ اسے گھر میں نہیں بتایا۔ حقیقتاً اگر اس وقت وہ گھر میں ہوتا تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتا کہ جب اس نے منع کیا تھا کہ ربیکا کی طرف کوئی نہیں جائے گا تو پھر اماں کیوں گئیں۔

''بھائی.....'' بیلا اس کی آنکھوں میں اترتی لالی دیکھ کر سہم گئی۔ ''آپ کو غصہ آ رہا ہے ناں لیکن دیکھیں اماں سے کچھ مت کہیے گا۔''

''تو کس سے کہوں۔ بتاؤ منع کیا تھا میں نے انہیں لیکن وہ سمجھتیں ہی نہیں..... مجھے پتا تھا آگے شرائط کی لمبی لسٹ ہوگی۔'' وہ آواز دبانے کی سعی میں دانت پیس رہا تھا۔

''نہیں بس ایک یہی شرط.....'' بیلا منمنائی۔

''چپ رہو تم اور چلو اٹھو یہاں سے۔'' وہ کہہ کر بل پے کرنے چلا گیا۔ بیلا نے اس کا انتظار نہیں کیا فوراً اٹھ کر تیز قدموں سے چل پڑی۔

پھر گھر آنے تک پتا نہیں اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا یا بیلا سے کیے وعدے کا پاس تھا کہ وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔ کچھ دیر ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ دل چاہ رہا تھا سب کچھ نہیں نہیں کر ڈالے۔ فاخرہ سے کچھ کہنا فضول تھا۔ اس کا غبار تو نکل جاتا لیکن پھر ان کی حالت بھی دیکھی نہیں جاتی۔ کتنی

دیر اپنے آپ سلگنے کے بعد اچانک ایک خیال آیا اور پھر اس نے اور کچھ سوچا ہی نہیں فوراً جیب سے سیل فون نکال کر حسان صاحب کا نمبر پش کر دیا تھا۔

☆☆☆

''ممی آج ہم سب فرینڈز مل کر نیلی اور حسن کے کلب میں پارٹی کر رہے ہیں۔ میں وہیں جا رہی ہوں آنے میں دیر ہو جائے گی۔'' ربیکا اپنے خوب صورت اسٹائلش ڈریس کا جائزہ لیتے ہوئے ثمرہ کو بتا رہی تھی کہ حسان صاحب خاصے جارحانہ قدموں سے اندر داخل ہوئے۔ ایک لحظہ رک کر دونوں ماں بیٹی کو دیکھا پھر ثمرہ سے مخاطب ہوئے۔

''ثمرہ۔ تم نے مجھے بتایا نہیں کہ حمزہ کی والدہ آئی تھیں۔''

''ہاں وہ.....'' ثمرہ سٹپٹا گئیں۔

''کیا وہ..... اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے چھپائی کیوں اور تم ـــ'' وہ ربیکا کی طرف گھومے ''آج تم مجھے صاف صاف بتاؤ کہ تم چاہتی کیا ہو؟''

''سوری، میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی ڈیڈی۔'' ربیکا نے انجان بن کر پوچھا۔

''مطلب تم حمزہ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہو کہ نہیں۔'' انہوں نے غصے سے کہا تو ثمرہ بول پڑیں۔

''کیا ہو گیا ہے حسان! یہ آپ کس طرح بات کر رہے ہیں۔ آرام سے بیٹھ کر ـــ''

''شٹ اپ.....'' وہ ثمرہ پر چلائے پھر ربکا کو دیکھا۔

''بتاؤ ربکا! کیا سوچا ہے تم نے۔ اس رشتے کو قائم رکھنا ہے یا نہیں؟''

''ڈیڈی پلیز..... میں آپ کو پھر بتاؤں گی۔''

''نہیں ابھی یہ فیصلہ ابھی ہو گا اسی وقت..... اول تو تمہیں حمزہ کی والدہ کے ساتھ ہی چلے جانا چاہیے تھا۔ لیکن تم نے ان سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا اور تمہاری ماں نے ان کے سامنے شرط رکھ دی کہ ربیکا جائے گی تو بنگلے میں۔ یہ شرط تم شادی سے پہلے کیوں نہیں حمزہ سے منوا سکیں۔ ذرا بتاؤ اپنی ماں کو۔''

''ڈیڈی، آپ خواہ مخواہ.....''

''خواہ مخواہ نہیں ربیکا۔ ادھر حمزہ طلاق کے پیپر تیار کر کے بیٹھا ہے یہ اس کی شرافت ہے کہ اس نے مجھ سے کہا پہلے میں تم سے بات کر لوں اگر تم واقعی اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں تو کوئی مسئلہ نہیں وہ طلاق بھیج دے گا۔'' حسان صاحب اس کی طرف سے دل پر پتھر رکھ کر بول رہے تھے۔

''میں نے ایسا نہیں سوچا ڈیڈی۔'' وہ تنگ پڑ گئی۔

''تو چلو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔'' حمزہ کی والدہ سے معذرت بھی کر لوں گا کہ وہ آئیں ور.....''

''نہیں حسان۔ ربیکا ایسے نہیں جائے گی۔'' ثمرہ چیخ پڑیں۔ لیکن حسان صاحب نے جیسے ان کی آواز سنی ہی نہیں ربیکا پر نظریں جمائے کھڑے رہے جو غالباً سمجھ نہیں پا رہی تھی کیا کرے۔

''پانچ منٹ.....'' آخر حسان صاحب نے خود ہی فیصلہ سنا دیا۔ ''میں تمہیں پانچ منٹ دے رہا ہوں ربیکا۔ میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ پانچ منٹ میں آ جاؤں ورنہ میں خود جا کر حمزہ سے تمہاری طلاق کے پیپر لے آؤں گا۔'' اس کے ساتھ ہی وہ تیز قدموں سے باہر نکل گئے۔ ربیکا سناٹے میں کھڑی تھی۔

☆☆

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

سمیرا شفیع

خالی ہاتھ

☆☆☆

''ثانی.....اوثانی.....ثانی.....چائے بن گئی کیا؟ کیا کر رہی ہو.....؟؟''

جونہی شاہانہ آپا کی پاٹ دار آواز برامدے میں گونجی تو سوتی جاگتی کیفیت میں مبتلا ثانیہ نے پٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ پھر پھرتی سے چپلیں پاؤں میں اڑسیں اور ایک ہی جست میں کچن تک جا پہنچی۔ مگر ندیم پہلے سے ہی وہاں موجود تھا اور ابلتے ہوئے پانی میں پتی ڈال رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ اتنے میں شاہانہ آپا بھی پاؤں گھسیٹتی ہوئیں کچن میں داخل ہوئیں.....

''نا.....ابھی تک شام کی چائے تیار کیوں نہیں ہوئی...؟'' انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے تکتے ہوئے فرمایا۔

''بس آپا تیار ہی ہے.....'' ثانیہ نے ندیم کی طرف ممنون نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ابھی لا رہے ہیں آپا!'' ندیم نے کہا تو وہ خاموشی سے پلٹ گئیں۔

شام کی چائے کا بھی عجب ہی قصہ تھا۔ جب شاہانہ آپا گھر کے کاموں کی ڈیوٹیاں چھوٹے بہن بھائیوں میں بانٹ رہی تھیں تو ثانیہ عرف ثانی کے حصے میں شام کی چائے اور روٹیاں آئی تھیں۔ روٹیاں تو وہ جیسے تیسے ڈال ہی لیتی تھی مگر دوپہر کو نیند کم بخت ایسی ٹوٹ پڑتی کہ شام کی چائے اکثر لیٹ ہو جاتی۔ پھر اکثر شاہانہ آپا کے شاہانہ غصے کا سامنا کرنا پڑتا۔ خیر یہ تو آئے روز کی معمولی جھڑپ تھی ورنہ تو راوی چین

کہنے کو تو صرف ابا جان ہی پولیس کے محکمے میں تھے مگر وراثت میں لگتا تھا سارا رعب و دبدبہ اور تحکمانہ پن شاہانہ آپا کو ہی ملا تھا۔ ورنہ باقی تینوں بہن بھائی بہت ہی ٹھنڈی میٹھی طبیعت کے مالک تھے۔

اماں جان کی گھر میں حیثیت تو ہمیشہ سے ایک معزول وزیر اعظم کی ہی رہی تھی۔ اصل اختیارات کی سرچشمہ تو شاہانہ آپا کی بارعب شخصیت تھی۔ گھر والوں نے کسی خوشی، غمی کے موقع پر شرکت کرنی ہوگی۔ کسی عزیز رشتہ دار کو دینا دلانا ہو..... گھر کا بجٹ بنانا ہو پھر چھوٹے بہن بھائیوں میں گھر کے کاموں کی تقسیم کرنی ہو..... الغرض ہر جگہ شاہانہ آپا کے احکامات عمل درآمد کیا جاتا۔ اگرچہ اماں ابا سے بھی رائے لی جاتی مگر انہوں نے شاذ و نادر ہی کبھی اختلاف کیا۔

اگر غیر جانب داری سے سوچا جاتا تو شاہانہ آپا کی تعریف میں کسر نفسی سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ ان کی سختی کی بدولت ہی گھر کا نظم و نسق عمدہ طریقے سے چل رہا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے تک ناشتے کا کام سمیٹ لیا جاتا، ٹھیک ایک بجے تک دوپہر کا کھانا تیار ہوتا اور ٹھیک نو بجے تک رات کا کھانا کھا لیا جاتا۔ آگے پیچھے ہو جانے والے اگلے وقت تک بھوکے رہتے۔ اسی طرح رات کو صرف دس بجے تک بتیاں جلائے رکھنے کی اجازت ہوتی۔ اس سے زیادہ کی جس کو ضرورت ہوتی وہ شاہانہ آپا کی خدمت میں خصوصی درخواست

ی قسمت سے شاہانہ آپا کی دور دراز ایک
تے میں شادی ہوئی تھی۔ ان کے شوہر
رب میں تھے اور سال دوسال بعد چکر
سرال میں اِکا دُکا ہی لوگ تھے۔ اس لیے
مندی سے وہ شادی کے بعد بھی والدین
قیام پذیر تھیں۔ قریبی اسکول میں ان کی
ہوگئی تھی۔ یعنی وہ ایک سرکاری استانی کے
بھی فائز تھیں۔ یعنی ایک تو کریلا، اوپر سے

نیم چڑھا۔ سارے گھر میں ثانیہ وہ واحد فر
ان سے اختلافِ رائے کی جرأت کر
باوجود اس کے کہ وہ کبھی بھی اپنی نہ منوا سکی
آپا کو اس کی سرکشی کو رام کرنا کبھی بہت ا
سے آتا تھا۔ ندیم اور فروا تو کسی قطار شمار ہ
فروا کچھ کچھ لاپروا اور لاتعلق سی رہتی تھی
خاموش خدمت گار تھا۔ اماں کے پاؤں د
لیکر فروا اور ثانیہ کو چٹ پٹے دہی بڑے لا

شاہانہ آپا کے چھوٹے موٹے کام نبھانے تک وہ انتہائی سکون، خاموشی اور راز داری سے کام کرنے کا عادی تھا۔

☆☆☆

تمام حالات وواقعات کے پیش نظر شاہانہ آپا کے خلوص وفا اور گھر والوں کے لیے ان کی تشویش سے ثانیہ سمیت کسی کو بھی انکار نہ تھا۔ وہ جب بھی اسکول سے واپس آتیں ان کے ہاتھوں میں ہمیشہ پھلوں، کھانے پینے کی اشیاء سے لدے شاپر ہوتے تاکہ فروا اور ثانیہ کو آتے ہی گھر کے کاموں میں جت جانا نہ پڑے۔ کیا ہوا جو بعد میں وہ پیسے گھر کے مشترکہ بجٹ میں ڈال دیے جاتے۔

اسی طرح سے ان کے جہیز کا فرنیچر گاؤں میں رل رہا تھا۔ ابا جان کے پیسے خرچ ہوئے تھے ان کا خیال تھا کہ اس کی گھر کے استعمال کے لیے لایا جانے کیونکہ گھر میں موجود فرنیچر بڑا خستہ حال ہو چکا تھا۔ انہوں نے ابا جان اور اماں جان سے ہلکا سا تذکرہ کیا کہ اگر وہ فرنیچر گھر کے لیے رکھ لیا جائے تو ایک تو وہ ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ دوسرے نیا فرنیچر تیار کروانے کے جھنجٹ سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔

ایک دفعہ پھر ان کی عقل مندی اور فہم وفراست کو بہت سراہا گیا۔ یہ بات تو ثانیہ کو بہت بعد میں پتا چلی کہ اس فرنیچر کے بھی اماں ابا نے پیسے ادا کیے تو ہلکے سے انکار کے بعد شاہانہ آپا نے رکھ لیے تھے۔ اس طرح ابا جان نے ایک ہی فرنیچر کی دو دفعہ قیمت ادا کی تھی۔

گھر میں صاف ستھرا فرنیچر دیکھ کر ثانیہ نے دل پر آنے والی گرد کو جھاڑ دیا۔ وہ جو بھی کرتی تھیں سب کے فائدے کے لیے کرتی تھیں۔ بس ان کا طریقہ کار ذرا سا مختلف تھا۔

آج کل گھر بھر میں گرمیوں کے حوالے سے کی جانے والی شاپنگ پر بہت جوش وخروش پایا جا رہا تھا۔ گئی تھی۔ شاہانہ آپا نے نفیس اور مدھم رنگوں کے سوٹ اپنے اور اماں کے لیے علیحدہ علیحدہ رکھ لیے کیونکہ انہوں نے تو آتے جاتے پہننے تھے۔ جبکہ ثانی اور فروا تو ہانڈی روٹی کرتے ہوئے اچھے سے اچھے سوٹ کا بھی حشر کر دیتی تھیں۔ ندیم نے تو سرے سے ہی کپڑے بنوانے سے انکار کر دیا اس کے پاس پچھلے سیزن کے اچھے خاصے کپڑے رکھے تھے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ اس کے حصے کے پیسے فروا اور ثانی کی سمسٹر فیس بھرنے کے لیے رکھ دیے جائیں۔

☆☆☆

شاہانہ آپا کی بچت کی عادت کافی کارآمد ثابت ہوتی تھی۔ اسی عادت کی بدولت انہوں نے اپنا ایک مکان خرید کر کرائے پر چڑھا لیا تھا۔ کبھی کبھار وہ وہاں شفٹ ہونے کا ارادہ بھی ظاہر کرتیں تو گھر بھر میں بھونچال آجاتا۔ فروا اور ثانی ان سے لپٹ جاتیں۔ ندیم بھی روہانسا ہو جاتا۔ اماں ابا الگ اداس ہو جاتے۔ وہ سب ان کے بہت زیادہ عادی ہو چکے تھے یہاں تک کہ ان کی حاکمانہ فطرت بھی ناگوار نہیں گزرتی تھی۔

دوسری طرف شاہانہ آپا کو بھی والدین کا گھر بہت پیارا تھا۔ ہر لڑکی کی طرح بچپن، جوانی کی ساری یادیں یہاں سے وابستہ تھیں۔ پھر انہوں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اس گھر کی خدمت میں گزارا تھا۔

☆☆☆

رتیں آتی جاتی رہیں۔ وقت کٹتا رہا۔ ابا جان اور اماں جان مختصر علالت کے بعد آگے پیچھے گزر گئے۔ ثانی اور فروا کی شادیاں ہو گئیں۔ ندیم کو بھی سرکاری ملازمت مل گئی۔

شاہانہ آپا کو بھی قدرت نے دو پھول سے بچوں سے نوازا۔ ان کے میاں بھی پردیس کاٹ کاٹ کر تنگ آچکے تھے۔ اک دن انہوں نے تمام مال اسباب سمیٹا اور وطن آنے کی ٹھانی۔ وہ واپس آکر

ندیم کی بھی شادی ہوچکی تھی۔ اس لیے انہیں اب مزید اپنے اہل خانہ کے ساتھ بیوی کے میکے رہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا تھا اگرچہ بیوی کی حیثیت اب تک میکے میں بہت مستحکم تھی۔ جو جمع پونجی وہ دیار غیر سے سمیٹ کر لائے تھے یہاں آکر معلوم ہوا کہ کاوربار جمانے کے لیے وہ ناکافی تھی۔ اس لیے انہیں فی الحال سرمائے کی اشد ضروری تھی۔ اس لیے ایک دن (غالباً شاہانہ آپی کی شہ پر ہی) یہ مطالبہ کیا کہ اگر گھر میں سے شاہانہ آپا کو ان کا حصہ ادا کردیا جائے تو انہیں کافی سہولت ہوجائے گی۔ گھر تمام بہن بھائیوں کے نام تھا۔ اس لیے یہ مطالبہ ناجائز تو نہ تھا۔ اگرچہ کچھ بے وقت اور خودغرضی پر مبنی ضرور تھا۔

ندیم آپا کی مجبوری سے آگاہ تھا۔ اماں ابا کی وصیت اس کے سامنے تھی۔ انہوں نے اسے سختی سے تینوں بہنوں کا حصہ ادا کرنے کی تاکید کی تھی۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ فی الحال اس کی مالی حالت اتنی مستحکم نہ تھی کہ ثانی اور فروا تو کجا وہ صرف شاہانا آپا کا ہی حصہ ادا کرتا۔

''اگر ندیم کے حالات اجازت نہیں دیتے تو وہ گھر بیچ کر تمام حصے داروں کے پیسے ادا کردے۔

یہ سنگدلانہ تجویز کسی اور کی طرف سے نہیں خود شاہانہ آپا کی طرف سے آئی تھی۔

گھر بیچنے کے نام سے ہی ثانی اور فروا کے دل کٹ کر رہ گئے جبکہ ندیم بھی جذباتی طور پر والدین کے گھر سے بہت وابستگی محسوس کرتا تھا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ نہ تو اس کے پاس اتنا سرمایہ تھا کہ وہ اکیلا گھر خرید لیتا اور سب کو حصے ادا کردیتا اور نہ ہی اتنا دلیر کہ ماں باپ کی نشانی کو بیچ دیتا۔

آپا آج بڑی بے دلی سے اپنا سامان باندھ رہی تھیں۔ ندیم نے جیسے تیسے انتظام کرکے ان کے شوہر کو ان کا حصہ ادا کردیا تھا جبکہ ثانی اور فروا نے اپنا حصہ لینے سے سختی سے انکار کردیا تھا۔ آپا کے میاں نے کرائے داروں سے اپنا مکان خالی کروالیا تھا۔

آج وہ اپنے ذاتی گھر میں شفٹ ہورہے تھے۔ فروا اور ثانی بھی انہیں رخصت کرنے موجود تھیں۔ مگر آج کا منظرنامہ کافی بدلا بدلا سا تھا۔ نہ تو فروا اور ثانی بار بار آکر ان سے لپٹ رہی تھیں اور نہ ہی ندیم کے رویے میں پہلے جیسی گرم جوشی تھی۔ وہ جس پروٹوکول کی عادی تھیں بھائی بہنوں کے رویے میں اس کی جھلک تک نظر نہیں آرہی تھی۔

اگرچہ ندیم نے انہیں رسمی طور پر ٹھہرنے کی پیش کش کی تھی جو انہیں کافی حد تک کھوکھلی محسوس ہورہی تھی۔ ان کا دل بار بار بھر بھر آرہا تھا۔ بھائی بہنوں کے سرد رویوں نے انہیں حقیقتاً دکھی کردیا تھا۔ یہ صلہ ملا ان کو ان کی رفاقتوں کا، محبتوں کا، اتنی خدمتوں کے باوجود آج وہ اکیلی کھڑی تھیں۔ خالی ہاتھ ہی گھر سے رخصت ہورہی تھیں۔

اپنی تمام تر عقل مندی اور فہم وفراست کے باوجود یہ وہ نہ سمجھ سکیں کہ انسان رشتوں اور عمر سے بڑا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے عمل اور بے پایاں خلوص سے بڑا ہوتا ہے۔

رعب اور دبدبے سے عزت خریدی نہیں جاسکتی۔ خودغرضی اور ذات کا غرور ایسی چیزیں ہیں جن کو جتنا مرضی پیار کے خول میں لپیٹ کر دیا جائے۔ وہ آخرکار پہچانی جاتی ہیں۔

ان کو تو اب تک یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ثانی اور فروا نے اپنا نیا زیور بیچ کر ان کے حصے کے پیسے ادا کیے تھے۔

☆☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل ——— فرحین اقبال
میک اپ ——— روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ——— موسیٰ رضا

عنیزین ولی

بادلوں کے سائے میں

صبح ہو چکی تھی۔ کمرے کی کھلی کھڑکی سے دھوپ کے ساتھ ساتھ ہوا بھی اندر آ رہی تھی، حمزہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔ پورا کمرہ الٹ پڑا تھا۔ کھانے کے گندے برتن سائیڈ ٹیبل پر جوں کے توں پڑے تھے۔ ثمر کے ہوتے ہوئے تو کبھی یہ سب نہ ہوا تھا۔ اسے وہ بے اختیار یاد آئی۔ بدن میں بڑھتی تکلیف نے کچھ اور شدت اختیار کی۔

کمرے کی بے ترتیبی اسے پریشان کر رہی تھی لیکن اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ ثمر کے علاوہ کوئی دوسرا اس کے کمرے کا خیال رکھے۔

آنکھ کھلنے کے بعد سے اس کی آنکھیں دروازے پر لگی تھیں شاید ابھی اس کی آمد ہو اور وہ دروازہ بجا کر اندر آئے اور پھر کمرے کی ہر چیز ٹھکانے لگا دے، جیسے اتنے سارے دنوں سے وہ کرتی آ رہی تھی۔ وہ اس کی روٹین سے ضرورت سے زیادہ ہی واقف ہو چکا تھا۔ لیکن اتنے سارے دنوں سے وہ اس کی نیت کے فتور سے بھی تو باواقف ہی تھی۔ وہ اسے اب تک اپنا دور کا رشتہ دار، غم گسار اور اب تو نجانے کیا کیا سمجھنے لگی تھی اور اس نے کیا کیا؟ اس کی معصومیت کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں کی بے یقینی۔

اسے اب یقین ہو چلا تھا کہ وہ اسے ایک کمزور انسان سمجھتی ہے، جسے اپنے نفس پر قابو نہیں، لیکن کیا کسی کو پسند کرنا نفس کی کمزوری میں شمار ہوتا ہے؟ اس کے اندر سے کسی نے سوال کیا تھا۔

''تنہائی کا فائدہ اٹھا کر کسی لڑکی کو ہاتھ لگانا نفس کی کمزوری ہی تو ہے۔'' جواب بھی اس کے اندر سے ہی آیا تھا۔ اس نے آنکھیں میچ لیں۔ ثمر کا روتا چہرہ کچھ اور بھی واضح ہوا۔

☆☆☆

یہ ان دنوں کی بات ہے جب راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ وہ اور اس کی ماں، دونوں ہی یہ چاہتے تھے کہ اس گھر میں اب بہو آ جائے، دونوں کی زندگی میں سکون کی آمد ہو۔ لیکن پچھلے چار سال سے اب تک اس کی اماں اس کوشش میں ناکام ہی رہی تھیں، ایک عرصے تک ان کو کوئی لڑکی پسند ہی نہ آئی اور جب تین سال کے طویل عرصے بعد ایک لڑکی پر ان کی نگاہ ٹھہری تو وہاں بات ہی نہ بن پائی۔ وہ اکثر اپنی اماں کے منہ سے سنتا آیا تھا کہ فلاں رشتہ دار نے ان پر تعویذ کروا کر فلاں چیز بند کروا دی۔ فلاں نے تعویذ کروا کر فلاں خوشی چھین لی لیکن اس بار انہوں نے ایک بار بھی یہ جملہ ادا نہیں کیا تھا۔ اسے تشویش ہوئی اور بے چین ہو کر خود ہی اس نے ایک بار اماں کے سامنے اپنا دل کھول لیا۔

یہ اس شام کی بات ہے جب وہ واپس آفس سے لوٹا تھا اور دن بھر اپنے نئے شادی شدہ دوست سے اس کی بیوی کی محبت اور وارفتگی کے قصے سن سن کر ضرورت سے زیادہ ہی اکیلا پن محسوس کر رہا تھا۔ اسے چائے پانی پیش کر کے وہ اس کے سامنے بیٹھ گئیں اور خود ہی اس کی شادی کا قصہ چھیڑ لیا۔

''آج بتول بی بی نے ایک اور لڑکی کی تصویر دکھائی ہے۔ دیکھنے میں اچھی ہے لیکن کم پڑھی لکھی

مرانا بھی غریب ہی ہے لیکن چلو یہاں بات
ئے کم از کم اس گھر میں کسی تیسرے فرد کی آمد تو
ر کے کام کر کر کے تو میری ہڈیاں ٹوٹ گئی
م بخت کام والیاں بھی تو نہیں ٹکتیں۔'' انہوں
بھری آہ لی۔ وہ جو پہلے ہی تنہائی کے احساس
ت سے پریشان تھا، کم پڑھی لکھی کا سن کر
ا گیا۔
اماں یہ بتول بی بی کے پاس قسم قسم کے رشتے

ہوتے ہیں۔ جہانزیب جیسے مڈل فیل کے
لڑکی کا رشتہ ڈھونڈ لیا، شادی بھی ہوگئی
باری آنے پر ان کے سارے خزانے
ہوجاتے ہیں۔ میں نے کیا بگاڑا ہے ا
ناراضی بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔ شائ
رنگت متغیر ہوئی۔
''اس بے چاری کو تجھ سے کیا ت
بھلا! اب نصیب نصیب کی بات ہے۔

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.b

کھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز

سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ

نی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)

س میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

جہانزیب کا گھر، اس کی شکل اور کمائی دیکھ کر کوئی رانی بھی انکار نہ کرے، وہ تو صرف ''ڈگری والی'' لڑکی ہے۔''

''میرے چہرے پر کیا چیچک کے داغ دکھتے ہیں ان کو؟ اور اس پرانے بوسیدہ گھر میں، میں صرف آپ کی ضد کی وجہ سے رہ رہا ہوں۔ جہانزیب سے زیادہ اچھا کماتا ہوں، اس سے کہیں زیادہ خوش شکل ہوں۔ اور جہاں تک گھر کی بات ہے تو اس سے کہیں زیادہ اچھا گھر افورڈ بھی کر سکتا ہوں۔ یہ ساری باتیں بتول خالہ بھی جانتی ہیں اور آپ بھی پھر آخر دقت کیا ہے؟ کہاں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی نے مجھ پر جادو کروا دیا ہو اور میری شادی ہوتے دیکھنا اس کے لیے شدید غم کا باعث ہو۔ اماں آپ بھی کسی بابا کے پاس جا کر حساب کیوں نہیں کرواتیں.....؟''

شائستہ ہکا بکا اپنے بیٹے کی تقریر سن رہی تھیں اور اس کے ہر جملے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شادی کے لیے کس قدر اتاولا ہو رہا ہے۔ ان سے فوراً کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ ہونق اس کی شکل دیکھتی رہیں۔

''آپ سن بھی رہی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' وہ ان کا ہاتھ ہلا کر بولا۔ انہوں نے فوراً سے اپنے تاثرات قابو میں کیے اور بولنا شروع ہوئیں۔

''یہ تو بڑے پتے کی بات کی ہے تم نے۔ بتول ایک بابا کو جانتی ہے، میں اسی کے ساتھ ہی جاتی ہوں کل اور کچھ کرتی ہوں۔ مجھے تو یاد ہی نہیں تھا کہ جادو ٹونے سے شادی رکوائی بھی جا سکتی ہے۔ اچھا ہوا، تم نے یاد دلا دیا۔ کل ہی کرتی ہوں کچھ۔'' اس کے چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیر کر وہ اندر چلی گئیں اور وہ بے چارہ وہیں سیدھا لیٹ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے دوست اور اس کی بیوی کی تصویریں گھوم رہی تھیں۔ کتنے مکمل اور خوش لگ رہے تھے دونوں۔ یکا یک اسے اپنا پہلو خالی محسوس ہوا اور ایک آہ لبوں سے خارج ہوئی۔

''اف! یہ کنوارگی کا عذاب۔'' اس نے زیر

گمان گزرا تھا کہ اس کی آہ پر ستاروں کی ہنسی چھلک زمین کو چھو رہی ہے۔

☆☆☆

شائستہ اپنے پرانے کمرے میں جلے پیر کی کی طرح گھوم رہی تھیں۔ اپنے بیٹے کی باتیں ان کے دل اور دماغ میں جیسے ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات تو تھی نہیں، جلد یا بدیر اس کی برداشت ختم ہونا ہی تھی۔

''شادی تو کروانا ہی پڑے گی لیکن ایسی لڑکی کہاں سے لاؤں جو میرے سامنے چوں بھی کر سکے اور میری ہر بات پر جی ہاں کرے۔ آج کل کی تو کم پڑھی اور کم شکل وصورت کی لڑکیاں حسین لڑکیوں سے زیادہ تیز اور چالاک ہوتی ہیں۔ اچھے اچھے مردوں کو بھی فوراً قابو کر لیتی ہیں۔ اور اگر میں دل بڑا کر کے اپنے اتنے خوبرو بیٹے کے لیے کوئی معمولی لڑکی لے بھی آؤں تب بھی سب کو مجھ پر ہی شک ہوگا۔ آخر ایسا کیا کروں کہ مجھے.....'' پھر ایک دم ہی ان کے دماغ میں خیال آیا۔ یہ خیال ان کے بیٹے نے خود ہی ان کے دماغ میں انڈیلا تھا۔ ان کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

اگلے دن وہ سچ مچ ایک جادوگر کے در پر پہنچ ہی گئیں، ان کی پوری جوانی اسی قسم کے کرتوتوں میں گزری تھی۔ اپنی ساس پر سانس تنگ کیے رکھی۔ ان کے شوہر مصطفیٰ ایک اچھے انسان تھے۔ بیوی کے قابو نہ آئے تو انہوں نے تعویذ گنڈوں سے کام چلایا لیکن ان کی ساس صبح سویرے قرآن پاک کی بلند آواز سے تلاوت کیا کرتی تھیں۔ اس تلاوت کو رکوانے کے لیے شائستہ بی بی نے نجانے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کیے۔ شوہر ان کی مرضی کے مطابق تو قابو نہ آئے البتہ وہ اب پہلے کی طرح ماں کی فکر اور ان کی محبت میں ہلکان نہیں رہتے تھے۔ ساس بے چاری بہو کے سارے کرتوت سمجھتی تھیں، نیک سیرت عورت تھیں، اپنے طور کوشش کی کہ بہو رانی سیدھی جائیں،

پہلے بھی شائستہ سے محبت کرتے تھے اور اب بھی لیکن ان کو لگتا تھا کہ ساس کے جانے کے بعد وہ پورے کے پورے ان کے ہو گئے ہیں۔

ان کے اندر موجود حسد اور جلن کی کوئی حد نہیں تھی۔ جو ان سے زیادہ خوب صورت لگتا، محفل میں بیٹھنے کے سلیقے سے آشنا ہوتا یا پھر ان کی کسی رائے سے اتفاق نہ کرتا، اس کے لیے ان کے دل میں نفرت سی پھیل جاتی اور اگر غلطی سے ان کے درمیان ناپسندیدہ جملوں کا تبادلہ ہو جاتا تو پھر اس کے بارے میں جھوٹی باتوں کا وہ ایسا پرچار کرتیں کہ مقابل صدمے سے مر ہی جائے۔ یہ خصوصیات ان کے اندر آج بھی موجود تھیں لیکن حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ نہ ان کے شوہر ان کی اصلیت سے واقف ہو سکے نہ ہی ان کا لخت جگر..... ان کا لخت جگر ہو بہو اپنے باپ کی کاپی تھا، ان کا خوف زدہ ہونا تو بنتا ہی تھا۔

وہ جس گھر میں رہتے تھے، یہ ان کا آبائی گھر تھا۔ خوب بڑا اور کھلا۔ ڈھیر سارے درخت، قسم قسم کے پودے، پھول، پھل۔ گھر کا کچا حصہ کسی باغ کا منظر پیش کرتا اور سارا وقت پھول اور پھلوں کی خوشبوؤں سے مہکتا رہتا۔ حمزہ کی بچپن سے عادت تھی کہ وہ دن کا ایک گھنٹا تو لازمی وہاں گزارتا۔ اس باغ نما حصے کو شائستہ نجانے کن کن طریقوں سے اپنے استعمال میں لا چکی تھیں۔ انہوں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ کچھ ہی عرصے میں وہ پھر سے ان درختوں کا خفیہ استعمال شروع کر دیں گی۔

بابا سے اپنی من مرضی کے تعویذ کا حصول کر کے وہ گھر آئیں اور ان تعویذوں کو ایک درخت کے نیچے دفنا دیا۔

''اب اگر حمزہ کی شادی ہو بھی گئی تو دیکھتی ہوں کتنا عرصہ وہ اس کے ساتھ رہتی ہے۔ ایسا دکھ دے کر جائے گی نا کہ حمزہ دوبارہ شادی سے ہی توبہ کر لے گا۔ یہ گھر صرف میرا تھا اور میرا ہی رہے گا۔ میرا بیٹا بھی صرف میرا ہی رہے گا۔'' انہوں نے خود کو خوشی بھری تسلی دی۔ اگر کوئی اور ان کی یہ بڑبڑاہٹیں سن لیتا تو وہ انہیں پاگل سمجھتا حالانکہ حاسد اور خود غرض لوگ نہ نفسیاتی ہوتے ہیں نہ پاگل۔ وہ اپنی محبت میں اس قدر مبتلا ہوتے ہیں کہ اپنے علاوہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتے۔

☆☆☆

اس نے اپنا سارا سامان پیک کر لیا تھا۔ سامان کیا تھا اور پیکنگ کیا تھی۔ ایک کپڑے کے تھیلے میں اس نے اپنے بوسیدہ کپڑے ڈالے اور اس عارضی ٹھکانے کو بھی خدا حافظ کہہ دیا۔ وہ اپنے چچا کے ساتھ اپنے نئے ٹھکانے کی جانب گامزن تھی۔ پورے راستے وہ اپنی گزری زندگی کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس کی زندگی کے وہ حسین سال جب عبدالکریم چچا مالی کا کام کرتا تھا۔ وہیں اس کے مالک کی بچی کے ساتھ ثمر کو وقت گزارنے کے لیے بھی بھیج دیا کہ اسے بہن چاہیے تھی اور بہن وہ لا نہیں سکتے تھے، اس لیے اسے بی بی کے ساتھ وقت گزارنے کی نوکری دی۔ اس کے عوض اس کے چچا کو اچھی خاصی رقم مل جایا کرتی تھی۔

وہاں اس نے پڑھنا سیکھا۔ اس بچی کو جو ٹیوٹر پڑھانے آتی تھی، وہ نرم دل تھی۔ اس کے لیے خود ہی کاپیاں کتابیں لے آئی۔ پانچ جماعتیں تو وہ سرکاری اسکول سے پڑھ چکی تھی۔ ٹیچر کی محبت، ان کی توجہ اور محنت سے اس نے میٹرک کا امتحان بھی دے دیا اور پاس بھی ہو گئی، ایک ''اونچے'' خاندان کی نوکرانی ہونے کی حیثیت سے اس کی انگلش بھی کافی سے زیادہ اچھی تھی کہ بی بی اس سے زیادہ تر انگریزی میں ہی گفتگو کرتی تھیں۔ بی بی کے سارے کام وہ خود کرتی۔ وہاں گزارے یہ چند سال اس کے لیے بہترین ثابت ہوئے۔ لیکن نجانے چچا کو اچانک کیا ہوا۔ اس نے اسے راتوں رات وہاں سے اپنے ساتھ نکل جانے کا کہا۔ یہ عقدہ بعد میں کھلا کہ اس کے اندر پیدا ہوتے اعتماد اور شخصیت کے نکھار نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔

وہ لڑکی اس کے بڑھاپے کا واحد سہارا تھی۔

پڑھ لکھ جاتی تو اس کے ہاتھ سے نکل جاتی۔ ایک اچھے ماحول سے نکال کر وہ اسے کھیتوں میں کام کرنے والی مزدور بنانے لگے۔ کھیت میں کام کر کے بمشکل ہی وہ گھر کا خرچا پورا کر پاتی تھی، لیکن وہ اس پر بھی راضی ہوگیا کہ کم سے کم اس طرح وہ ان کے ہاتھ تلے ہی رہے گی۔ اس نے احتجاج کیا لیکن جسمانی تشدد کے سامنے کون بھلا اپنی من مانی کر سکتا ہے۔ وہ بھی دب گئی۔ لیکن اب پھر سے یہاں کسی اور جگہ؟ کیوں؟ یہاں کیا ایسا ہوگیا کہ چچا یہاں سے بھی اب جانے لگا۔ وہ جتنا سوچتی اتنا الجھتی۔

شدید دہکتے موسموں میں کھیتوں میں کام کر کر کے اس کی رنگت بالکل سیاہ ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی وہ آئینہ دیکھتی تو خود کو پہچان ہی نہ پاتی کہ وہ وہی ثمر ہے جس کی رنگت گندم کی بالی جیسی ہوا کرتی تھی۔ اچھے کھانے کھا کھا کر وہ بھی کسی اچھے گھر کی لگنے لگی تھی اس پر بنی بی بی کی محبت، وہاں رہتے ہوئے اسے کبھی اترن بھی نہیں پہننی پڑی۔ اس کے پاس بنی بی کا نمبر محفوظ تھا لیکن وہ ان سہولیات کی خاطر اپنے اکلوتے اور آخری رشتے سے دور نہیں جانا چاہتی تھی۔ جو بھی تھا، وہ اور اس کا چچا عبدالکریم ہی تو آخری دو افراد بچے تھے۔ باقی تو پورا گاؤں ہی سیلاب میں ڈوب کر تباہ ہو چکا تھا۔ عبدالکریم نے ہی اسے بتایا تھا کہ وہ اسے شہر کے ہسپتال لے کر آیا تھا اسی لیے وہ دونوں سیلاب سے بچ گئے لیکن اس کا پورا خاندان ڈوب گیا۔ چچا کی خود غرضی اپنی جگہ، اسے ثمر سے محبت بھی تھی، لیکن یہاں یہ محبت دنیاوی رشتوں کی غرض اور ضرورت میں کبھی کبھی دب جاتی تھی جیسے اس بار۔

وہ ایک انجان شہر، انجان گھر کی طرف گامزن تھی۔ اس بات سے بالکل انجان کہ قسمت اس کے ساتھ بڑا ہی ظالمانہ کھیل کھیلنے جا رہی ہے۔ اسے سوچوں میں گم دیکھ کر عبدالکریم نے بولنا شروع کیا۔

''شائستہ باجی ہماری بڑی پرانی جاننے والی ہے۔ اپنے گاؤں کی ہی ہے۔ بس قسمت چمکی اس کی اور بیاہ کر شہر آ گئی۔ دل کی بھی تنگ ہے اور بڑی چالاک عورت ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ اس کا بیٹا اپنے باپ کا پرتو ہے۔ سادہ اور شریف۔'' اتنا کہہ کر اس نے گفتگو میں وقفہ دیا۔ ثمر ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''میری بات غور سے سن! بس چپ چاپ گھر والوں کی خدمت کرنا اور شائستہ باجی کچھ بھی کہے، کچھ بھی کرے اسے کوئی جواب نہ دینا۔ اس کے سامنے خود کو مسکین اور کم شکل سمجھنا۔ دیکھنا کیسے تیری قسمت بدلتی ہے۔'' عبدالکریم چچا کے چہرے پر عیاری تھی۔ ثمر کی سمجھ میں پوری بات تو نہ آئی لیکن وہ یہ ضرور سمجھ گئی کہ یہاں اس شہر میں عبدالکریم چچا یونہی تو نہیں آیا۔

☆☆☆

آج موسم معمول سے زیادہ گرم تھا۔ وہ آفس کے لیے تیار ہو کر نیچے آیا تو اپنی اماں پر نظر پڑی۔ وہ صوفے پر سر باندھے لیٹی تھیں۔ اس نے تیزی سے قدم ان کی جانب بڑھائے۔ پچھلے کچھ دن سے ان کی طبیعت کچھ بہتر نہیں تھی۔ اسے کھانا بھی گھر سے باہر کھانا پڑتا تھا۔ آج ناشتا بھی آفس جا کر ہی کرنا تھا۔ پھر اماں کی طبیعت کی ٹینشن۔ وہ ان کے قریب آیا۔

''کیا بات ہے اماں۔ سر میں درد ہے؟'' اس نے بے حد محبت سے ماں کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔

بس بیٹا! بڑھاپے میں درد ہی ساتھ رہتے ہیں۔ میں اب اس گھر کو بالکل نہیں سنبھال سکتی۔ کل میں نے عبدالکریم کو فون کیا تھا۔ اس نے ہامی تو بھری تھی، اب دیکھو کب تک پہنچتا ہے وہ یہاں۔'' انہوں نے تفصیل بتائی۔

''عبدالکریم کو گھر کے کام آتے ہیں؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔ شائستہ ہنس دیں۔

''عبدالکریم کی بھتیجی ہے، وہ گھر کے کام سنبھالے گی اور عبدالکریم باہر کے سارے کام نمٹائے گا۔ ہم دونوں کے لیے بہت آسانی ہو جائے

گی۔'' انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔
''اگر یہ دونوں بھی بھاگ گئے تو؟'' اس کا خدشہ زبان پر آیا۔
''ناممکن! عبدالکریم ہمارے گاؤں کا ہی ہے۔ پھر یہ کہ وہ اور اس کی یتیم بھتیجی دونوں بے ٹھکانا ہیں۔ یہاں جب اچھا کھانے کو اور رہنے کو ملے گا تو وہ یہاں سے کبھی بھی نہیں جائیں گے۔'' انہوں نے یقین سے کہا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ انہیں اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر کے وہ گھر سے باہر نکل آیا۔ آج پھر اسے باہر کے کھانے سے پیٹ بھرنا تھا۔

☆☆☆

گھر دیکھ کر اسے بڑا اچھا محسوس ہوا۔ یہ ڈھیر سارے درخت، پرانے زمانے کا گھر۔ لیکن وہ زیادہ غور نہ کر سکی، کہ رات پھیل چکی تھی۔ شائستہ بھی اچھے طریقے سے ملیں، ثمر کو پورا گھر دکھایا۔ اسے جو کمرہ دیا گیا تھا وہ بھی کافی کھلا اور ہوادار تھا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک بیڈ، الماری اور ایک سنگھار میز۔ عبدالکریم چچا تو ضرورت سے زیادہ ہی خوش تھا۔ اسے اس کی خوشی کی وجہ اب تک سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ بہت ساری باتوں اور خیالات کو دماغ سے جھٹک کر نہانے چلی گئی۔ بستر پر لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی۔ کھانا تو وہ راستے میں ہی کھا چکے تھے۔ کل سے اسے پورا گھر سنبھالنا تھا۔

چچا اسے اکثر بتایا کرتا تھا کہ وہ کوئی کمی کمین نہیں، حالات نے اسے اس قدر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ایسی زندگی گزار رہے ہیں۔ اسے کی اپنی زمینیں تھیں، وہ نہ کسی کے نوکر تھے نہ مالک، ایک پرسکون زندگی گزار رہے تھے کہ سیلاب نے سب کچھ برباد کر دیا۔ جو تھوڑے بہت لوگ بچے تھے وہ پھر سے اپنی زمینوں پر چلے گئے لیکن چچا کا جی نہ چاہا کہ وہ وہاں دوبارہ جائے۔ کبھی کبھی وہ اس قسم کی نوکری اور کاموں سے تنگ بھی آ جاتا لیکن پھر بھی کبھی اس نے واپس جانے کا نام نہیں لیا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ وہ اس قدر محنت کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ثمر جو بھی کام کاج کے قابل ہوئی انہیں ایک کمانے والی مل گئی، وہ جو زور زبردستی صرف پیٹ بھرنے کو نوکری کرتا تھا، اس سے بھی گئے اور ساری ذمہ داری ثمر کے کاندھوں پر آ گئی۔ ہنی بی بی کے گھر سے بھی وہ اسی لیے بھاگے کہ کہیں ثمر کے پر نہ نکل آئیں اور وہ اسے چھوڑ کر نہ بھاگ جائے۔

ثمر تو اسی پر خوش تھی کہ کم از کم اب وہ تیز دھوپ کی چبھن سے تو بچی رہے گی۔ اور ہو سکتا ہے وہ پھر سے پہلے کی طرح خوب صورت دکھنے لگ جائے اور اپنی ساری خواہشیں پوری کر سکے جیسے پہلے پہل کیا کرتی تھی۔

صبح اٹھ کر اس نے کمرے سے باہر قدم نکالے، لاؤنج میں شائستہ بی بی بیٹھی تھیں۔ وہ ان کے قریب آ گئی اور انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیسی گزری رات؟ سکون کی نیند تو سوئی نا؟'' انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ ایک طرف ٹک گئی۔

''جی! یہاں کا موسم بہت اچھا ہے۔ کمرہ بھی ہوادار ہے۔ پوری رات ٹھنڈی ہوا کمرے میں آتی رہی۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

شائستہ نے بغور اسے دیکھا۔ ثمر نے اس وقت گہرے نیلے اور سرخ رنگ کا ایک سستا سا جوڑا پہن رکھا تھا۔ جھائیوں سے بھرا گہرا سانولا چہرہ، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، وہ پرسکون ہو گئی تھی اس کی رنگت دیکھ کر۔ ویسے بھی ان کے حسن کا معیار بڑا مختلف تھا، سفید رنگت ہو اور بس۔ ان کو گمان تھا کہ ان کی گوری چمڑی نے ہی ان کے شوہر کو ان کی محبت میں مبتلا رکھا تھا۔

''چلو یہ تو بڑی ہی اچھی بات ہے۔ اچھی نیند لو گی تب ہی تو صبح کے وقت تازہ دم دکھو گی۔'' اس نے مسکراہٹ سے ان کی بات کی تائید کی۔

''یہ ساری باتیں تو چلتی رہیں گی۔ اب گھر کے کام کے بارے میں بھی کچھ باتیں ہو جائیں۔ حمزہ صبح آٹھ بجے ناشتا کرتا ہے، آج جو تمہارا دل

چاہے اسے بتادو۔ لیکن اس سے پوچھ لینا کہ اسے کیا کیا پسند ہے اور رات کے کھانے میں وہ کیا کھائے گا، پھر روزانہ اس کی پسند کا خیال رکھتے ہوئے ہی ہر چیز تیار کرنا۔ جو کھانا حمزہ کے لیے بنے گا وہی تمہارے اور گھر کے باقی نوکروں کے لیے بھی ہوگا، میں بھید بھاؤ پر بالکل یقین نہیں رکھتی اور سب کے ساتھ ایک جیسا رویہ رکھتی ہوں۔" انہوں نے اپنی تعریف کرنا ضروری سمجھا۔ "میں تو ویسے بھی پرہیزی کھانا کھاتی ہوں۔ اس کی تفصیل تمہیں شبانہ بتادے گی۔ گھر کی صفائی شبانہ کا کام ہے۔ تمہیں کچن کا کام اس لیے سونپ رہی ہوں کہ عبدالکریم نے تمہارے ہاتھ کے کھانے کی بہت تعریف کی ہے۔ اب جاؤ، شبانہ اندر ہی ہے۔ وہ تمہاری مدد کرے گی۔"

وہ سر ہلاتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ حمزہ کو آٹھ بجے گھر سے نکلنا تھا، سو اب وہ تیزی سے ناشتے کے اہتمام میں مصروف ہوگئی۔ شبانہ اسے پھرتی سے کام کرتا دیکھ کر بول اٹھی۔

"تمہارے پیچھے کیا پولیس پڑی ہے جو یوں تیزی دکھا رہی ہو یا بی بی کے سامنے اپنے سگھڑاپے کے سارے جھنڈے آج ہی گاڑو گی۔" اس نے طنز کیا۔

"میرے پیچھے پڑی ہو یا نہ پڑی ہو، البتہ تم سے گھر کے کام کروانے کے لیے ضرور ہی پولیس کی مدد لینا پڑے گی۔ گھنٹے بھر سے تم یہیں براجمان ہو۔ تمہیں کیا بی بی نے میری چوکیداری کے لیے رکھا ہے؟ جاؤ جا کر اپنا کام نمٹاؤ ورنہ ابھی میں بی بی کو آواز دیتی ہوں۔"

شکل سے بے حد معصوم دکھنے والی کی زبان اس قدر تیکھی ہوگی، یہ تو شبانہ نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ کچن میں داخل ہوتے حمزہ نے ان دونوں کی گفتگو سنی تھی اور وہ بھی اسی طرح حیران ہوا تھا جیسے کہ شبانہ۔

"اس کی زبان کی تیزی دیکھ کر تو لگتا ہے کہ یہ بی بس کچھ ہی دن یہاں ٹکے گی۔ ایسی تیز دھار لڑکیاں بھلا کب ایک جگہ ٹک کر کام کرسکتی ہیں۔" ثمر کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا اور کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ اسے ثمر کے کپڑوں کے رنگ سے ایک دم ہی الجھن ہوئی تھی۔ اس پر اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں۔ چند لمحے وہ انہیں دیکھتا رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پایا کہ وہ اس کی آنکھوں پر غور کیوں کررہا ہے لیکن سر جھٹک کر اخبار پڑھنے لگا۔

کچھ ہی دیر میں گرما گرم ناشتا اس کے سامنے تھا۔ پراٹھے، قیمہ، ملائی، اچار اور نجانے کیا کیا۔ جب سے شائستہ کی طبیعت خراب رہنے لگی، وہ تو ان لوازمات کے لیے ترس گیا تھا۔ جو بھی کام والی آئی اتنا بے ڈھنگا پکا کر جاتی کہ استغفار، لیکن جو بھی تھا گھر کا کھانا اس کے لیے غنیمت ہی تھا۔ شائستہ ہمت کرکے کچھ نہ کچھ بنا ہی دیتی تھیں لیکن پچھلے کچھ دن سے ان کے گھٹنوں میں کچھ زیادہ ہی درد تھا پھر جسم میں درد بھی شروع ہوگیا۔

ثمر کے بنائے ناشتے کی صرف شکل ہی خوب صورت نہیں تھی، ذائقہ بھی ایسا کہ وہ انگلیاں چاٹتا رہ گیا۔ یہی حال کچھ دیر بعد شائستہ بی بی کا بھی ہوا۔ وہ خود کوئی بہترین کھانا تو نہیں بناتی تھیں البتہ ان کا کھانا کھانے لائق ہوتا تھا۔ آج خود ساختہ پرہیز کو بھی وہ خدا حافظ کہہ چکی تھیں۔

"واہ لڑکی! آج تو تم نے مجھے میری جوانی کی یاد دلا دی۔ کسی زمانے میں میں بھی ایسا ہی کھانا بنایا کرتی تھی اور حمزہ کے ابا انگلیاں چاٹتے رہ جاتے تھے۔ ہائے اس بڑھاپے نے مجھے کسی کام کا نہ چھوڑا۔ میرے...... پیروں میں پھرکی تھی پھرکی۔ کبھی نچلی نہ بیٹھی۔ لیکن جوانی گزر گئی تو ساری طاقت توانائی بھی گئی تمہیں دیکھ کر مجھے اپنا گزرا حسین وقت یاد آگیا۔" ان کی آنکھوں میں سچ مچ ماضی کے سائے لہرا رہے تھے۔ ثمر چپ چاپ انہیں دیکھے گئی۔ تبھی شبانہ آگئی۔

"اس کے ہاتھوں کے ساتھ اس کی زبان بھی بہت چلتی ہے بی بی۔ آتے ساتھ ہی اس نے میرے

ساتھ جھگڑا کیا اور مجھے کہا کہ یہ مجھے پولیس کے حوالے کردے گی۔"

شبانہ کے سفید جھوٹ پر ثمر پیلی زرد ہوگئی۔ شائستہ نے بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں کی بے اعتباری دیکھ کر ثمر کی آنکھیں بھیگ سی گئیں تب ہی نجانے کہاں سے اپنا آفس بیگ اٹھائے حمزہ وہاں آیا۔

"شبانہ! تم تو بڑی ہی جھوٹی لڑکی ہو۔ تم نے اسے اور اس نے تمہیں جو کچھ کہا میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔ اور بی بی ثمر آپ۔ اگر آپ پر کوئی جھوٹا الزام لگائے تو پرانی فلم کی ہیروئن کی طرح رونے سے بہتر ہے کہ اپنے حق میں زبان کھولو۔" اس نے ثمر کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے مشورہ دیا۔ ظاہر ہے اس کی شخصیت کا یہ تضاد وہ کیسے ہضم کرتا۔ شبانہ کے ساتھ اس کی باتیں وہ سن چکا تھا۔ اس کا یوں آنکھوں میں آنسو لیے خاموش کھڑے رہنا حمزہ کے لیے حیرت کا باعث ہی تھا۔

شائستہ بی بی نے شبانہ کی وہ عزت افزائی کی کہ الامان۔ عبدالکریم چچا بھی اپنے حصے کا واویلا کرنے پہنچ گیا۔ وہ چڑ کر وہاں سے ہٹ گئی۔

حمزہ تو سچ کا ساتھ دیکھ کر کب کا جا چکا تھا۔ وہ کچن میں آئی اور برتن دھونے لگی۔ اسے دن کا کھانا بھی بنانا تھا۔ کام زیادہ تو نہیں تھا لیکن جسے گھر چمکانے کا شوق ہو اسے کام دکھائی دے ہی جاتا ہے۔ برتن دھو کر ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کچن کی تفصیلی صفائی کا کہ چچا وہاں آگئے۔

"تو ساری زندگی بے وقوف ہی رہنا۔ ادھر اندر تجھے پتا ہی نہیں تھا کہ کب حمزہ آیا اور اس نے تیری قینچی کی طرح چلتی زبان دیکھی، لیکن اگر یہی حرکت تو بی بی کے سامنے کرتی تو پھر تیرے لیے مسئلہ ہوتا۔ ہر جگہ، ہر وقت اپنے حق کے لیے نہیں لڑتے بلکہ کسی بڑے فائدے کے لیے منہ اور زبان بند بھی کردیتے ہیں۔ یہی کام تو شائستہ بی بی کے سامنے کرے گی۔ شبانہ تجھے روز تنگ کرے گی کیونکہ وہ تیری کارکردگی دیکھ کر جل گئی ہے اور اب بی بی کو کوئی مجبوری بھی نہیں کہ ایسی نمک ملازمہ کو برداشت کرے۔" ابھی وہ مزید عقل کی باتیں کرنا چاہتا تھا کہ ثمر نے اسے روکا۔

"چچا! مجھے نہیں علم کہ تیرے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ لیکن میں یہاں صرف اور صرف کام کرنے آئی ہوں۔ مجھ سے کسی فضول حرکت کی امید مت کرنا۔" اس نے غصے سے کہا۔

"میں تجھے کسی غلط کام کا نہیں کہوں گا لیکن جو کہوں گا، وہ تجھے ماننا ہی پڑے گا، نہیں مانے گی تو پھر سے کھیتوں میں کام کرنے والی مزدور بن جائے گی یہ بات یاد رکھنا۔" وہ بھی اپنا ارادہ ظاہر کر کے باہر نکل گیا۔ ثمر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

ثمر کو طرح طرح کے کھانے بنانا آتے تھے، اور یہ سب اس نے اپنی بی بی کے گھر پر ہی سیکھا تھا۔

یہاں آتے ساتھ ہی اس کا شوق پھر سے بیدار ہوگیا اور ایک بار پھر سے شائستہ بی بی اور حمزہ کو واہ واہ کرنے پر مجبور کر گیا۔

پچھلے ڈیڑھ سال سے وہ صرف اپنے چچا کے خدشات کی وجہ سے تکلیف بھری زندگی گزار رہی تھی۔ لیکن یہاں بھی اسے چچا کی ہدایتوں کے سائے میں ہی ہر کام کرنا تھا۔ وہ دوبارہ وہاں نہیں جانا چاہتی تھی۔

یہاں رہنا بھی اس کی خواہشات میں شامل نہیں تھا۔ وہ ایک باشعور لڑکی تھی اور اتنی تو پڑھی لکھی تھی کہ کسی گلی محلے کے اسکول میں کام کر کے عزت کے چند پیسے کما سکے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس کے سارے ڈاکومنٹس وہیں اس بڑے سے گھر کی بڑی الماری میں رہ گئے تھے۔ اب وہ کبھی ان کو حاصل نہ کر پاتی ورنہ وہ اتنی بھی سعادت مند اور بے چاری نہیں تھی کہ چچا کی دھمکیوں سے ڈر جاتی۔ انہی سوچوں میں ڈوبی وہ دودھ کا گلاس لے کر حمزہ کے کمرے میں پہنچی۔ حمزہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''تمہیں گہرے رنگ پسند ہیں کیا؟'' اس نے گہرا جامنی رنگ پہنا ہوا تھا اور یقیناً اس رنگ میں وہ بے حد عجیب لگ رہی تھی۔ حمزہ کے سوال میں بھی اسے کوفت سی محسوس ہوئی اور اس کی بے زار نظریں۔ ثمر کا جی جل گیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چچا کی نصیحت یاد آ گئی۔

''تمہاری رنگت گہری سانولی ہے اور ویسے بھی گرمیوں کا موسم ہے، گہرے رنگ دیکھ کر زیادہ گرمی لگتی ہے اور تم تو اس میں بالکل جامن لگ رہی ہو۔ ہلکے رنگ کے کپڑے خریدو تاکہ تم تمہیں دیکھ کر آنکھوں میں چبھن نہ ہو۔'' حمزہ نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تھا۔ اسے کیا غرض کہ گھر میں کام کرنے والی نے کون سا رنگ پہنا ہے لیکن وہ کچھ کنفرم کرنا چاہتا تھا کہ وہ صرف اس کی اماں کے سامنے شریف بن رہی تھی یا سچ مچ ہی دل کی نازک ہے۔ وہ چپ کر کے گلاس ہاتھ میں تھام کر کھڑی رہی۔ حمزہ نے غور سے اسے دیکھا۔ چہرے پر غصے کی لالی پھیلی تھی۔

''میری رنگت سانولی نہیں ہے۔'' برداشت کرنے کی کوشش ناکام گئی۔ وہ بولی، حمزہ ہنس پڑا۔

''یہ پیسے رکھو اور کل جا کر اپنے کے لیے کچھ ہلکے رنگوں کے کپڑے لے آنا۔ گرمی میں اگر تیز رنگوں کے کپڑے پہنے جائیں تو موسم کی تپش زیادہ محسوس ہوتی ہے لیکن خیر تم ان باریکیوں اور چونچلوں کو کیا جانو۔'' اس نے پیسے بڑھائے۔ وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔

''تم یہاں کی کل وقتی ملازمہ ہو ثمر! تمہاری ساری ضرورتیں پوری کرنا ہمارا فرض ہے۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ثمر نے کانپتے ہاتھوں سے پیسے لیے۔ اور کمرے سے نکل آئی۔

''ہونہہ! جتنے رنگ کی شیدائی عوام۔ خود تو جیسے دودھ کی نہر سے نکل کر آیا ہے نا۔ اچھے گھر میں اور اچھی خوراک کھا کھا کر تو الٹے توے کا رنگ بھی نکھر جائے۔ منحوس کہیں کا۔ اب دیکھنا ان پیسوں سے میں کیا کیا خریدتی ہوں۔'' اس نے مٹھی میں دبے نوٹ گنے۔ ٹھیک ٹھاک رقم تھی۔ لیکن وہ کچھ پریشان ہو گئی۔

''اس مہربانی کی وجہ اس کی بدنیتی تو نہیں، لیکن نہیں وہ بے چارہ تو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، اسے کوئی لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے جو ایک کام والی ماسی وہ بھی ایسی ماسی جو اندھیرے میں کھڑی ہو تو دکھائی نہ دے پر ڈورے ڈالے گا۔ اب تو اس نے پیسے دے دیے اور میں نے لے لیے۔ بات ختم۔'' وہ خوش ہو گئی تھی۔

اس نے چچا کو بتایا تو اسے علم ہوا کہ شائستہ بی بی نے عبدالکریم کو بھی کچھ رقم دی ہے تاکہ وہ اپنی ضروری خریداری کر سکیں۔ ثمر یہاں کسی سے بھی واقف نہیں تھی۔ جب سے اس شہر آئی تھی، گھر سے باہر پاؤں بھی نہیں رکھا تھا۔ چچا نے ایک شام ٹیکسی کروائی اور وہ دونوں مارکیٹ پہنچے جہاں مناسب قیمت پر اچھے کپڑے مل جاتے۔ ثمر کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ وہ بے حد خوش تھی۔ اس نے اپنی مرضی سے بہت کچھ خریدا۔ کچھ میک اپ کا سامان بھی۔ چہرہ صاف کرنے والی کچھ کریمز اور ایک چھوٹا سا سستا موبائل بھی لے لیا۔

''میری بات سن ثمر! شائستہ بی بی نے جب حمزہ کو کہا کہ وہ تجھے کچھ پیسے دے دے تو ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اتنی موٹی رقم تیرے حوالے کر دے۔ لیکن اب وہ ایسا کر چکا ہے تو شائستہ بی بی کو اس بات کی ہوا نہیں لگنی چاہیے، اگر بی بی پوچھے تو کہہ دینا کہ تو نے پیسے گنے بغیر میرے حوالے کر دیے تھے اور یہ موبائل، اگر کبھی ان کی نظر پڑ بھی گئی تو بہانہ گھڑنا کہ یہاں آنے سے پہلے خریدا تھا۔ میں بھی یہ کہوں گا کہ میں نے اپنے پیسے بھی تیری خریداری پر خرچ کر دیے۔''

ثمر نے ان کے اتنے لمبے جھوٹ پر افسوس سے انہیں دیکھا۔

''تجھے میری باتیں بری لگتی ہیں ثمر لیکن تو اس عورت سے واقف نہیں ہے۔ یہ تیری ایک غلطی پر

تجھے آسمان سے زمین پر پٹخ دے گی۔ تو ابھی بچی ہے، تو اس کے مزاج سے واقف نہیں۔" چچا نے اس کا ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا۔

"اگر یہ اتنے ہی برے لوگ ہیں تو ہم یہاں کیا کر رہے ہیں چچا۔" ثمر نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔

تو جانتا ہے کہ میں تجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی۔ تو نے اپنی غرض کی خاطر، میرا مستقبل برباد کر دیا۔ میں اب تک انٹر بھی کر چکی ہوتی اور کسی اچھے اسکول میں استانی لگ جاتی۔ ایک عزت کی نوکری سے محروم کر دیا تو نے مجھے۔ کمی کمین نہیں تھے ہم لیکن تو نے مجھے کمی بنا دیا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ اسے کیا سمجھانا چاہتا تھا اور وہ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی تھی۔ "ہم واپس اپنے گاؤں جاتے۔ وہاں کے اسکول میں، میں نوکری کرتی، سب مجھے استانی جی کہتے۔ تجھ سے زمینوں پر کام نہیں ہوتا تھا تو تو کام نہ کرتا۔ ہم اسے ٹھیکے پر دے دیتے۔ سو چیزیں سوچی جا سکتی تھیں لیکن تو نے میرے لیے یہ زندگی چنی۔ ایک نوکرانی کی زندگی۔" اس نے سر جھٹک کر آنسو صاف کیے۔ آج سے پہلے تو کبھی اس نے یوں شکوہ نہ کیا تھا۔ عبدالکریم بھی کچھ افسردہ ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ ساری غلطی میری ہے۔ لیکن اب میں یہ غلطی سدھارنا چاہتا ہوں۔ تو بس میری ایک بات مان۔ بی بی کے سامنے ویسی ہی رہنا جیسا میں نے کہا ہے، اس عورت نے اپنی ساس کا جینا حرام کیے رکھا، تعویذ گنڈے کروا کروا کر اسے قبر تک پہنچایا۔"

"اس سب کا ہم سے کیا واسطہ؟" اس نے ناسمجھی سے چچا کو دیکھا۔

"واسطہ نہیں تھا لیکن اب واسطہ ہے۔ تجھے کیا لگتا ہے کہ بی بی نے مجھے پیسے کیوں دیے؟ وہ تیری اتنی تعریفیں کیوں کرتی ہے؟ کیا تجھے اس کی شکل دیکھ کر نہیں لگتا کہ وہ کتنی....." کوئی نازیبا لفظ اس کے منہ سے نکلتا، اس نے خود ہی زبان کو قابو کیا۔

ثمر کچھ کچھ تو بی بی کا مزاج سمجھ ہی چکی تھی لیکن ظاہر ہے وہ اپنے چچا کی طرح سیانی نہیں تھی۔

"اس نے مجھے یہاں بلایا ہی اس لیے تھا کہ میں اس کے لیے کسی کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کروں۔ میں یہاں آتا جاتا رہتا ہوں اس لیے مجھے بتول بی بی بھی جانتی ہے اور محلے کے لوگ بھی۔ بتول بی بی سے میری بڑی بنتی ہے، اسی سے ہی مجھے علم ہوا ہے کہ بی بی اپنے اکلوتے بیٹے کا بیاہ نہیں کروانا چاہتی۔ پچھلے چار سال سے اس بے چارے کو لٹکا کر رکھا ہے۔ اب تو وہ خود بھی تنگ آ چکا ہے۔"

اس معلومات پر ثمر کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"جھوٹ، بالکل جھوٹ۔ دیکھا نہیں کیسے وہ اپنے بیٹے کے لیے ہلکان ہوتی رہتی ہیں۔ تو بھی نا چچا بس بے پر کی اڑاتا ہے۔" اس نے ناپسندیدگی سے کہا۔ ثمر کو اس کہانی میں سب جھوٹ ہی دکھ رہا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"یہ بے پر کی نہیں، سچی بات ہے۔ بی بی کی ساس نے مرتے وقت اسے بد دعا دی تھی کہ خدا کرے اسے اس سے بھی زیادہ بری بہو ملے، اور وہ بی بی کے ساتھ ایسا رویہ رکھے جو اس نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔ بی بی کی ساس بہت نمازی اور پرہیز گار عورت تھی۔ بی بی کو لگتا ہے کہ کہیں سچ مچ اس نمازی بڑھیا کی بد دعا قبول نہ ہو گئی ہو اور ویسے بھی بد دعا اثر کرے یا نہ کرے، بی بی جس عادت کی ہے، وہ کسی دوسری عورت کو اس گھر میں برداشت کر ہی نہیں سکتی، پھر اچھی سے اچھی بہو بھی بگڑ کر بدلہ لینے والی بن جائے گی۔"

"یہ ساری اندر کی باتیں تجھے کیسے پتا؟" وہ اب بھی مشکوک تھی۔

"تجھے بتایا تو ہے کہ یہ شائستہ جواب بی بی بنی گھومتی ہے، اپنے گاؤں کی ہے۔ بی بی کا شوہر گاؤں گھومنے آیا تھا۔ اسے دیکھا اور دل دے بیٹھا، بس بیاہ ہو گیا اور یہ شہر آ گئی۔ ان کی اور ہماری زمین ساتھ

ساتھ ہی تو تھی۔ اس کا ابا کبھی کبھار اناج کی بوریاں اسے بھجواتا تھا۔ میں شہر آنے کے شوق میں بوریاں لے آتا، یہ میری بڑی خاطر داری کرتی، مجھے آج بھی یاد ہے، جب میں سامان لے کر پہنچا تو بی بی کی ساس چارپائی پر لیٹی تھیں اور ان کا چہرہ غصے سے لال تھا۔ مجھے دیکھتے ہی شائستہ تیزی سے اٹھی اور اس دن اس نے میری وہ خاطر کی کہ کیا ہی کسی شاہ کی بھی کی ہوگی۔ جب میں گھر سے جانے لگا تو وہ بوڑھی چارپائی پر ہی بیٹھی تھیں اور آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ مجھے لگا شاید انہیں میرا آنا پسند نہیں آیا۔ میں نے آہستگی سے پوچھ بھی لیا۔

''مہمان تو خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔ ان کی آمد پر میں کون ہوتی ہوں دل تنگ کرنے والی۔'' انہوں نے بے حد اداسی سے کہا۔ تبھی شائستہ بی بی پہنچ گئی۔

''میرے میکے والوں کے سامنے ہی میری برائیاں شروع کر دیں۔ یہ کیا پٹیاں پڑھا رہی ہیں انہیں عبدالکریم؟'' شائستہ نفرت سے پھنکارتے ہوئے بولی۔

''تم جاؤ۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ سب کو میرا سلام کہنا۔'' اسے خدا حافظ کہہ کر وہ اپنی ساس کی جانب مڑیں۔

''میں نے ایک نہیں کئی بار یہ بات جتائی ہے کہ یہ پیسہ اور یہ گھر میرا اور میرے شوہر کا ہے، اس گھر میں آنے والے اناج کے ہر دانے پر بھی صرف میرا حق ہے۔ میں باہر کسی کتے کو کھانا دے دوں گی لیکن آپ کے میکے سے منسلک کسی انسان کو کبھی کچھ نہیں دوں گی۔'' وہ چیخنے لگی اور وہ وہ باتیں سنائیں کہ بے چاری بوڑھی کو کہ یاد کرتے میرا دل کانپ جاتا ہے۔'' ثمر کے جسم میں بھی پھریری دوڑ گئی۔

''پھر بھی تو یہاں آ گیا چاچا۔ اگر میرے ساتھ کچھ برا ہوا تو میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' ثمر کی ساری خوشی کافور ہی تو ہو گئی تھی۔

''پاگل ہے تو، مانا کہ میں خود غرض ہوں لیکن اتنا بھی نہیں کہ تجھے داؤ پر لگا دوں۔ سب اچھا بھلا سوچ کر آیا ہوں میں۔ تو پریشان مت ہو۔'' عبدالکریم نے تسلی دی۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ اس کی بات پر یقین کرنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

☆☆☆

''بات سنو!'' وہ سبزی کاٹنے میں مصروف تھی جب حمزہ نے اسے آواز دی۔

''جی!'' وہ ایک دم سے سارے کام چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں نے یہ شرٹ استری کرنے کو کہا تھا لیکن یہ جوں کی توں پڑی ہے۔ اسے ابھی استری کر دو مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر شرٹ تھمائی۔ ثمر نے جواب دیے بغیر ہی ہاتھ بڑھایا حمزہ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

''تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ مجھے تو آپ نے کچھ بھی استری کرنے کا نہیں کہا نہ ہی دیا۔'' وہ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''مالکوں سے بحث کا مطلب ہوتا ہے نوکری سے ہاتھ دھونا اور میں پھر سے عذاب بھری زندگی کی طرف جانا نہیں چاہتی، اس لیے زبان بندی ہی بہتر ہوتی ہے۔'' اس نے بڑے سکون سے جواب دیا اور پھر سے ہاتھ بڑھایا۔

''تمہاری باتوں سے تو تم ان پڑھ بالکل نہیں لگتیں۔'' وہ یقیناً اس کی تقریر سے متاثر ہو گیا تھا۔ ثمر کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''کیا ہوا؟ میری بات پر کیوں ہنس رہی ہو؟'' ثمر نے کچھ بھی کہے بغیر نفی میں سر ہلایا۔ اور شرٹ تھام کر نکل گئی۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا اس کی ہنسی کی وجہ ڈھونڈتا رہا پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

اس نے کچھ ہی وقت میں اپنے ہاتھ کے ذائقے اور سلیقے سے ان سب کو دیوانہ کر دیا تھا۔ وہ نت نئے کھانے بنانے کی شوقین بھی۔ حمزہ اس کے ہر کھانے کی کھل کر تعریف کرتا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی

وہ مسکراتا۔ شائستہ کے چہرے کے رنگ بدل جاتے۔ ان کے بیٹے نے کبھی ان کے ہاتھ کے کھانے کی تعریف نہیں کی تھی اور وہ ایک معمولی ملازمہ کی اس قدر تعریفیں کرتا تھا کہ بس ہاتھ چومنے کی ہی کسر رہ جاتی تھی۔ ثمر ان کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر پیلی پڑ جاتی۔ اسے لگتا کہ بس اب کچھ ہی دن بعد وہ پھر سے در بدر ہو جائے گی۔۔ وہ جب بھی حمزہ کے منہ سے اپنی تعریف سنتی اور شائستہ بی بی کا چہرہ دیکھتی، اسے عبدالکریم کی باتیں اسے سچ لگتیں۔۔ انہوں نے بہانے بہانے سے اسے ذلیل کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ تو اچھا یہ ہوا کہ حمزہ کو آفس کی طرف سے ایک ہفتے کے لیے دورے پر بھیج دیا گیا۔ اس کے جاتے ہی شائستہ بی بی اس کے ساتھ پھر سے اچھی ہو گئیں۔ عبدالکریم کی ہدایت کے مطابق وہ ان کی تعریفیں کرتی رہتی۔ بہانے بہانے سے ان کی خدمت کرتے ہوئے کتنی ہی جھوٹی سچی تعریفیں کر جاتی۔ وہ آنکھیں موندے مزے لیتی رہتیں، اور ثمر عبدالکریم کو کوستے ہوئے دل میں استغفار کرتی۔

اس کے جاتے ہی شائستہ بی بی نے گھر کی سیٹنگ تبدیل کرنے کا سوچا۔ حمزہ ان سے کافی عرصے سے کہہ رہا تھا لیکن وہ اپنی طبیعت کے باعث ایسے کسی تھکا دینے والے کام میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتی تھیں لیکن اب ان کے پاس جادو کا چراغ ثمر تھی۔ رنگ تو کچھ ہی وقت پہلے کروایا تھا۔ یہاں بھی ثمر کو نئی بی بی کے گھر کا تجربہ بہت کام آیا۔ شائستہ سے رہا نہ گیا تو انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

''یہ تمہیں رنگوں اور کپڑوں کے معیار کا اتنا علم کیسے ہے۔ میرا نہیں خیال کہ کبھی تمہیں عبدالکریم نے کچھ ڈھنگ کا خرید کر بھی دیا ہوگا، پھر تمہیں اتنا کچھ کیسے آتا ہے۔'' ان کے سوال میں تجسس تھا اور وہ دن بدن رنگت بدلتی ثمر پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ ابھی ابھی وہ دونوں شاپنگ سے واپس آئی تھیں اور اب وہ ان کے سر کی مالش کر رہی تھی جب انہوں نے پوچھا۔ وہ مسکرائی۔

''جب میں چھوٹی تھی اس وقت عبدالکریم چاچا ایک بہت امیر آدمی کے گھر مالی کے طور پر کام کرتا تھا۔ ہمیں وہیں کوارٹر ملا ہوا تھا۔ ان کی ایک بیٹی تھی ہنی بی بی۔ میری پہلی اور آخری دوست۔'' اسے یاد کرتے ہی وہ آبدیدہ ہو گئی۔ ''وہ میرے علاوہ کسی کے ساتھ ہنستی کھیلتی نہ تھی، تب ان کے ابو نے مجھے ان کے لیے رکھ لیا۔ میرا بس اتنا کام ہوتا تھا کہ میں سارا وقت ان کے ساتھ رہتی، جب بڑی ہوتی گئی تب میری ذمہ داری بھی بڑھتی گئی اور ان کے سارے کام میرے ذمہ آ گئے۔ انہوں نے ہی مجھے ہر چیز سکھائی۔ جو کھانا ان کو پسند ہوتا، وہ میں شیف سے سیکھتی اور بناتی، جب وہ شاپنگ کے لیے جاتیں تو میں ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ بس وہیں سب کچھ سیکھا۔'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں تفصیل بتائی۔

''جب سب کچھ اتنا اچھا تھا تو عبدالکریم وہاں سے کیوں بھاگا؟'' ان کو غنودگی سی آنے لگی تھی لیکن پھر بھی سوال زبان پر آ ہی گیا۔

''وہ لوگ چاہتے تھے کہ میں پڑھوں اور میری کسی اچھی جگہ شادی ہو جائے لیکن چاچا کو لگا کہ اگر ایسا ہو گیا تو میں اس کے قابو سے نکل جاؤں گی۔ اور کبھی اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ وہ بڑھاپے میں اکیلے رہ جائے گا۔ بس اسی خوف نے اسے میری زندگی برباد کرنے پر مجبور کر دیا۔'' اس کے ہاتھ رک گئے تھے اور وہ یقیناً رو رہی تھی۔ شائستہ کو بھلا کیا دکھ ہوتا۔ لیکن ان کا دماغ ایک دم چوکس ہو گیا۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ اگر میں نے کبھی تمہاری شادی کا سوچا تو وہ پھر۔''

''نہیں بی بی! خدا کا واسطہ۔ میں پھر سے اس مشقت کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ نے ایسا کچھ سوچا تو۔'' وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی۔ شائستہ بی بی نے اس کی شکل دیکھی، وہاں صرف ڈر تھا۔

''اچھا اچھا! کچھ نہیں سوچتی۔ تم جاؤ یہاں

سے۔'' وہ آنکھیں موند کر لیٹ گئیں۔

یہاں آئے اسے دو ماہ ہی ہوئے تھے اور ان دو ماہ میں وہ گہری سانولی بجھی آنکھوں والی ثمر کہیں غائب ہو چکی تھی، اس کی جگہ بھرپور صحت مند جوان لڑکی موجود تھی۔ انہیں وہ حسین تو کبھی نہیں لگی لیکن اب آنکھوں کو بھلی لگتی تھی۔ شائستہ کو کبھی کبھی لگتا کہ انہوں نے عبدالکریم کو بلا کر غلطی کی ہے لیکن پھر انہیں اپنا پلان درست لگتا۔ ظاہر ہے گرم پتی دوپہروں میں کھیتوں میں کام کر کے بندہ خوب صورت تو رہنے سے رہا۔ یہاں اسے ہر سہولت میسر تھی اور اس کے آنے کے بعد سے شائستہ کو جو آرام ملا تھا، وہ لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر تھیں۔ جو بھی تھا، وہ ایک ایماندار لڑکی تھی اور یہ اس کی ایسی خاصیت تھی کہ شائستہ اب لاکھ چاہتیں تب بھی اسے اس گھر سے نہ نکالتیں، وہ ہر چیز کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ یوں جیسے سب کچھ اس کا ہو۔ انہوں نے کئی بار امتحان بھی لیا تھا اس کا کہ شاید وہ نمبر بڑھانے کے لیے یہ سب کرتی ہو لیکن وہ ہمیشہ پاس ہی ٹھہری۔

یہ آخری امتحان تھا جو انہوں نے لیا تھا۔ ان کے دل سے ہر ڈر نکل گیا تھا۔ اب ان کا وجود کچھ یوں ہلکا پھلکا ہوا تھا کہ جیسے روئی کا گالا۔

☆☆☆

یہ اس دن کی بات ہے جب حمزہ ایک ہفتے کے ٹور کے بعد گھر لوٹا تھا۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اسے سناٹے کا احساس ہوا۔ ہمیشہ کی طرح عبدالکریم چچا باہر لان میں موجود نہیں تھے نہ ہی باورچی خانے کا دروازہ کھلا تھا۔ ورنہ جب سے ثمر آئی تھی تب سے پچھلا دروازہ اور کھڑکیاں ہر وقت کھلی رہتی تھیں، اس کے کھانے کی خوشبو پورے گھر میں پھیل جاتی تھی۔ شام کا وقت تھا اور چولہا ٹھنڈا۔

وہ حیران سا اندر آیا تو لمحے بھر کو ٹھٹک سا گیا۔ پورے گھر کا نقشہ بدلا ہوا تھا۔ ٹھٹکنے کی وجہ نقشہ بدلا ہونا نہیں تھا، وجہ وہ تھی جو اپنی گیلی زلفیں پھیلائے اپنے حسن سے بے خبر لکڑی کے جھولے پر آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ جھولا ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ چاروں طرف سناٹا تھا، بس جھولا ہلنے کی ہلکی سی آواز سناٹے میں ارتعاش سا پیدا کرتی۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ یہ ارتعاش اس کی مدھم سانسوں کا ہے یا جھولے کا۔ حمزہ کو پسینہ ہی آ گیا۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑا رہا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، ثمر نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں، اس کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔ وہ پلٹی اور پھر بے اختیار ہی اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ اسے اچانک دیکھتی یا کسی کو بھی تو یونہی خوف زدہ ہو جاتی۔ ایک دم ہی اچھل کر وہ جھولے سے اتری تھی۔ اسے یاد آیا کہ دوپٹا تو وہ کمرے میں ہی چھوڑ آئی تھی۔ اس کے چہرے پر شرمندگی، اپنی بے پروائی پر خفت صاف محسوس ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ لب کھولتا، وہ تیر کی تیزی سے باہر بھاگ گئی۔ وہ وہیں صوفے پر ڈھے سا گیا۔

یہ اس کی آنکھوں نے کیا دیکھ لیا تھا۔ وہ پچھلے کچھ دن سے ثمر میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اسے کام کرتے ہوئے دیکھنا، اس کے سنجیدہ تو کبھی تلخ جملوں سے حظ اٹھانا، اسے یہ سب بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ اس پورے ایک ہفتے میں وہ بلاوجہ ہی اسے یاد کرتا رہا۔ اس کا مسکرا کر کھانا پیش کرنا۔ اس کے تنگ کرنے کے باوجود بھی خاموشی اختیار کرنا۔ اور اب۔ حمزہ کے دل کی دھڑکن اب بھی تیز تھی۔ وہ گہری سانس بھر کر اٹھا اور ماں کے کمرے کی طرف بڑھا لیکن وہ بھی خالی تھا۔ وہ ایک دن پہلے ہی آ گیا تھا لیکن اس کے سرپرائز نے اس بار کچھ اچھا اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ وہاں سے کھانا کھائے بغیر نکلا تھا کہ گھر آ کر اس سے فرمائش کر کے کھانا بنوائے گا۔ لیکن اب اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے آتے ہوئے بھی پچاس بار سوچے گی۔

''بے چاری کو بلاوجہ ہی شرمندہ ہونا پڑا۔'' وہ خود ہی شرمندہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ بری طرح پریشانی سے اپنے کمرے کے

چکر کاٹ رہی تھی۔

''یا خدا! یہ کیا ہو گیا۔ اب میں کیسے ان کا سامنا کروں گی۔ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ اف۔ مجھے کس نے کہا تھا کہ میں گھر خالی دیکھ کر اسے اپنا گھر سمجھ بیٹھوں۔ دوپٹے کا ہوش تو ہونا ہی چاہیے تھا مجھے۔'' وہ وہیں نیچے فرش پر بیٹھ گئی۔ شرمندگی سی شرمندگی تھی۔ اتنے دن بعد حمزہ کا چہرہ دکھائی دیا تھا اور وہ خوش ہی نہ ہو پائی۔ اپنی حرکت نے ہی خفت میں مبتلا کر دیا تھا اسے۔ وہ نجانے کتنی دیر یونہی بیٹھی رہتی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا۔

''اف..... شکر ہے چچا کہ آپ آ گئے۔'' وہ بولتے بولتے دروازے کی طرف آئی تو پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ سامنے حمزہ کھڑا تھا۔

''پورا گھر خالی ہے۔ گھر میں کوئی ایک بھی فرد موجود نہیں۔ میرے کمرے کی شکل بدل گئی ہے۔ اور میرا سامان وہاں موجود ہی نہیں۔ کیا اب مجھے بتائیں گی کہ یہ کیا ہو رہا ہے یا میں دیواروں سے پوچھوں۔'' حمزہ نہایت سنجیدگی سے بول رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں ثمر کے چہرے سے چپکی تھیں۔ جبکہ وہ نگاہیں جھکائے پشیمان سی تھی۔

''جی، وہ میں۔ میں بس آ ہی رہی تھی۔'' اس نے چہرے پر سے بالوں کی لٹ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا۔

''ثمر! کوئی بڑی بات نہیں ہوئی۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بھول گیا تم بھی بھول جاؤ۔ مجھے کپڑے نکال کر دو اور جلدی سے کھانا لگاؤ۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ اپنی کہہ کر چلا گیا۔ ثمر نے سکون بھرا گہرا سانس لیا اور اس کے پیچھے آئی۔ اس نے حمزہ کو استری شدہ کپڑے دیے۔

''امی اور گھر کے باقی لوگ کہاں ہیں، میں نے امی کو دو بار فون کیا ہے لیکن وہ فون بھی نہیں اٹھا رہیں۔'' وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی اور وہ بیڈ پر بیٹھا اس سے پوچھ رہا تھا۔

''شائستہ بی بی چچا کے ساتھ اپنے کمرے کا فرنیچر خریدنے گئی ہیں۔ اور شبانہ چھٹی پر ہے۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''یہ اچانک امی کو کیوں سب کچھ تبدیل کرنا یاد آ گیا اور میرے کمرے کا حلیہ کیوں بدل دیا بھائی؟'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ شاید آپ کی امی آپ کی شادی کروانے کا سوچ رہی ہیں۔ اس لیے سب کچھ نیا نیا سا آ رہا ہے گھر میں۔ ویسے آپ کی شادی ہو گی کتنا مزا آئے گا نا۔'' وہ اس کے جوش پر ہنس دیا۔

''میری شادی میں کیوں مزا آئے گا تمہیں۔'' وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اور ہاں۔ میری شادی نہیں ہونے والی۔ چار سال سے اماں کوشش کر رہی ہیں لیکن میں کبھی کسی لڑکی کو پسند نہیں آیا۔'' وہ چاہتا تھا کہ ثمر کچھ دیر اور اس کے پاس رہے، بات کو طول دینے کو وہ دل کا حال بتانے لگا۔

''ایسا ناممکن ہے۔ آپ تو—— میرا مطلب ہے اچھے خاصے ہیں۔ پھر۔'' وہ اس کی حیرت پر ہنسا۔

''ضروری نہیں کہ اچھی شکل اور اچھی جاب کے ساتھ اچھی قسمت بھی مل جائے۔'' وہ مسکرا کر بولا تو وہ سر ہلا کر باہر نکل آئی۔

اب وہ اسے کیسے بتاتی کہ نجانے کیسے لیکن وہ اسے پسند کر بیٹھی ہے۔ اس نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ جن کے گھر وہ ان کی خدمت کے لیے لائی گئی ہے، اس کے مالک کو ہی وہ دل و جان سے چاہنے لگے گی۔ حمزہ تھا ہی ایسا۔ سادہ مزاج، ہنس مکھ سا۔ وہ اس کی طرف ہمیشہ مسکرا کر دیکھتا تھا، اس سے باتیں کرتا تھا، اہمیت دیتا تھا۔ اس کی چھٹی والے دن بھی ثمر بڑے آرام سے سارے کام نمٹاتی جاتی۔ اسے کبھی اس کی موجودگی سے الجھن نہیں ہوئی۔ لیکن اب۔ اب یہ ہونے لگا تھا کہ حمزہ اسے دیکھتا تو ثمر کے دل کی دھڑکن بڑھ سی جاتی۔ رنگت سرخ ہو جاتی۔ وہ ویسا ہی تو تھا۔ بے ضرر، شفاف آنکھوں

والا۔ لیکن اس کے اپنے دل کی حالت نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔

وہ کھانا بناتے ہوئے مستقل سوچوں میں الجھی رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد چچا اور شائستہ بی بی بھی آ گئے۔ اس نے خاموشی سے کھانا لگایا، سب کو کھلایا۔ باقی کام نمٹا کر وہ باہر لان میں آ گئی۔ حمزہ تو کھانا کھا کر فوراً ہی سونے چلا گیا تھا۔ بی بی بھی تھک گئی تھیں۔ ایک کپ اپنے لیے چائے کا بنا کر وہ لان میں آ گئی۔ لان بالکل خالی تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ گھر میں ٹوٹل پانچ افراد تھے۔ ایک چوکیدار اور باقی چار وہ۔ اس پرانے سے گھر کا بڑا سا باغیچہ نما لان کہ جہاں بڑے بڑے نجانے کتنے سال پرانے درخت لگے تھے۔ سب لوگ سو چکے تھے۔ ایک وہی تھی جس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ کتنے دن سے سوچ رہی تھی کہ بی بی کو فون کرے لیکن اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ وہ انہیں کیا جواب دے گی، کیا وہ سچ مچ اتنی ہی لاچار تھی کہ رات کے اندھیرے میں چچا کے ساتھ وہاں سے نکل آئی؟ اس نے گہری سانس بھری۔

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اپنے اس اکلوتے رشتے کو نہیں کھونا چاہتی تھی۔ وہی تو تھا جو اس کے خاندان کا واحد زندہ فرد تھا، جو اسے لاوارث کہلوانے سے بچاتا رہا تھا۔ اس کی چھوٹی بڑی خود غرضیوں کے باوجود وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ گھڑی کتنے بجا چکی ہے۔ چونکی تب، جب درختوں کے قریب عجیب سی سرسراہٹ ہوئی۔ شاید کوئی جانور تھا لیکن۔ اس کی جان ہی نکل گئی۔ اپنے اردگرد دیکھا۔ بڑا سا گھر، بڑا سا لان، اور بڑے بڑے ہی پرانے درخت۔ عجیب سے ڈر نے اس کے پورے وجود پر حملہ کیا۔ وہ ایک دم تیزی سے اٹھی اور پٹڑی تو کسی سے ٹکرائی۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی لیکن فوراً ہی کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تمہیں چیخیں مارنے کا کچھ زیادہ ہی شوق نہیں ہو گیا؟'' حمزہ کی جھنجلائی ہوئی آواز کو وہ فوراً پہچان گئی۔ اس سے اپنا آپ چھڑا کر وہ پیچھے ہٹی۔ ثمر کی سانسیں اب تک اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔ وہ بری طرح خوف زدہ لگ رہی تھی۔ ہلچل تو حمزہ کے وجود میں بھی ہوئی تھی۔ ثمر کی خوشبو جیسے اس کے نتھنوں میں گھستی ہی جا رہی تھی لیکن اس نے خود پر قابو پایا۔

''آئی ایم سوری! میرا مقصد تمہیں ڈرانا نہیں تھا۔ میری آنکھ کھلی تو میں بالکونی میں آیا۔ وہاں سے تم پر نظر پڑی۔ مجھے لگا شاید تمہیں کوئی پریشانی ہے۔ اس لیے سوچا کہ تم سے جا کر کہوں کہ رات کے اس پہر یوں اکیلے بیٹھنا کسی طور ٹھیک نہیں۔ مسئلوں کا حل کمرے میں بیٹھ کر بھی سوچا جا سکتا ہے۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بول رہا تھا لیکن وہ اسے سن ہی کب رہی تھی۔ وہ اب بھی اسی درخت کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے عجیب سی سنسناہٹ کی آواز ابھری تھی۔

''کیا بات ہے؟ کچھ ہوا ہے؟'' اس کی اڑی رنگت پر اسے تشویش ہوئی۔

''نہیں۔ وہ بس مجھے لگا تھا کہ درخت کے پاس کوئی ہے۔'' اس نے چہرے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''جب انسان اکیلا اس طرح رات کے اندھیرے میں بیٹھے گا تو اسے چلتی ہوا بھی کسی اژدھے کی سانس کی پھنکار جیسی محسوس ہو گی۔ آج کے بعد رات کے وقت تم یوں اکیلی باہر مت بیٹھنا۔'' ثمر نے محض اثبات میں سر ہلایا۔

''رکو۔'' وہ جانے لگی تو اس نے ثمر کو آواز دی۔

''یہ۔ میں تمہارے لیے لایا تھا۔'' اس نے ایک پیکٹ آگے بڑھایا۔

''میں یہ کیسے۔'' وہ جھجک گئی۔

''میں سب کے لیے لایا ہوں، شبانہ کے لیے بھی۔ پکڑو اسے۔'' ثمر نے پھر بھی ہاتھ آگے نہ بڑھایا تو حمزہ نے زبردستی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''پریشان مت ہو جایا کرو۔ تم ہم سب کا اتنا

خیال رکھتی ہو، اگر میں بھی تھوڑا سا تمہارا خیال رکھوں تو ڈرامت کرو۔'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا اور آگے بڑھ گیا۔ ثمر کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دل کی حالت عجیب تھی۔

☆☆☆

حمزہ کے لیے سونا محال ہوگیا تھا۔ ایک ہی دن میں دو بار حادثاتی طور پر ہی سہی، چند لمحوں کے لیے ہی لیکن ثمر کے وہ بے حد قریب تھا۔ وہ چند لمحے طویل گھنٹے بن گئے تھے اور اس کی آنکھوں کی پتلیوں سے لپٹ گئے تھے۔ ایسی بے چینی تو اسے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ صبح فجر کے بعد وہ کہیں دوبارہ سویا۔ اس کی آنکھ چیزوں کی اٹھا پٹخ اور گھسٹنے کی آوازوں سے کھلی۔ مزدور آگئے تھے۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ سب سے پہلا خیال ثمر کا ہی آیا تھا۔ وہ مسکرا کر اٹھا اور نہانے چلا گیا۔ نیچے آیا تو شائستہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ثمر باورچی خانے میں مصروف تھی، ساتھ شبانہ بھی تھی۔ اس نے ایک چور نگاہ اس پر ڈالی، لیکن وہ اس کی موجودگی سے بالکل بے خبر تھی۔ شائستہ اس سے باتیں کرنے لگیں۔

''میں ایک بات سوچ رہی تھی۔'' شائستہ نے تمہید باندھی۔ حمزہ مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''تمہاری شادی کا معاملہ میں پچھلے کئی ماہ سے بالکل بھول بیٹھی تھی۔ اب طبیعت ذرا بہتر ہے تو کیوں نہ پھر سے کھوج کی جائے، کسی اچھی لڑکی کی۔ میرا بچہ اکیلا رہ کر تھک گیا ہوگا اور میں بھی تو اس گھر میں بچوں کی قلقاریاں سننا چاہتی ہوں۔'' وہ بہت محبت سے بول رہی تھیں۔ حمزہ اداسی سے مسکرایا۔

''اماں! میری پڑھائی ختم ہوتے ہی آپ نے یہ مہم شروع کی تھی، اس بات کو چار سال ہونے کو ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ، نتیجہ صفر ہے۔ مجھ میں مزید ہمت نہیں ریجیکٹ ہونے کی۔ اب اگر مجھے کوئی لڑکی پسند آگئی تو میں بتادوں گا آپ کو۔ ارینج میرج بس جائے۔'' اس نے پاس سے گزرتی ثمر کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا لیکن شائستہ اس بات کو محسوس نہ کرسکیں، وہ تو بیٹے کی بدلی حالت دیکھ رہی تھیں۔ وہ انہیں بہت سنجیدہ لیکن کسی اور ہی دنیا میں گم لگ رہا تھا۔ ان کے ہوش اڑ گئے۔

"یقیناً اس ٹرپ کے دوران ہی اسے کوئی لڑکی بھائی ہوگی۔ اتنے سال میں بہانے بناتی رہی ہوں اور یہ بے وقوف اسی خوف میں مبتلا رہا کہ لڑکیاں اسے ناپسند کرتی ہیں۔ لیکن کب تک میں یہ جھوٹ گھڑوں گی۔ مجھے اس بارے میں سوچنا چاہیے تھا۔ مجھے کچھ تو کرنا ہوگا کہ یہ ثمر سے شادی کے لیے مان جائے۔ اگر ثمر کے علاوہ کوئی اور اس گھر میں آیا تو بہت برا ہوگا۔ مجھے بہت محنت کرنا ہوگی۔ اور مجھ میں اب اتنی ہمت نہیں کہ سب کچھ نئے سرے سے کروں۔'' وہ حمزہ کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بہت دور کا سوچ رہی تھیں۔

☆☆☆

تین دن شدید مصروفیت میں گزرے، وہ دونوں صبح سے شام تک گھر سیٹ کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ لیکن اس دوران حمزہ اس کے اردگرد ہی چکراتا رہتا۔ بہانے بہانے سے۔ وہ گھبرا گئی تھی۔

اگلے روز وہ صبح سے ہی مصروف تھیں۔ حمزہ نے کہا تھا کہ وہ کھانا باہر سے آرڈر کردے گا۔ شائستہ بتول کے گھر چلی گئی تھیں کہ سارا دن گھر مختلف آوازوں سے گونجتا رہتا، ان کا سر درد کرجاتا تھا۔ انہوں نے حمزہ سے کہا کہ وہ انہیں شام کو واپس لے آئے اور خود وہ گھر پر رہے، ہوسکتا ہے ان دونوں کو مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ وہ کہہ کر گئی تھیں کہ آج ہر صورت سب سیٹ ہوجانا چاہیے۔ عبدالکریم بھی مصروف تھا۔

''میں اپنے لیے پیزا منگوا رہا ہوں، تم دونوں بتاؤ کیا کھاؤ گی؟'' اس نے فون پر نمبر ڈائل کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔

نے بے اختیار شرماتے ہوئے کہا تو حمزہ ہنس دیا۔
''اور آپ محترمہ! بتانا پسند کریں گی؟'' اس نے ثمر کو مخاطب کیا۔
''چاؤمن۔'' وہ اس کی ہلکی سی آواز سن کر سمجھ گیا کہ وہ اس سے ناراض ہے۔ یا شاید اس سے جان بوجھ کر دوری برت رہی ہے۔
''جب تمہیں چاؤمن کا پتا ہے تو تم نے ہمیں کبھی کھلایا کیوں نہیں۔'' اس نے بات چھیڑی۔ وہ دونوں نیچے بیٹھے ہوئے پردے سیٹ کر رہی تھیں۔
''مجھے اس کی ترکیب نہیں آتی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ حمزہ نے محض ہنکارا بھرا اور وہاں سے اٹھ آیا۔ کھانا وہ آرڈر کر چکا تھا۔ کچھ دیر بعد کھانا آ گیا۔ وہ پیزا لے کر لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا جبکہ وہ دونوں کچن میں ہی تھیں۔ شانہ بہت خوشی سے کھا رہی تھی جبکہ ثمر اس کی خوشی دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑی۔ اس کی پلیٹ میں اس کی پسندیدہ ڈش تھی۔
''اف کتنے وقت بعد میں یہ کھاؤں گی۔'' اس نے ماضی یاد کرتے ہوئے ہنکارا بھرا اور کھانے لگی۔ تب تک شانہ کھا پی کر باہر جا چکی تھی۔ اسے اکیلا دیکھ کر حمزہ اندر آیا۔
''بڑے ہی کنجوس لوگ ہیں۔ اکیلے اکیلے کھا رہے ہیں اور آفر کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔'' اس نے بے تکلفی سے اس کے ہاتھ سے پلیٹ لی اور چمچہ پکڑا۔ ثمر کو اس قدر شدید غصہ آیا کہ وہ اسے زور سے دھکا دیتی باہر نکل گئی۔
حمزہ ہکا بکا سا کھڑا رہ گیا۔
پچھلے کچھ دن سے حمزہ اس سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو رہا تھا۔ وہ شدید پریشان ہو چکی تھی۔ کہاں تو وہ اس کی طرف بلا ضرورت آنکھ اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں تھا اور کہاں اب اسے اس کے چہرے سے نگاہ ہٹانا بھی گوارا نہیں تھی۔ یہ سچ تھا کہ وہ اسے پسند کرنے لگی تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس پسندیدگی کے چکر میں کوئی بے وقوفی کرتی یا اس کے ہاتھوں کھلونا بنتی۔ اس کے لیے صرف دو چیزیں اہم تھیں۔ عزت اور چھت۔ اور اب اگر وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ان کے درمیان بے تکلفی قائم ہو گی تو وہ غلط تھا۔ ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ نہ ہی ہو گا۔ میں اس کا سر پھاڑ دوں گی۔ چلتے چلتے اس کی نگاہ اس پیکٹ پر پڑی جو حمزہ نے اسے واپسی کی رات دیا تھا۔ اس نے شدید طیش میں وہ پیک کھولا۔ اس کے ذہن میں یہی تھا کہ اس نے کچھ ایسا ویسا تحفہ ہی لیا ہو گا اس کے لیے۔ لیکن پیکٹ میں سے جو نکلا، اس نے اسے حیران کر دیا۔ وہ سیدھی اس کے کمرے میں پہنچی تھی۔
''یہ..... یہ سب آپ کو کیسے؟'' وہ شدید حیران تھی۔
''اوہ! تو غصہ اتر گیا؟'' حمزہ نے طنز سے پوچھا۔ ثمر کو بھی جیسے ہوش آ گیا۔
''میں نے کبھی کسی کو بھی اپنے ساتھ اتنا بے تکلف نہیں کیا کہ وہ.....''
''مجھے لگا تھا کہ اب ہم دوست ہیں۔'' اس نے ثمر کی بات کاٹ کر کہا۔
''گھر کی نوکرانی سے دوستی کا مطلب جانتے ہیں آپ؟'' ثمر کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ حمزہ کو ایک دم چپ لگ گئی۔
''میں یہاں کام کرتی ہوں، مجھے پیسے ملتے ہیں اور میں اپنی زندگی کی گاڑی چلا رہی ہوں۔ خدا کا واسطہ اسے مشکل مت بنائیں۔ آپ کی یہ مہربانیاں، بے تکلفیاں مجھے ذلیل کر دیں گی۔'' وہ روہانسی ہی تو ہو گئی تھی۔
''ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔'' اس نے کسی بھی قسم کی بحث کیے بغیر اس سے کہا۔ اس نے وہ پیکٹ دیکھا۔
''اس کے لیے شکریہ۔'' وہ اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔
اس میں ثمر کے ڈاکومنٹس تھے۔ وہ ڈاکومنٹس جو وہ بی بی کے کمرے میں ہی بھول آئی تھی۔ ظاہر ہے حمزہ کو کیونکر اس بات کا علم ہو سکتا تھا جب تک کہ کوئی اسے بتائے نا۔ اور وہ کوئی عبدالکریم چچا کے علاوہ کون ہو سکتا تھا بھلا۔ لیکن عبدالکریم چچا نے اس

پر یہ مہربانی آخر کی ہی کیوں؟ وہ پریشان ہوگئی تھی۔

☆☆☆

دوسری طرف شائستہ بی بی کا رویہ بھی ثمر کے ساتھ بے حد اچھا ہوگیا تھا۔ حمزہ اس دن کے بعد سے اجنبی سا بن گیا۔ ثمر نے بھی شکر ادا کیا۔۔ ایک بار پھر سے بتول بی بی حمزہ کے لیے رشتہ لائی تھیں، لیکن اس بار حمزہ نے شدید بے رخی دکھائی اور سختی سے منع کر دیا کہ اب وہ اس کھیل تماشے سے اکتا چکا ہے، وہ اپنی مرضی سے شادی کرے گا۔

شائستہ بی بی کا رنگ ہلدی ہوگیا۔ وہ تو پہلے کبھی اتنا منہ زور نہیں ہوا تھا۔ ہمیشہ صرف فرمائش ہی کرتا، کبھی خود سے کسی بھی معاملے میں پڑنا اسے سکھایا ہی نہیں تھا یا کم از کم وہ ماں کے معاملے میں تو ضرور ہی ایسا تھا۔ انہیں یقین ہوگیا کہ کوئی چڑیل ہے ضرور جس نے ان کے بیٹے کو بری طرح قابو کر رکھا ہے۔ بیٹا کوئی کم عمر نادان لڑکا تو تھا نہیں، یہ تو حیرت ناک بات تھی یا اس کی شدید شرافت کہ اس نے یہی سوچا ہمیشہ کہ شادی ماں کی مرضی سے ہی ہوتی ہے، اس لیے ادھر ادھر دھیان بھی نہ دیا۔ نہ اپنا دل دکھایا نہ کسی اور کا۔ لیکن ثمر کے معاملے میں اسے کچھ بھی یاد نہ رہا۔

نہ اس کی حیثیت، نا ماں کی اجازت۔ بس دل تھا کہ اس کی ہی خواہش کرتا۔

اسے پہلی بار جب ثمر دکھائی دی، اس کے عجیب و غریب حلیے اور پتلی تنگدستی کے باوجود حمزہ کو کچھ بہت مختلف سا محسوس ہوا تھا۔ اس کے رکھ رکھاؤ، بات کرنے کے انداز سے وہ ایک دم ہی متاثر ہوگیا تھا۔ پھر جب یہاں آجانے کے بعد اس نے اپنے حلیے اور رنگ پر توجہ دینا شروع کی، وہ اس کے رنگ و روپ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گہری سیاہ آنکھیں، بھرے بھرے ہونٹ، ناک میں چمکتی لونگ۔ حلیہ بہتر ہونے سے ہر چیز ہی جیسے بے حد واضح ہوگئی تھی لیکن وہ اس کشش کو ایک عام کشش سمجھا تھا۔ وہی جو کسی بھی اچھی شکل و صورت کی عورت کو دیکھ کر محسوس ہو لیکن جوں جوں وقت گزر رہا تھا، اس کے اندر ثمر کو دیکھنے کی خواہش، اس سے بات کرنے کی چاہت بڑھنے لگی تھی۔

وہ صبح صبح بلاوجہ ہی اسے اپنے ساتھ مصروف رکھتا، اسے گاہے بگاہے دیکھتا لیکن وہ یہ بات بھی سمجھ چکا تھا کہ ثمر کو اس کی نظروں کا قطعاً احساس نہیں۔ وہ اس کی موجودگی میں بھی بالکل پرسکون رہتی تھی لیکن اس روز جب وہ اچانک ہی ایک ہفتے بعد واپس آیا۔ وہ ثمر کے حسن اور اس کی شدید کشش سے حقیقتاً پہلی بار واقف ہوا تھا۔ وہ اس کی جانب بڑھتا ہی چلا جانا چاہتا تھا لیکن پہلے قدم پر ہی اس نے حمزہ کو ایک دم روک دیا اور وہ بھی بظاہر رک گیا۔ لیکن ایک بات وہ ٹھان چکا تھا کہ شادی تو وہ ثمر سے ہی کرے گا..... لیکن کیسے.....؟ اس کی ماں ایک معمولی سی نوکرانی سے کیونکر اس کی شادی کروائیں گی۔ اس معاملے کو سلجھانے کے لیے اس کے پاس کوئی پلان نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ صبح جاگی تو موسم بے حد حسین تھا، تیز ہوائیں، آسمان پر مچلتے بادل۔ ثمر کے مزاج پر ایک دم ہی اچھا اثر پڑا تھا۔ وہ ہنستی مسکراتی دن بھر کے کاموں کی ترتیب سوچتی باورچی خانے میں آئی۔ اس کا سب سے پہلا کام شائستہ بی بی کو چائے بنا کر دینا تھا۔ وہ گنگناتی چائے بنانے لگی۔ صبح کے وقت وہ واحد تھی جو وہاں موجود ہوتی تھی۔ شائستہ بی بی اس وقت تک کمرے سے نہ نکلتی تھیں جب تک کہ حمزہ کی آواز ان کے کانوں میں نہ پہنچے۔ اس لیے وہ بڑے ہی سکون سے اپنی مرضی کے انداز میں کام کرتی۔ دوپٹا باورچی خانے کے دروازے پر لٹکا ہوتا۔ زبان پر پسندیدہ نغمہ اور دست روی سے کام۔ لیکن یہ مزا محض آدھے گھنٹے کے دورانیے پر ہی محیط ہوتا تھا۔

اچانک ہی اس کے کانوں نے گرتے قطروں کی آواز سنی۔ وہ ایک دم چائے چھوڑ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ ننھے ننھے قطرے ایک تواتر سے برس رہے تھے۔ وہ مبہوت سی دیکھنے لگی۔ اسے احساس ہی

نہ ہوا کہ کب حمزہ وہاں آیا اور اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''بارش اچھی لگتی ہے تمہیں؟ وہ آواز تھی یا کوئی خوف ناک سائرن۔ وہ بری طرح بدک کر پلٹی۔ اس کے عین سامنے حمزہ کھڑا تھا۔ ثمر کی رنگت پیلی ہو گئی۔ وہ ایک دم ہی بنا کچھ کہے سائیڈ سے نکل کر گزرنے لگی کہ حمزہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑا جو بارش کی ٹھنڈی بوندوں سے بھیگا ہوا تھا۔

''کیا کر دیا ہے میں نے ایسا کہ تم میرے کسی سوال کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتیں؟'' وہ سچ مچ بے وقوف تھا یا اسے سمجھ رہا تھا؟ چند لمحے تو ثمر سمجھ ہی نہیں پائی۔ پھر ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

" آپ اپنے حواسوں میں ہیں یا نہیں؟ یا آپ نے مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے؟ آپ اچانک سے آئیں گے، میری پلیٹ سے جھوٹا کھائیں گے اور میں اس حرکت سے خوشی محسوس کروں گی؟ میں یہاں اس وقت کسی بھی مرد بلکہ کسی عورت کی موجودگی کی بھی توقع نہیں کر رہی تھی۔ اگر آپ آ ہی گئے تھے اور مجھے دیکھ ہی لیا تھا تو اپ کے اندر اتنی تمیز ہونی چاہیے تھی کہ واپس چلے جاتے یا کم از کم دروازے سے آواز دیتے تاکہ میں اپنا حلیہ اس قابل بناتی کہ مجھے کسی مرد کے سامنے آتے ہوئے شرمندگی محسوس نہ ہو..... لیکن نہیں..... آپ کو تو مجھ سے سوال جواب کرنے ہیں..... مجھ سے میری پسند پوچھنی ہے..... وہ بھی میرے بالکل قریب آ کر.....'' وہ غصے سے بولتی چلی گئی۔

''مجھے لاپروائی کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ میں کسی کے گھر میں ملازمہ ہوں جہاں عزت صرف مالک کی ہوتی ہے۔ ان کے نوکروں کی نہیں۔'' اس نے بے اختیاری میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑا۔ حمزہ بالکل خاموش رہ گیا۔ ہمیشہ کی طرح۔ وہ کیا کہتا اس کی باتوں کے جواب میں۔ وہ درست ہی تو کہہ رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کون سے عہد و پیماں ہوئے تھے کہ وہ اس قدر بے تکلف ہوا جا رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے کم بخت دل کا کیا کرتا بھلا۔ جو ثمر کو دیکھتے ہی اس کی جانب لپکنے لگتا تھا۔ اس نے ثمر کی طرف ایک نگاہ دیکھا۔ وہ دوپٹا لپیٹ چکی تھی اور بار بار آنکھیں صاف کرتے ہوئے چائے کپ میں ڈال رہی تھی۔

''آئی ایم سوری ثمر! مجھے واقعی ان باریکیوں کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ مجھے تم اچھی لگتی ہو، تم سے بات کرنا اچھا لگتا ہے اسی لیے شاید ایسی حرکتیں ہو گئیں۔ درگزر کر دو۔'' وہ دھیمی آواز میں بولتا وہاں سے چلا گیا اور ثمر کے دل کی دھڑکن۔ اور اس کے ہاتھ۔ اس معمولی سے اظہار کے باعث لرزتے رہے۔

☆☆☆

انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے سے بات شروع کیسے کریں۔ انہوں نے حمزہ پر اپنی جانب سے بڑی گہری نگاہ رکھی تھی لیکن اب تک و اس کی کوئی چوری نہیں پکڑ پائی تھیں۔ ایک طرح سے یہ بھی بہت اچھی بات تھی۔ اگر ان کو یہ گمان گزرتا کہ وہ ثمر میں ایسی ویسی جیسی بھی دلچسپی لے رہا ہے تو وہ اس سے کیوں کر شادی کا سوچتیں۔۔ ثمر کا حلیہ، اس کی شکل وصورت، رنگت پہلے سے بہتر ہو گئی تھی لیکن ان سب چیزوں کے باوجود وہ ان کی نگاہ میں کم صورت لڑکی تھی۔ وہ کوئی گوری چٹی تو تھی نہیں، گندمی رنگت تھی۔ اور دن بھر گھر کے کاموں میں مصروف عام سے کپڑوں میں وہ انہیں کیا خاص لگتی۔ انہیں بابا کی ہدایت یاد تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ایسی لڑکی کے لیے راضی کریں۔ جو ہر اعتبار سے اس سے کم ہو۔ وہ نفسیاتی طور پر ہی خود کو کم تر محسوس کرے گا اور ماں کے قریب رہے گا۔ اگر لڑکی خود سے دل میں جگہ بنانے کا سوچے گی تو وہ اس سے چڑے گا، دور بھاگے گا۔ اور نفرت محسوس کرے گا۔ لیکن بابا جی نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ وہ ایک نوکرانی سے اس کا بیاہ کروانے کا سوچیں۔ وہ کیوں کر یہ سوچتیں۔ ثمر ان سے بے حد دبتی تھی۔ وہ بعد میں بھی ان کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت نہ کرتی اور یہی تو

چاہتی تھیں کہ حمزہ کی بیوی جتنا عرصہ بھی رہے، ان کی خدمت گار بن کر رہے اور وہ حکمران۔۔ انہیں لگ رہا تھا کہ اب بس وقت آیا ہی چاہتا ہے۔

☆☆☆

شائستہ بی بی کی طبیعت کی خرابی اور گھٹنوں کا درد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ لیکن انہیں ایک کام کرنا تھا۔ وہ تعویذ جو رات کے اندھیرے میں انہوں نے درخت کے نیچے دبایا تھا اسے اب ضائع کرنا تھا۔ اب انہیں حمزہ کی شادی کروانا تھی۔

کچھ دن پہلے وہ ایک محفل میں شریک ہوئی تھیں اور وہاں ہر ایک ہی تو حمزہ کی شادی کی بابت پوچھ رہا تھا۔ لڑکی کی تلاش میں ناکامی کا سن کر عورتوں کی دبی دبی معنی خیز ہنسی۔ ان کے دل پر بری طرح آرے چلا رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ یہ عورتیں ان کے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔ پہلے تو کبھی انہیں ان کی سوچوں کی فکر نہیں ہوئی تھی لیکن اب..... اب شاید ان کی ہڈیوں میں اتنا دم نہیں رہا تھا اور ان کی تعویذ گنڈوں والی حرکتوں سے بھی لوگ اچھی طرح واقف تھے۔ پہلے تو وہ اس مشہوری پر خوش ہوتی تھیں کہ لوگ ان سے دب کر اور ڈر کر رہتے تھے کہ کہیں وہ ان کا کچومر نہ نکلوا دیں لیکن اب..... سارا کھیل وقت ہی رچاتا ہے..... اب انہیں یہ فکر کھائے جاتی تھی کہ ان کے بیٹے کو کسی بات کا علم نہ ہو جائے..... یا کوئی حمزہ کے سامنے ایسی ویسی کوئی بات نہ کر دے۔

وہ رات ہونے کا انتظار کر رہی تھیں کہ جب سارا عالم سو چکا ہوگا۔ لیکن وہ اس بات سے ناواقف تھیں کہ ایک بدقسمت اپنی زندگی مزید مشکل بنانے کو جاگ رہی ہوگی۔

رات کچھ زیادہ ہی کالی تھی۔ یا ثمر کو ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ حمزہ کا وہ ننھا سا اظہار، اس کے الفاظ، آواز۔ دل و دماغ سے لپٹ ہی تو گئے تھے۔ اس کے اردگرد بس ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔

''تم مجھے اچھی لگتی ہو۔'' پورے بدن میں سنسناہٹ سی دوڑ جاتی۔ اور ایک عجیب سی کیفیت۔ اس سے پہلے تو وہ کبھی ان جذبوں سے آشنا نہ ہوئی تھی۔ سارے ڈر، خوف ایک جگہ اور اس کی اپنی خیالی دنیا ایک طرف۔ وہاں بھلا کس کا خوف تھا اسے۔ لیکن وہ چونکی اس وقت جب اسے لگا کہ کوئی اس کے کمرے کے قریب سے گزرا ہے۔

اس رات درختوں کے قریب ہونے والی سرسراہٹ کو وہ اب تک ذہن سے نکال نہیں پائی تھی۔ بے اختیار ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکلی تو شائستہ بی بی کو دبے قدموں آگے بڑھتا دیکھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ اس پرانے درخت کے قریب جا رہی تھیں۔

ثمر کو پہلے یہ نظروں کا دھوکا لگا لیکن وہ شائستہ ہی تھیں۔ بمشکل چلتے ہوئے وہ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے ہی نرم زمین کھودنے لگیں۔ کچھ ہی دیر میں ان کے ہاتھوں میں ان کی مطلوبہ چیز تھی۔ ثمر جوان کے پیچھے آئی تھی۔ چاند کی روشنی میں سب دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں پھاڑے۔ ششدر۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اسے واپس اپنے کمرے میں چلا جانا چاہیے۔

شائستہ بی بی کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ پلٹیں۔ ثمر کا خون خشک ہو گیا۔

''بہت اچھا ہوا جو تم مجھے یہاں مل گئیں۔ میرا کام کچھ اور آسان ہو گیا ہے۔'' ان کے چہرے کی مکروہ مسکراہٹ نے ثمر کے وجود کو جیسے بے جان کر دیا تھا۔

''حمزہ کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ میں جانتی ہوں کہ وہ تمہارے کھانوں لیے علاوہ، تمہیں کچھ خاص پسند نہیں کرتا لیکن پھر بھی۔ میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ تم بتاؤ۔''

وہ اسے اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پر بٹھا کر سوال جواب کر رہی تھیں۔ وہ اب تک ٹھیک سے سمجھ نہیں پائی کہ وہ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں۔ لیکن ہاں، اسے اس بات کا ضرور علم ہو گیا تھا کہ عبدالکریم

چچا نے اس عورت کے بارے میں سب کچھ بالکل درست کہا تھا۔ ثمر کے دل کی دھڑکن بری طرح بے ترتیب تھی اور اس کی وجہ شائستہ کے چہرے کا اطمینان تھا۔

''وہ..... وہ مجھے نوکرانی ہی سمجھتے ہیں جو کہ میں ہوں۔'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے مری ہوئی آواز میں کہا۔ شائستہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''میں چاہتی ہوں کہ وہ تمہیں کچھ اور سمجھے۔ تمہارے قریب آئے اور پھر میں تم دونوں کی شادی کروادوں۔'' ثمر کو لگا کہ اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ اس نے بے اختیار ہی شائستہ کی طرف دیکھا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ میرا بیٹا تم جیسی لڑکی سے کسی صورت شادی نہیں کرے گا لیکن ہاں وہ تم سے دل لگی تو کر ہی سکتا ہے نا۔ تم اسے اپنی طرف مائل کرو، میں تمہیں اس کی بیوی بنادوں گی۔ اور اگر تم نے میری کسی بات سے انکار کیا تو تم جانتی ہو نا کہ میں کیا کروں گی۔'' ثمر عجیب سے خوف کے زیر اثر سامنے کھڑی اس عورت کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی تصحیح پیشانی پسینے سے تر ہوگئی۔

☆☆☆

ثمر نے صبح ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا، وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی آئی اور سیدھا عبدالکریم کے پاس دوڑی۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ ثمر کے جھنجوڑنے پر ہڑبڑا گیا۔

''چچا! اٹھو یہاں سے۔ میں اب اس گھر میں ایک منٹ نہیں رہ سکتی۔'' ثمر کی کانپتی آواز نے عبدالکریم کو پریشان کردیا۔

''کیا ہوگیا؟ اور تو اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہے؟ اور اتنا پسینہ..... کیا بات ہے؟'' وہ سچ مچ گھبرا گیا۔ ہانپتی کانپتی سی وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''اگر ہم مزید یہاں رہے تو یہ عورت ہمیں مار ڈالے گی۔'' وہ ڈری سہمی سی بولی۔

''کون عورت۔ تو کیا بولے جارہی ہے۔ ٹھیک سے بتانا سب۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں بستر پر لیٹی تھی جب مجھے لگا کہ کمرے کے دروازے کے پاس سے کوئی گزرا ہے۔ میں سمجھی کہ شاید تیری طبیعت خراب ہے میں باہر آئی تو دیکھا وہ گھٹنے کی مریضہ شائستہ مشکل سے چلتی ہوئی درخت کے پاس جارہی تھی۔ وہاں سے اس نے تعویذ نکالا اور کھولا۔''

''اب یہ مت کہنا کہ اس نے تجھے دیکھ لیا۔'' عبدالکریم نے امید کے تحت پوچھا۔ ثمر نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''نہ صرف اس نے مجھے دیکھ لیا بلکہ مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لے گئی اور مجھ سے کہا کہ اگر میں نے اس بارے میں کسی کو کچھ بتایا تو وہ میری جان لے لے گی اور اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ مجھے معذور کروادے گی..... چچا یہ بہت خطرناک عورت ہے..... اس بیماری میں بھی اسے خدا کا خوف نہیں..... یہ کسی کی جان لینے سے بھی نہ جائے گی..... میں کھیتوں میں کام کرلوں گی لیکن معذوری کی زندگی..... نہیں..... تو بس ابھی اٹھ۔ مجھے یہاں ایک منٹ نہیں رہنا۔'' وہ جلدی جلدی بولتی گئی۔ عبدالکریم کی رنگت متغیر تھی لیکن بھلا ایسا کیا کام تھا جو ثمر ہی کرسکتی تھی؟ وہ چونک گیا۔ چہرے کی رنگت میں سکون گھل گیا۔

''اس نے کہا ہوگا کہ تو اس کے بیٹے کو قابو کر؟'' ثمر نے حیران ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ عبدالکریم کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ثمر کو شدید غصہ آیا۔

''تجھ سے میں نے کہا تھا نا کہ تو وہی سب کرنا جو کچھ میں نے کہا ہے تیری قسمت بدل جائے گی؟ دیکھ۔ تیری قسمت بدلنے کا وقت آگیا ہے۔'' ثمر نے خوشی خوشی بولتے عبدالکریم کو تحیر سے دیکھا۔

''تجھے کیا لگتا ہے میں اس عورت سے واقف نہیں؟ یہاں آتے ساتھ ہی میں بتول بی بی کے پاس گیا تھا تاکہ اپنا اندازہ کو جانچ سکوں کہ وہ کتا

درست ہے۔اس نے ہی بتایا کہ شائستہ جان بوجھ کر حمزہ کا کہیں رشتہ نہیں کر رہی کہ اسے اپنی جوانی اچھی طرح یاد ہے اور ساس کی بددعائیں بھی۔وہ کسی ایسی لڑکی کو ہی لائے گی جو اس کے ہاتھ کے نیچے دب کر رہے اور وہ اپنی حکمرانی قائم رکھے۔مرتے دم تک۔ اپنی بہو، اپنے بیٹے کو وہ صرف اپنے اشاروں پر نچوانا چاہتی ہے۔بتول اچھے گھروں کی پڑھی لکھی لڑکیوں کے رشتے لاتی تھی لیکن اچھے گھروں کے لوگ بیٹیوں کی شادی کے بعد بھی ان کے سرپرست رہتے ہیں۔ ان کے لیے بیٹی کی خوشی اور اس کی عزت عزیز ہوتی ہے نا کہ گھر بسانا اور شائستہ جانتی تھی کہ اس کا بیٹا حمزہ جتنی محبت ماں سے کرتا ہے اتنی ہی بیوی سے بھی کرے گا اور اسے ان دونوں کو قابو کرنے میں بہت وقت لگ جائے گا اور کیا خبر تب تک وقت ہاتھ سے ہی نہ نکل جائے اور سر کو سوا سیر نہ ٹکر جائے تو وہ چار سال تک بیٹے کو لٹکاتی رہی..... لیکن اب جب اس نے بیٹے کا اتاولا پن دیکھا تو تعویذ والے کے پاس پہنچ گئی کہ اب شادی تو کروانی ہی ہے لیکن شادی ٹوٹ جائے یا اگر ہو بھی جائے تو وہ زیادہ عرصہ نہ چلے۔ پھر اسے تو دکھائی دی۔ جس نے گھر بھی سنبھال لیا۔اسے لگا تھا کہ شاید حمزہ تیری طرف مائل ہو جائے گا اور وہ اس طرح اپنا کھیل کھیل سکے گی۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔" ثمر نے شکر ادا کیا کہ ان میں سے کسی کو حمزہ کی حرکتوں کا علم نہیں ہوا۔ورنہ چچا یقیناً اس وقت یہ نہ کہہ رہے ہوتے۔

"اب وہ بیٹے کو ایک نوکرانی سے شادی کے لیے کیوں کر راضی کر سکتی ہے؟ سو جب وہ یہاں آئی اور اسے تو نے دیکھ لیا تو اس کا کام آسان ہو گیا۔وہ تجھے دھمکائے گی کہ تو کچھ ایسا کر کہ اسے حمزہ کی کمزوری کا علم ہو اور وہ اسے استعمال کر کے تم دونوں کا بیاہ کروا دے۔" ثمر نے شکوہ کناں نظروں سے چچا کو دیکھا۔تو وہ اس عورت کی ہر چال سے واقف تھے

"دیکھ بیٹی! تو اگر چاہتی ہے کہ سکون بھری زندگی گزارے اور ایک عزت بھرے گھر کی بہو بنے تو اتنا تو تجھے کرنا ہی پڑے گا۔" عبدالکریم کی غیرت بالکل ہی سو گئی تھی۔ثمر کا چہرہ تاریک ہو گیا۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ عبدالکریم کو بڑے سکھ کی نیند آئی تھی۔۔۔جبکہ ثمر ساری رات جاگتی رہی۔ اس کے دل کی حالت عجیب تھی۔وہ دونوں ہی تو اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے تھے۔دونوں کو ہی اپنی بقا عزیز تھی۔ کھلونے تھے تو وہ اور حمزہ..... اسے شائستہ اور عبدالکریم میں بس انیس بیس کا ہی فرق لگا۔

"سب اپنی ناجائز خواہشات کا ہی سوچ رہے ہیں۔تو میں کیوں نا وہ سوچوں جو میرے لیے جائز ہے۔" اس نے شدید تکلیف کے عالم میں خود سے کہا۔اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

رات نیند نہ پوری ہونے کے باعث اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور طبیعت بھی بوجھل سی تھی۔وہ مرے مرے ہاتھوں سے کام کر رہی تھی۔حمزہ نے نوٹ کیا لیکن کہا کچھ نہیں۔شام کو وہ آفس سے واپس آیا تو وہ اسے اپنے کمرے میں دکھائی دی۔وہ اس وقت اس کا کمرہ صاف کر رہی تھی؟ وہ حیران ہوا۔۔لیکن بولا کچھ نہیں، اس نے بھی اسے آتا دیکھ کر کمرے سے غائب ہو جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ چائے بنا کر وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اسے بھجوائے لیکن وہ خود ہی وہاں آ گیا۔اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا اور لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا۔ثمر تھکے تھکے انداز میں کچن میں ہی بیٹھ گئی۔اس کی طبیعت بوجھل ہو رہی تھی۔ ورنہ اس وقت وہ کھانا بنانا شروع بھی کر چکی ہوتی تھی۔حمزہ چائے پی کر اٹھا اور کپ لیے وہیں آ گیا۔

"تم کھانا مت بنانا۔میرا موڈ نہیں۔اور ہاں امی کے لیے بھی میں باہر سے آرڈر کر دوں گا۔باقی کا کام وہ نکی شبانہ دیکھ لے گی۔تم جا کر آرام کرو۔" ثمر نے تشکر سے اسے دیکھا..... وہ بن کہے ہی سمجھ گیا تھا۔

''شکریہ!'' آہستگی سے کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

''سنو!'' حمزہ نے دھیرے سے پکارا۔

''میں اتنا برا نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔'' وہ شاید اپنی صفائی پیش کر رہا تھا۔ وہ مسکرا اٹھی۔

''جانتی ہوں۔'' ثمر نے چمکتی آنکھوں سے حمزہ کی طرف دیکھا۔ وہ حیران سا رہ گیا۔ وہ اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہی تھی؟ یہ کایا پلٹ کیسے؟ وہ خوش سا ہو گیا۔

☆☆☆

اس روز کے بعد سے ثمر اس سے ہلکی پھلکی باتیں بھی کر لیتی تھی لیکن ہاں یہ ضرور ہوا تھا کہ حمزہ اب فضول بے تکلفی سے گریز ہی برت رہا تھا۔ وہ اسے میٹھی نظروں سے دیکھتا، ثمر انجان سی بن جاتی۔ اس آنکھ مچولی میں بھی عجیب ہی لطف سا تھا۔ وہ دن بدن حسین ہوتی جا رہی تھی یا حمزہ کی آنکھوں میں حسن اتر آیا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

ان دنوں موسم بھی ضرورت سے زیادہ ہی خوب صورت ہو رہا تھا۔ دو روز خوب موسلا دھار بارش ہوئی۔ حمزہ نے بارش کا فائدہ اٹھایا اور خوب نہایا۔ ثمر سے طرح طرح کے پکوان پکوائے، وہ اس کی آنکھوں سے اس کے دل کی خواہش کا اظہار سن رہی تھی۔

بارش دن بھر برستی رہی تھی، دو گھنٹے کے وقفے کے بعد پھر سے جب برسنا شروع ہوئی تو الامان۔ ایسے تیز بادل گرج رہے تھے کہ لگتا تھا سر پر آ گریں گے اور بجلی کی چمک..... ثمر ڈری سہمی وہیں لاؤنج کے صوفے پر ہی بیٹھ گئی۔ شائستہ بی بی بھی استغفار پڑھنے لگیں۔ حمزہ اپنے کمرے میں ہی تھا۔ اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ بخار چیک کیا تو ایک سو دو تھا۔ موسم ایسا تھا کہ وہ گھر سے باہر قدم نکالنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ثمر ہانپتی کانپتی ساری کھڑکیاں بند کر رہی تھی کہ ان کا شور اسے مزید خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔ شائستہ بی بی نے کھانا کھانے سے منع کر دیا تھا، اور اسے ہدایت دی کہ وہ حمزہ سے کھانے کا پوچھ لے۔ شام چھ بجے کے بعد سے وہ کمرے سے باہر ہی نہیں نکلا تھا۔ ثمر دروازہ بجا کر اندر کمرے میں آئی تو وہ دوائیں چیک کرتا دکھائی دیا تھا۔

''آپ کے لیے کھانا لے آؤں؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا لیکن اسے بے اختیار ہی اپنے کانوں پر ہاتھ رکھنے پڑے۔ تیز ہوا کے جھونکے سے کھڑکی زور سے بجی تھی۔ زور زور سے چیختے آسمان کی ہیبت عجیب تھی۔

''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ تم بس دودھ کا گلاس لا دو۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

''کیا ہوا طبیعت کو؟'' وہ پریشان سی ہوئی۔ حمزہ مسکرایا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ بس بارش میں نہانا راس نہیں آیا۔ صبح تک ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' وہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا تو وہ سر ہلا کر کمرے سے نکل گئی۔ دودھ کا گلاس لے کر ابھی وہ کمرے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ لائٹ چلی گئی۔ وہ تو شکر تھا جنریٹر چلنے لگا۔

حمزہ بستر پر لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چند لمحے وہ یونہی کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

''آج کیا میں زیادہ پیارا لگ رہا ہوں۔'' وہ ایک دم سے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تو وہ بری طرح ہڑبڑائی۔ اور گلاس میں سے گرم دودھ چھلک کر اس کے ہاتھ پر گرا۔ وہ ایک دم ہی بستر سے اٹھا تھا۔

''یار! میں نے تو مذاق کیا تھا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ بات بے بات ہڑبڑا کیوں جاتی ہو؟'' اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر سائیڈ پر رکھا اور اسے بستر پر بٹھاتے ہوئے وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔ ثمر کی آنکھوں میں نجانے کیوں پانی بھر آیا۔

''کیا بات ہے ثمر؟'' وہ اسے روتا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ہاتھ میں ہونے والی جلن کی وجہ سے وہ نہیں رو رہی۔

''میں ہنی بی بی کے پاس واپس جانا چاہتی

ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔'' وہ روتے ہوئے
دلی۔
''تم مجھے بتاؤ گی کہ کیا ہوا ہے؟'' وہ سنجیدہ
ہوگیا۔
''کچھ نہیں ہوا۔ میں بس اب یہاں نہیں رہنا
چاہتی اور چچا میری بات کبھی نہیں مانے گا۔'' سوں
سوں کرتی جارہی تھی۔ حمزہ نے گہری سانس لی۔
''کہیں تم مجھ سے تو خوف زدہ نہیں ہو؟ سچ
بتاؤ۔ مجھ سے محبت کرنے لگی ہو نا؟'' اسی لیے ڈر کر
بھاگ رہی ہو یہاں سے؟'' وہ آنکھوں میں دنیا
جہان کی نرمی لیے پوچھ رہا تھا۔ ثمر کا سانس رک سا
گیا۔ وہ نفی میں سر ہلا ہی نہ سکی۔ نہ اس کی آنکھوں
میں دیکھ سکی۔ آنسو تھے کہ امڈتے ہی چلے جارہے
تھے۔
''ثمر!'' حمزہ نے بے حد محبت سے اس کا نام
پکارا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
''میں آپ سے خوف زدہ نہیں ہوں، آپ
کے لیے خوف زدہ ہوں۔'' وہ بے اختیار بول اٹھی۔
حمزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
''کیا مطلب؟'' وہ ناسمجھی سے بولا۔
''میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی، سوائے اس کے
کہ آپ کی والدہ میری اور آپ کی شادی کروانا
چاہتی ہیں۔ لیکن وہ مجھے آپ کے ساتھ رہنے بھی
نہیں دیں گی۔'' وہ بے اختیار بول گئی۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس کی آنکھوں کی
نرمی حیران کن سختی میں بدل گئی۔ ثمر کا دل ڈوب گیا۔
اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ چھڑائے۔
''آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے، اس لیے مجھ
سے کچھ بھی مت پوچھیں۔ لیکن اتنی عنایت کیجیے گا کہ
میں نے جو کچھ کہا ہے، وہ سب اپنی والدہ کو مت
بتائیے گا۔ اور آج کے بعد مجھ سے جتنا دور رہ سکتے
ہیں، اتنا دور رہیے گا۔'' آخری جملہ ادا کرتے اس کا
لہجہ بھی سخت ہوگیا۔ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے

''مجھے تم پر بھروسا ہے ثمر! لیکن وہ میری ماں
ہیں۔ میں ان پر بھی یقین رکھتا ہوں۔'' اس نے
مضبوط لہجے میں کہا۔
''خدا آپ کا بھروسا قائم رکھے۔'' اس نے
افسوس بھرے انداز میں کہا۔ باہر بہت زور و شور سے
برسات ہو رہی تھی۔ اور یہاں وہ دونوں ان باتوں
میں الجھے تھے۔ اچانک نجانے حمزہ کو کیا ہوا۔ اس نے
اس کی کلائی کھینچی، وہ اس کے سینے سے آ لگی۔
''اگر یہ بات سچ ہے کہ وہ خود ہی میری اور
تمہاری شادی کروانا چاہتی ہیں تو یقین مانو۔ اس
کے بعد مجھے اور تمہیں کوئی الگ نہیں کر سکتا۔ اس لیے
سارے خدشے دل سے نکال دو لیکن اگر یہ ساری
بات غلط نکلی کہ میری اماں کسی پلاننگ کے تحت یہ
سب کر رہی ہیں تو میرے دل میں تمہاری کوئی جگہ
نہیں ہوگی۔ میں نے صرف دو عورتوں سے محبت کی
ہے۔ ایک میری ماں اور ایک تم۔ اور میری خواہش
ہے کہ تم دونوں ہی میرا بھروسا قائم رکھو۔'' اس نے
آہستگی سے اس کے کان میں کہا۔ اور اسے چھوڑ دیا۔
وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بھاگتی چلی گئی۔ جبکہ
حمزہ کتنی ہی دیر اس ہاتھ کو دیکھتا رہا کہ جس میں ثمر کا
لمس اترا تھا۔ کیا وہ سچ مچ اس لڑکی کو دل سے نکال
سکتا تھا؟ دل نے زور زور سے اس بات کی نفی کی
تھی۔

☆☆☆

یہ ثمر کی بے وقوفی تھی یا جلد بازی۔ وہ خود سمجھ
نہیں پائی۔ اسے یکا یک ہی حمزہ پر بے تحاشا بھروسا
پیدا ہوگیا تھا۔ اسے پچاس بار سوچنا چاہیے تھا کہ وہ
جس کے بارے میں اس سے بات کر رہی ہے وہ
اس کی سگی ماں ہے لیکن نجانے کیوں وہ خاموش نہیں
رہ سکی۔ وہ جانتی تھی ایسے ویسے یا جیسے بھی وہ اس کی
بیوی بنے گی۔ لیکن وہ اسے دھوکا دے۔ یہ اسے گوارا
نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ شائستہ کون سا
کھیل کھیلیں گی لیکن وہ کیسے خود کو گراتی۔ وہ کیسے گناہ

اکساتی۔ یہ اس کے لیے ناممکن تھا۔

ساری رات وہ پریشان رہی۔ اسے یقین تھا کہ حمزہ نے اس کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا۔ بھلا وہ لڑکی جو اس کے گھر کام کرتی ہے، وہ کیسے اپنی ماں کے خلاف جا کر اس کی بات کو سچ مانے گا۔ یہ بھی حمزہ کا بڑا پن ہی تھا کہ وہ اس پر چیخا چلایا نہیں نہ ہی اس کو براہ راست ذلیل کیا۔

ایک تو حمزہ کی بے یقینی کا خوف دوسرا رات بھر چیختے چنگھاڑتے بادلوں کا ڈر۔ وہ ایک منٹ بھی سو نہیں پائی۔ صبح ہوتے ہی اسے کام کرنا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ آج وہ چھٹی مانگ لے لیکن شبانہ بی بی بارش کا بہانہ بنا کر غائب تھی۔ اس کو شدید غصہ آیا۔ وہ کڑھتی بکتی جھکتی کام کرنے لگی۔ سر شدید درد کر رہا تھا اور نیند سے آنکھیں بوجھل تھیں۔ وہ شائستہ کو چائے دینے آئی تو انہوں نے اس سے پوچھا۔

"یہ تمہاری آنکھیں اتنی سوجی ہوئی کیوں ہیں۔ رات بھر سوئی نہیں ہو کیا؟" انہوں نے بڑے تیکھے انداز میں پوچھا۔ اس کا دل نفرت سے بھر گیا۔

"جی! نیند نہیں آئی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"تم سے میں نے تمہاری نہیں، اپنے بیٹے کی نیندیں اڑانے کا کہا ہے، اور ویسے بھی تم نوکرانیاں تو ان کاموں میں ماہر ہوتی ہو..... اس لیے میرے سامنے پارسا مت بنو..... مجھے جلد از جلد نتیجہ چاہیے..... ورنہ جانتی ہو نا کہ کیا ہوگا؟" ان کے حقارت بھرے انداز پر اس کی جان سلگ گئی۔ اس کا دل چاہا وہ یہ گرم چائے اس عورت کے منہ پر انڈیل دے۔ اس نے غصہ قابو کیا۔ اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"اگر آپ کو اپنے بیٹے کی شادی کسی نوکرانی سے ہی کروانی ہے تو شبانہ کیوں نہیں؟ میں ہی کیوں؟" اس کی آواز رندھ گئی۔

"اسی لیے۔ بس اسی لیے تو تم۔۔ کچھ بھی سہی، شکل رکھتی ہو۔ نوکرانی ہی سہی لیکن نوکروں کے خاندان سے تو نہیں ہو نا تم۔ اور پھر عبدالکریم۔ اگر مجھے فائدہ دینا ہی ہے تو میں اپنے کسی دور کے رشتہ دار کو کیوں نہ دوں..... ایک ڈیڑھ سال..... یا ایک دو ماہ..... جتنا عرصہ بھی تم یہاں رہو گی..... مزے میں رہو گی..... یہاں سے جانے کے بعد بھی میں تمہیں بے گھر نہیں چھوڑوں گی..... تم واپس اپنے آبائی گاؤں چلی جانا..... تعلیم مکمل کرنا..... استانی کی نوکری کرنا..... وہاں ایک گھر ہے میرا..... وہ تمہارا ہو جائے گا..... پھر تمہیں عبدالکریم سے بھی دبنے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" ان کا لہجہ یکا یک نرم ہو گیا تھا۔

ایسی آفر..... یہ خواہش تو سالوں سے اس کے دل میں تھی اور چچا عبدالکریم..... اسے اس سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ وہ ڈبل گیم کھیل رہا تھا۔ ہر طرف سے فائدہ۔ اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ کوئی بھی تو اسے انسان نہیں سمجھ رہا تھا۔ سب اپنی مرضی کے تحت اسے استعمال کرنا چاہتے تھے اور کر رہے تھے۔

"شادی کے بعد..... مطلب کہ پھر..... پھر کیا ہوگا؟" اس نے حلق تر کرتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تو تم میرا ساتھ دو گی، تو سب کچھ بہت آسانی سے ہوگا لیکن اگر تم نے مجھ سے دھوکا دہی کی کوشش کی تو تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گی..... حمزہ کو ایک لمحہ بھی نہیں لگے گا میری بات ماننے میں..... وہ تمہیں اپنے ہاتھوں قتل کر دے گا..... اس لیے۔ چپ چاپ میرا ہر حکم مانو۔ فائدے میں رہو گی..... لیکن اگر تم نے میرے خلاف جانے کی کوشش کی تو....." انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ثمر کے ہاتھ کانپ سے گئے۔ ان کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ ثمر کپکپاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ انہیں عجیب سا لطف ملا تھا۔ ان کی ساس۔ ان کو بھی تو وہ یونہی اپنے خوف

''اس لطف سے دوری کو بھی کتنا عرصہ گزر گیا ہے..... لیکن ثمر..... ثمر تو ہے..... جب تک ہے میں اسے اپنی ہیبت میں مبتلا رکھوں گی۔'' ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ بالکل ویسی جیسی اپنے شکار کو دیکھ کر کسی درندے کی آنکھوں میں اترتی ہے۔

☆☆☆

حمزہ کا بخار اترنے کے بجائے بڑھتا چلا گیا تھا۔ بارش رک گئی تھی اس لیے ڈاکٹر بھی مل گیا۔ ڈاکٹر کی ہدایت تھی کہ اس کے سر پر ٹھنڈی پٹیاں رکھی جائیں۔ حمزہ درد سے کراہ رہا تھا۔ شبانہ اور وہ دروازے سے چپکی کھڑی تھیں۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد شائستہ ان دونوں کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''شبانہ! دن کا کھانا آج تم بناؤ گی اور حمزہ کے لیے بھی کچھ پرہیزی بنا دینا..... اور تم ثمر..... جا کر ٹھنڈا پانی لے کر آؤ..... حمزہ کے سر پر پٹیاں رکھو..... اور اس کے پاس سے ایک منٹ کے لیے بھی اٹھنا مت..... بتول کو بھی آج ہی آنا تھا..... چار گھنٹوں سے پہلے تو وہ اٹھنے سے رہی۔ میں بیچ بیچ میں آ کر دیکھتی رہوں گی۔'' وہ اٹھیں اور حمزہ کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ ان کے چہرے پر فکر تھی۔ ثمر کو وہ فکر عجیب لگی۔ ایسی عورت جو اپنے بیٹے کا گھر بسنے ہی نہ دینا چاہتی ہو، ایسی عورت کو کیا اپنی اولاد سے محبت ہوگی؟ وہ بے اختیار سوچے گئی۔ ان کے کمرے سے نکل جانے کے بعد ثمر شبانہ کی طرف مڑی۔

''پرہیزی کھانا میں بنا چکی ہوں۔ تم بس دن کا کھانا بنا لینا اور بالکل ویسے ہی جیسے میں نے بتایا تھا۔ اگر گڑبڑ کی تو بی بی کی ڈانٹ پھٹکار کے لیے تیار رہنا۔'' ثمر نے اپنے حصے کی کچھ ٹینشن اسے دی۔ وہ منہ بناتی باہر نکل گئی۔ حمزہ کی شاید آنکھ لگ گئی تھی۔ وہ ٹھنڈا پانی اور سفید کپڑا لے آئی۔ کرسی گھسیٹ کر وہ اس کے پاس بیٹھی اور سر پر پٹیاں رکھنے لگی۔

''کیا میں نے کبھی سوچا تھا کہ میں اس شخص کی کشش میں اس طرح مبتلا ہو جاؤں گی کہ ہر خوف

خود کو راضی پاؤں گی..... یہ دل کے کھیل.....'' اس نے گہری سانس لی..... پندرہ منٹ بعد حمزہ نے آنکھیں کھولیں۔ اپنی من پسند ہستی کو سامنے دیکھ کر اس کے دل کو عجیب سا قرار ملا۔ اور بے اختیاری اس نے ثمر کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''میرے پاس ہی رہنا ثمر!'' وہ دھیمی مگر بھاری آواز میں بولا تو ثمر کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے ہاتھ چھڑانا چاہے۔

''بیمار ہوں میں۔ کچھ دیر تو سکون محسوس کرنے دو۔'' وہ اس کے نازک ہاتھ تھامے، آنکھیں بند کیے کیے بولا۔ ثمر بھلا کیا کہتی۔ وہ تو خود یہ چاہتی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا سکون بن جائیں اور ساتھ رہیں۔ نجانے کتنی دیر گزر گئی۔ وہ شاید سو گیا تھا۔ ثمر نے بے حد آہستگی سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔ اور اسے دیکھے گئی۔

کچھ دیر بعد شبانہ حمزہ کے لیے پتلی کھچڑی لے آئی۔

''یہ کس نے بنائی؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''یہ بی بی نے بنائی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ صاحب کو کھلا دو۔ وہ بتول بی بی بھی وہیں بیٹھی ہیں۔ ثمر! صاحب سو گئے ہیں نا؟'' ثمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو ایک بات بتاؤں؟'' جس طرح شبانہ نے پوچھا تھا، اس کی بلند سرگوشی وہ ضرور سنتا۔

''ہاں! سو گئے ہیں — بتا —'' اس نے حمزہ کے پرسکون چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے جیسے کنفرم کیا۔

''مجھے بی بی نے کچن سے نکال دیا تھا۔ کہ تو جا میں خود بناتی ہوں حمزہ کے لیے کھانا۔ میں باہر چلی گئی۔ کھڑکی سے میری نظر پڑی تو میں نے دیکھا بتول بی بی نے ایک پڑیا شائستہ بی بی کو دی۔ وہ انہوں نے اس کھچڑی میں ڈال دی۔ پہلے میں سمجھتی

ہے کہ ان کی باتیں سچ ہیں۔'' اس کا انداز سرگوشیانہ تھا۔

''کون سی باتیں سچ ہیں اور اس پڑیا میں کیا تھا؟'' ثمر کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔

''یہی کہ شائستہ بی بی تعویذ گنڈے کرواتی ہیں اور بتول ہمیشہ اس کا ساتھ دیتی ہے۔ ورنہ بھلا یہ کوئی عقل میں آتی ہے بات کہ بیٹے کے کھانے میں کچھ ملا دیا جائے۔ میں نے تو یہ بھی سنا تھا کہ وہ حمزہ کی شادی کبھی نہیں کروائیں گی۔ ان کی ساس نے بڑی بددعائیں دی تھیں نا شائستہ بی بی کو۔ ان سے ڈرتی ہوں گی۔ ورنہ اتنا سوہنا مرد ہو اور اسے لڑکی نہ ملے۔'' اس کے پاس تو ساری خبریں تھیں۔ ابھی وہ کچھ اور بھی بولتی لیکن حمزہ کو کسمساتا دیکھ کر خاموش ہو کر باہر نکل گئی۔

''اب میں یہ کیسے کھلاؤں اس بے وقوف آدمی کو۔ نجانے کیا گھول کر ڈالا ہے۔'' وہ بری طرح پریشان ہو گئی۔ حمزہ کچھ دیر یونہی پڑا رہا اور پھر آنکھیں کھولیں۔

''مجھے کچھ کھانے کو لا دو..... میں نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔'' اس کی آواز میں شدید نقاہت تھی۔ ثمر کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ صد شکر کہ دونوں خواتین اب وہاں نہیں تھیں۔ اس نے ایک پیالے میں سوپ نکالا اور اوپر آ گئی۔ کمرے میں گھستے ہی جیسے اس کی سانس رک سی گئی۔ کھچڑی کا کٹورا بالکل خالی تھا۔

''یہ کیسی بکواس کھچڑی بنائی ہے تم نے۔ اگر میں شدید بھوکا نہ ہوتا تو کبھی نہ کھاتا۔'' وہ ناراضی سے کہہ رہا تھا۔

ثمر کی آنکھوں کے آگے تارے ہی تو ناچ گئے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے سوپ اس کے سامنے کیا۔ حمزہ خود ہی پینے لگا۔ یقیناً بخار کافی کم ہو گیا تھا۔

''شام کو میرے لیے کچھ اچھا سا بنانا..... میں کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں اب..... تم چاہو تو جا کر آرام کر لو..... تھکی تھکی لگ رہی ہو۔'' حمزہ کافی بہتر لگ رہا تھا۔ ثمر کو اپنا دماغ مفلوج محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سر ہلاتی کمرے سے نکل گئی۔ اسے واقعی آرام کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

اس کا بدن شدید تھکاوٹ کا شکار تھا۔ جیسے ہی گھر کے کاموں سے فرصت ملی، وہ اپنے کمرے میں دوڑتی آئی اور بستر پر لیٹتے ہی اسے لگا جیسے اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ٹوٹ رہا ہے۔ درد کی گولی کھا کر وہ لیٹی تو کچھ ہی دیر میں وہ سو چکی تھی۔ شام کے بعد موسم پھر خراب ہو گیا تھا۔ تیز بارش لیکن وہ اتنی گہری نیند میں تھی کہ اس آنکھ کسی آواز سے نہ کھلی۔ نجانے کتنی دیر گزر گئی۔ ایک عجیب سے احساس نے اسے بے چین کیا تھا۔ اسے لگا جیسے کوئی اس کے کمرے میں ہے لیکن اس نے کروٹ لی اور پھر سے سو گئی۔ کچھ دیر بعد دوبارہ سے یہی احساس جاگا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی لیکن آنکھیں تھیں کہ کھلنے کا نام ہی نہ لے رہی تھیں۔

''یا اللہ!'' اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا۔ ذرا سی آنکھیں کھلنے پر اسے لگا جیسے سامنے رکھی پرانی کرسی پر کوئی بیٹھا ہے۔ اس احساس نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ بھر دی۔ دونوں آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔

''کون ہے؟'' کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ باہر چمکتی بجلی کے باعث اسے بس ایک وجود ہی دکھائی دیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور لائٹ آن کرنے کو دوڑی لیکن اس نے پہلے ہی ثمر کو دونوں بازوؤں سے جکڑ لیا۔ وہ بری طرح چیخی۔

''چھوڑو مجھے، کون ہو تم؟'' وہ مچلتے ہوئے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے بولی۔

''خاموش ہو جاؤ اور میری بات سنو۔'' جانی پہچانی آواز نے اسے مزید حواس باختہ کر دیا تھا۔ اس نے حمزہ کو دھکا دینے کی کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''میں کہہ رہا ہوں کہ میری بات سنو۔'' وہ

دبے دبے غصے سے بولا۔

''چھوڑو مجھے.....'' وہ پھر سے چیخی..... ثمر پر تو جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا۔ لیکن حمزہ کو بھی جیسے ضد سی ہو گئی۔

''میں کہہ رہا ہوں لائٹ آن مت کرنا اور چپ کر کے میری بات سنو۔'' تم نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا وہ.....'' وہ جلدی جلدی بولا لیکن ثمر اس سے بری طرح خوف زدہ ہو چکی تھی۔ اس کی کسی بات کو سمجھنا جیسے اس وقت ناممکن ہی تھا۔ اسے بس ایک بات یاد تھی کہ وہ دونوں اکیلے تھے اور حمزہ کو اس کی ماں نے کوئی تعویذ گھول کر پلایا تھا۔ وہ اس کی باتیں سننے کا رسک کیوں کر لیتی۔

''آپ کو جو بھی بات کرنی ہے وہ صبح کیجیے گا اور مجھے چھوڑیں آپ۔ ورنہ میں ہنگامہ مچا دوں گی۔'' وہ سخت بپھری ہوئی تھی۔ حمزہ کا دماغ خراب ہو گیا۔ اس نے اپنی گرفت مضبوط کی۔ ثمر کا سانس جیسے رک گیا۔ کڑکتی بجلی میں حمزہ نے اس کا خوف زدہ چہرہ دیکھا تھا اور ثمر نے اس کی غصے سے بھری آنکھیں۔

☆☆☆

''مجھے تم سے یہ امید بالکل نہیں تھی۔ میں تو تمہیں بہت باکردار سمجھتی تھی..... یہ..... یہ تم نے کیا کر دیا؟'' وہ اس پر چیخ رہی تھیں۔ ثمر ایک جانب کھڑی تھی۔ سر جھکائے۔ تواتر سے آنسو بہاتی۔ حمزہ بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ماں کی جانب پلٹا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہوا تھا۔ لیکن جو بھی ہوا، میں اس پر شرمندہ ہوں۔ اس کے چچا کو کچھ دے دلا دیں اور ان دونوں کو فارغ کریں یہاں سے۔'' اس کی اجنبیت۔ نفرت بھرا انداز۔ شائستہ کا جی خوش ہو گیا۔ ثمر بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کے سر پر پہاڑ آ گرا ہو۔ وہ شدید بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''بکواس بند کرو اپنی..... تم جانتے بھی ہو کہ یہ لڑکی میری بلکہ تمہاری بھی رشتہ دار ہے۔ کوئی کمین نہیں نہ ہی کسی بے غیرت خاندان سے تعلق ہے اس کا۔ تم نے جو کیا ہے اس کا خمیازہ تو تمہیں بھگتنا ہی پڑے گا۔'' شائستہ آہستہ آہستہ بلی تھیلے سے نکال رہی تھیں۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ غصے سے بولا۔

''مطلب یہ ہے کہ تم نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس کے چچا کو علم ہو گیا اور اس نے پولیس میں رپورٹ درج کروا دی تو بہت ہی برا ہو گا۔ ہماری نیک نامی بدنامی میں بدل جائے گی۔ اور جب مجھ سے پوچھا جائے گا تو میں سچ کے سوا کچھ نہیں بولوں گی۔'' وہ اسے دھمکا رہی تھیں۔ حمزہ کے چہرے پر تمسخر بکھر گیا۔

''تو آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں اس کالی کلوٹی سے شادی کر لوں؟ ایک رات کی غلطی کو میں ساری زندگی پر محیط کر لوں؟'' لفظ تھے یا انگارے۔ ثمر تیزی سے اپنی جگہ سے ہلی اور حمزہ کو ایک زوردار تھپڑ مارا۔

''تم جیسا غلیظ انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ یہ صلہ دیا ہے تم نے مجھے میری ایمان داری کا۔ تم مجھ سے شادی کرو گے..... تم..... جسے اپنے نفس پر قابو نہیں۔ جو گھر میں گھس کر عزت تار تار کرتا ہے وہ یہاں شرمندہ ہونے کے بجائے اپنا "اسٹینڈرڈ" بتا رہا ہے۔'' اس کی بلند آواز میں شدید دکھ واضح تھا۔

''میں خودکشی کر لوں گی لیکن تم جیسے گھٹیا اور بدکردار انسان کے ساتھ ایک سیکنڈ بھی نہیں رہوں گی۔ کجا کہ شادی کرنا۔''

آج سے پہلے کسی نے بھی ثمر کی نہ تو اتنی بلند آواز سنی تھی نہ ہی اس کا غصہ دیکھا تھا۔ اس کی عزت برباد کر کے وہ اسی کو ذلیل کر رہا تھا۔ بس اتنی اوقات تھی اس مرد کی جسے اس نے دن رات چاہا تھا۔ جس سے اس نے محبت کی تھی؟

شائستہ نے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بری طرح سوجی ہوئی تھیں اور گال پر چوٹ کا نشان تھا۔

لمحے بھر کے لیے ان کے دل میں ملال جاگا لیکن وہ بس ایک لمحہ ہی تھا۔ قیمتی ترین لمحہ جسے انہوں نے کوڑیوں کے مول جانے دیا۔ اور وہیں صوفے پر ڈھے سی گئیں۔

"یہ تم نے کیا کر دیا۔ نسلوں کی عزت خاک میں ملادی۔ اتنا بڑا گناہ۔ اور اس پر تمہارا تکبر۔ یا خدا معاف فرما۔" ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ثمر کو ان دونوں سے شدید گھن محسوس ہوئی۔

"پورا خاندان ہی تماشے باز ہے۔ نفرت ہے مجھے تم سب سے..... شدید نفرت۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چیختی وہاں سے نکل گئی۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ ان دونوں ماں بیٹے کو قتل کر دے۔ ایک رات میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ سب بدل گیا تھا۔ وہ بلک بلک کر رو دی۔ اس عورت کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا۔ روتے روتے اس کی نگاہ آئینے پر پڑی۔ اس نے اپنے گال پر نشان دیکھا۔ اسے یہ یاد تھا کہ حمزہ سے اپنا آپ چھڑاتے وہ نیچے گری تھی لیکن اس کے بعد جو ہوا، اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا؟ باقی سب کچھ اس کے ذہن سے کیسے محو ہو سکتا تھا؟ حمزہ کے چہرے کی کمینی مسکراہٹ تک اس کے دماغ سے چپکی تھی لیکن یہ حادثہ جس نے اس کا تماشا بنا دیا تھا، اس کا ایک لمحہ بھی اسے یاد نہیں تھا۔ وہ پریشان تھی۔ بے حد پریشان۔

☆☆☆

انہوں نے حمزہ کی بے تحاشا بے عزتی کی، اسے خوب ذلیل کیا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے ثمر جیسی معصوم لڑکی سے شادی نہ کی تو وہ اسے جائداد سے عاق کر دیں گی۔ حمزہ ہکا بکا رہ گیا۔ جو اس کے کانوں نے سنا تھا۔ اور آج تک وہ جو کچھ دیکھتا آیا تھا۔ اس نے کبھی یقین نہیں کیا لیکن اب..... وہ بنا کچھ بولے باہر نکل گیا۔ عبدالکریم نجانے کہاں گم ہو گیا تھا۔ شام ہوتے ہی عبدالکریم بھی واپس آ گیا۔ شائستہ نے اپنے ہی کسی کام سے بھیجا

ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ کچھ پوچھے۔ اس کے چہرے کی رنگت متغیر تھی۔ ثمر حیرت انگیز طور پر بالکل خاموش تھی۔ سادگی سے ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا گیا۔ عبدالکریم نے نکاح کے بعد اپنا کانپتا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تو ثمر نے غصے سے وہ ہاتھ جھٹک دیا اور بغیر کسی کا لحاظ کیے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ شبانہ ہکا بکا سی کہ یہ اچانک سے کیا ہو گیا ہے۔

☆☆☆

حمزہ سڑک پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ دل و دماغ میں بہت کچھ تھا جو چل رہا تھا اور اسے بری طرح بے چین کر رہا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ بے چینی کی وجہ ثمر تھی۔ وہ نیچے گری اور بے ہوش ہو گئی۔ وہ کافی دیر کوشش کرتا رہا لیکن اسے ہوش نہیں آیا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اسے بالکل علم نہیں تھا کہ ہوش آ جانے کے بعد وہ کیا کرے گی۔ ثمر تقریباً دو گھنٹے ہوش سے بے گانہ رہی تھی۔ آنکھ کھلی تو حمزہ کو بستر پر اپنے قریب بیٹھا پایا۔ اسے دیکھتے ہی وہ چیخنے لگی۔ صبح کے چار بجے تیز بارش میں کہ جب ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آواز نہ جائے۔ اسے چپ کروانے کو اس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ تبھی شائستہ پہنچ گئیں دوسری منزل پر موجود شائستہ بیگم کو ثمر کی آوازیں بھی کیسے اور کیوں کر آئیں۔

وہ ثمر کی ہر بات جھٹلانا چاہتا تھا لیکن وہی سب تو ہو رہا تھا جو وہ کہہ چکی تھی۔ اسے حقیقتاً اس ساری چال بازی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سونے پر سہاگا ثمر بی بی بھی بے وقوفوں کی طرح یقین کر بیٹھی کہ اس کے ساتھ کچھ برا ہوا ہے۔ نہ وہ اس کی بات سن رہی تھی نہ ہی اس کی طرف دیکھنا گوارا تھا اسے۔ ثمر کو جب یا بدیر وہ سمجھا ہی لیتا لیکن شائستہ بی بی۔ وہ ازحد پریشان ہو گیا تھا۔ گاڑی کے بریک پر اس کے پاؤں پڑے۔

بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو اس نے بچپن میں دیکھی تھیں۔ اس کی ماں اور دادی کی آپس میں

سے بہت نفرت کرتی ہیں۔ شائستہ کو اس نے کئی بار بلک بلک کر روتے دیکھا تھا۔ یہ واقعی سچ تھا کہ وہ بیٹے سے خوش نہیں تھیں۔ انہوں نے ایسی عورت کو چنا تھا جو اس گھر کے قابل نہیں تھی۔ جو محبت اور خلوص کے بجائے جادو ٹونے اور چالبازیوں سے ہی سب کچھ کرنے پر یقین رکھتی تھی۔ وہ شائستہ سے ایک دو بار مل کر ہی اس کا مزاج سمجھ گئی تھیں۔ لیکن بیٹے کو کیسے منع کرتیں۔ وہ ان کا اتنا فرماں بردار بیٹا تھا۔ اس کی خواہش پوری کرنا ہی ان کا مقصد تھا۔

شادی کے کچھ ہی دن میں شائستہ نے اپنے رنگ ڈھنگ دکھانے شروع کر دیئے۔ شوہر نے ماں کے توجہ دلانے پر انہیں روکا ٹوکا۔ شائستہ نے ساس سے بیر بسالیا۔

جب ایک انسان کے پاس اپنی ناجائز خواہشات پوری کرنے کا آسان طریقہ موجود ہو تو وہ کیوں کر اس طریقے کو نہ آزمائے گا؟ شائستہ نے بھی یہی کیا۔ نتیجہ سو فیصد نہ سہی لیکن اتنا ضرور تھا کہ وہ آزاد ہوگئی تھیں۔ ان کے جو جی میں آتا کرتیں۔ شوہر پہلے ہی بھلے مانس انسان تھے، ان سب چالاکیوں کے بعد تو انہیں شائستہ ہی درست لگتی تھیں۔ ان کے گھر کی بلی کی اہمیت ساس سے زیادہ ہی تھی۔

حمزہ کو یاد نہیں کہ کبھی اس کی دادی نے اسے پیار کیا ہو۔ لیکن اسے یہ ضرور یاد تھا کہ وہ بوڑھی عورت گھٹنوں بستر پر گندی پڑی رہتی تھی اور شائستہ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کا خیال رکھنے والی تک کو انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ انہیں ناپاک ہو جانے کے بعد کچھ گھنٹے یونہی پڑا رہنے دے۔ یہ جملہ تو خود اس نے اپنے کانوں سے سنا تھا لیکن اسے یہ باتیں دوبارہ کبھی یاد نہیں آئی تھیں۔ یا شاید اس نے کبھی زحمت ہی نہ کی تھی۔ دادی کے آخری وقت میں وہ ان کے پاس ہی تھا۔ انہوں نے روتے ہوئے حمزہ کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ انہوں نے کہا تھا۔

"اس عورت نے مجھے میرے اکلوتے پوتے سے بھی دور رکھا۔ مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ خدا تجھ سے بھی ہر خوشی چھین لے شائستہ، تیرے پاس سب کچھ ہو لیکن پھر بھی کچھ نہ ہو۔ تیرا حال مجھ سے بھی برا ہو۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

حمزہ کو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اس وقت اس کی عمر چھ سال تھی لیکن شائستہ نے اسے سمجھا رکھا تھا کہ اس کی دادی بڑھاپے کے باعث پاگل ہوگئی ہیں۔ اول فول بولتی ہیں اس لیے وہ ان کے پاس نہ جائے۔ یہ یاد دہانی آتے ہی وہ وہاں سے بھاگا تھا۔ پھر پتا چلا کہ دادی کا انتقال ہوگیا ہے۔ ان کے جاتے ہی جیسے وہ باب ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

وہ ساس بہو کی نفرت تھی۔۔ وہ اس بارے میں کیا کہتا جبکہ وہ اس وقت بچہ تھا جب اس گھر میں یہ جنگ جاری رہی تھی، جو دادی کی موت کے بعد ہی ختم ہوئی تھی لیکن اب۔ اب تو ان کا سگا بیٹا تھا۔ وہ یہ سب کیا کر رہی تھیں اور کیوں؟ ایسا کیا خوف لاحق تھا انہیں؟ شبانہ نے جو کچھ کہا تھا، اس کا ہر لفظ حمزہ کے کانوں نے سنا تھا۔ وہ کیوں جھوٹ بولتی۔ شبانہ آواز سے ہی خوف زدہ لگ رہی تھی۔ اس نے کھچڑی کا پیالہ اٹھا کر پھینک دیا تھا۔ ثمر یہی سمجھی کہ وہ کھا چکا ہے۔ بتول بی بی کی یاد آتے ہی وہ اس کے گھر کی طرف مڑا۔ وہی ایک تھی جو سچ بتا سکتی تھی۔

☆☆☆

بتول بی بی شائستہ کے ساتھ کئی سالوں سے تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ہر راز سے واقف تھیں۔ پہلے تو انہوں نے بہت آنا کانی کی لیکن جب اس نے کہا کہ اس نے خود دیکھا تھا انہیں وہ پڑیا دیتے، ان کی رنگت زرد ہوگئی۔

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے کرنے والے اور کروانے والے کے لیے کیا سزا ہے۔ اگر آپ نے سچ نہ بتایا تو میں ابھی پولیس کو کال کروں گا۔ وہ خود ہی آپ سے ساری کہانی پوچھے گی۔" اس کا لہجہ شدید سختی لیے

ہوئے تھا۔

''میرے ساتھ کیا ماں کو بھی جیل بھیجو گے؟ کیوں کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ تمہاری ماں کے ہی کہنے پر کیا۔'' انہوں نے صاف گوئی سے کہا۔

''پولیس انسپکٹر میرا دوست ہے۔ اور آپ جانتی ہیں کہ جب کسی سرکاری ادارے میں آپ کا کوئی دوست موجود ہو تو اس کا کیا کیا فائدہ ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے۔'' وہ سکون سے بولا تو بتول پریشان ہوگئیں۔ ان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا سوائے سچ اگلنے کے۔ لڑکیوں کو جان بوجھ کر رجیکٹ کرنے، حمزہ کو گھر آکر جھوٹ کہنے سے لے کر اس کے نکاح تک کی تفصیل انہوں نے یوں سنائی جیسے کوئی ٹیپ ریکارڈر آن ہوگیا ہو۔ وہ ہکا بکا سن رہا تھا۔ اسے یقین ہی نہ آیا کہ جو کہانی بتول بی بی سنا رہی ہیں وہ اس کی ہی ماں کی ہے۔ سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ وہ واپس آیا۔ طبیعت کی خرابی میں جیسے ایک دم ہی اضافہ ہوا۔ وہ بستر پر ڈھے سا گیا۔ جوں جوں رات گہری ہو رہی تھی، اس کا دماغ ماؤف ہی ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

پچھلے ایک ہفتے سے نہ تو وہ آفس گیا تھا نہ ہی کمرے سے باہر نکلا تھا۔ ثمر کی یاد شدت سے آئی تھی۔ شبانہ کو اس نے کمرہ صاف کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔ ہر نئے دن کے ساتھ ثمر کی یاد میں اضافہ ہو جاتا۔ ثمر بھی جیسے اپنے کمرے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ شائستہ بی بی نے فی الحال ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی مخاطب کرنا بہتر نہیں سمجھا تھا۔ ثمر جتنی بپھری ہوئی تھی کیا خبر وہ حمزہ کے سامنے سچ نہ اگل دیتی۔ اور تو اور عبدالکریم بھی بجھا بجھا سا بالکل چپ چاپ سا تھا۔ یہ سب اتنا آسان تھا نہیں جتنا شائستہ نے سمجھ لیا تھا۔ لیکن جو بھی تھا، معاملہ ابھی ان کے ہاتھوں میں ہی تھا۔ ایک بار ثمر قابو آجاتی تو رہا سہا خدشہ بھی ختم ہو جاتا۔

حمزہ کی طبیعت ٹھیک ہوئی۔ وہ پورا پورا دن گھر سے غائب رہنے لگا۔ ثمر بھی گھر کے کاموں میں حصہ لینے لگی۔ وہ شائستہ بی بی سے گریز ہی برتتی تھی۔ اس کی یہ حرکت انہیں طیش دلاتی۔

''اے لڑکی! تم تو کچھ زیادہ ہی آسمان پر چڑھ گئی ہو۔ حمزہ سے نکاح کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس گھر کی بہو بن گئیں، اب بہوؤں والے نخرے ہی دکھاؤ گی۔ اچھی طرح جانتی ہوں میں کہ کس طرح اسے تم نے بہکایا ہوگا کہ وہ سیدھا کمرے میں پہنچ گیا۔ ٹھیک ہے میں نے کہا تھا کہ اسے قابو کرو لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اس حد تک ہی گر جاؤ کہ کوئی گنجائش ہی نہ رہے۔ اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ اس صدمے سے باہر نکلو اور خود کو اس گھر کی نوکرانی ہی سمجھو اور آج کے بعد میرے سامنے آنکھ اٹھانے کی بھی جرأت نہ کرنا، ورنہ بہت برا ہوگا۔'' بھلا وہ کہاں کسی کو اپنے سامنے کچھ سمجھتی تھیں اور دوسروں پر جھوٹا الزام لگا کر اسے تڑپتے دیکھ کر حظ اٹھانا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ثمر نے ایک نگاہ ان کی طرف دیکھا۔

''کیا کر لیں گی آپ؟ اس گھر سے نکال دیں گی یا پھر سے کوئی جادو ٹونا تعویذ استعمال کریں گی بیٹے کو قابو میں کرنے کے لیے۔۔ کیونکہ آپ کے اندر تو کوئی ایسی خاصیت ہے نہیں کہ لوگ آپ سے محبت تو دور عزت بھی کریں..... اور جہاں تک حمزہ کی میرے کمرے میں آنے کی بات ہے تو اس کے پیچھے کے قصے سے بھی میں اچھی طرح واقف ہوں۔ بلکہ میں تو اور بہت سی چیزوں سے بھی واقف ہوں جن کی آپ کو بھنک بھی نہیں..... تسلی رکھیے..... سب کچھ پتا چل جائے گا آپ کو..... اور حمزہ کو بھی..... جلد ہی۔''

ثمر کا انداز ایسا تھا کہ شائستہ ہکا بکا رہ گئیں۔ وہ اپنی کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ ثمر کی زبان اور اتنی تیکھی؟ اور ایسا کیا تھا جس سے وہ واقف تھی لیکن وہ خود انجان تھیں۔ اس لڑکی نے ایسا کیا کھیل کھیلا تھا بھلا؟ وہ جتنا سوچتیں، اتنا الجھتیں۔

''کہیں اس نے حمزہ کو سب کچھ بتا تو نہیں دیا۔ لیکن نہیں..... حمزہ تو اس سے نفرت کرتا ہے، وہ اس

کی کسی بات پر کیوں یقین کرے گا..... اور وہ بھی میرا بیٹا..... بھلا ماں کے ہوتے ہوئے وہ ایک نوکرانی کی بات سنے گا؟ یہ مجھے پریشان کرنا چاہتی تھی اور میں ہوگئی..... دیکھنا ثمر بی بی کیا حشر کرتی ہوں میں تمہارا.....'' وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھیں۔ یہ سمجھے بغیر کہ قدرت کبھی کبھی کچھ ایسے فیصلے کر جاتی ہے کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔

☆☆☆

ثمر اپنے کمرے میں لیٹی تھی۔ اس دن کے بعد سے حمزہ نے اب تک اس سے دوبارہ کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ بھی سمجھ چکی تھی کہ حمزہ نے محض کھیل کھیلا تھا۔ ''تو کیا حمزہ نے اس کی سچائی پر یقین کرلیا؟ یا وہ پہلے سے بہت کچھ جانتا تھا اپنی ماں کے بارے میں۔ کیا وہ اس رات اسے یہ بتانے آیا تھا کہ وہ سچ جانتا ہے؟ لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی۔'' وہ خود سے خود ہی باتیں کر رہی تھی۔ آہٹ محسوس ہونے پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سامنے حمزہ کھڑا تھا۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ حمزہ اس کے قریب بستر پر بیٹھ گیا۔ وہ سمٹ گئی۔

''آج مجھے دیکھ کر چلاؤ گی نہیں؟'' وہ سنجیدہ لہجے میں پوچھنے لگا۔ ثمر نگاہ جھکائے بیٹھی رہی۔ اسے بے اختیار شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ اس نے ثمر کے ہاتھ تھامے۔

''اس رات مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی تھی۔ صبح سے شام تک کئی ایسے موقع ہوتے ہیں کہ میں تم سے اکیلے بات کرسکتا ہوں۔ رات کے اس وقت آنے کا مقصد یہ تھا کہ میں شبانہ کی باتیں سن چکا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ انہوں نے کھانے میں کیا ملایا ہے۔ میں یہی کنفرم کرنے آیا تھا کہ تمہاری اور شبانہ کی باتوں میں کتنی سچائی ہے۔ اگر شبانہ کی بات سچ ہوتی تو امی ضرور رات کو تمہارے کمرے میں آتیں۔ میں جب اپنے کمرے سے نکلا تو ان کے کمرے کی

کمرے میں ضرور جائیں گی کہ میں وہاں موجود ہوں یا نہیں۔ سو انہوں نے جو سوچا تھا، تمہاری بدولت وہ منظر انہیں دیکھنے کو مل گیا اور ان کے ہنگامے اور میرا موجود گی کے باعث تم بھی یہیں سمجھیں کہ میں نے.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''میں ساری سچائی جان چکا ہوں لیکن امی کے سامنے تھوڑا ڈرامہ کرنا ضروری تھا تاکہ میں ہر تک پہنچ سکوں اور اپنے اور تمہارے لیے ایک بہتر فیصلہ کرسکوں۔'' ثمر نے آنکھیں اٹھا کر ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''میرا ٹرانسفر ہوگیا ہے ثمر۔ ہم دونوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم یہاں اس گھر سے اور امی کی آنکھوں سے اوجھل رہیں۔ بتول بی بی نے مجھے جو کچھ بھی بتایا ہے، وہ سب سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ کبھی میرا گھر نہیں بسنے دیں گی۔۔ وہ اس گھر میں کسی دوسری عورت کو برداشت کر ہی نہیں سکتیں۔ اور میں اب اکیلا نہیں رہ سکتا۔ تمہارے بغیر تو بالکل نہیں۔ مجھے کبھی کوئی اتنا اچھا، اتنا پیارا اور اتنا اپنا نہیں لگا، جتنی تم لگتی ہو ثمر..... میں تم سے شدید محبت کرنے لگا ہوں۔ اور اپنی زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ پلیز میرے ساتھ چلو۔ ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔ جہاں تمہارا اپنا گھر ہوگا، عزت ہوگی اور ہم دونوں کو کسی کا خوف نہیں ہوگا۔''

وہ دھیمی آواز میں لیکن بہت بے قراری سے کہہ رہا تھا۔ ثمر بس اسے دیکھے گئی۔ کیا اتنی آسانی سے بھی کسی کی دعائیں قبول ہوتی ہوں گی جتنی اس کی ہوئی تھیں۔ وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ سب برباد ہوگیا لیکن ابھی اس وقت اسے علم ہوا تھا کہ اس کا سب کچھ تو سنور گیا ہے۔ اتنی سی تکلیف کے بعد اگر خدا اسے اتنے بڑے انعام سے نواز رہا تھا تو وہ کیوں نا اس انعام کو پاتی۔ وہ بے یقینی سے اس مرد کو دیکھ رہی تھی جو کچھ ہی دن قبل اس کے

تھا۔ثمر نے خوشی سے چمکتی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔حمزہ نے بے اختیار ہی اسے اپنے سینے سے لگایا۔ایک نئی زندگی ان کے قدم چومنے کو تیار تھی۔

☆☆☆

صبح سے شام ہوگئی تھی۔حمزہ انہیں کہیں دکھائی نا دیا۔اس کا نمبر بھی بند تھا، وہ پریشان ہوگئیں۔ثمر بھی غائب تھی۔۔اس کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔شبانہ ان کے پاس آئی۔

''یہ ابھی کوئی باہر آیا تھا۔کہہ رہا تھا کہ یہ حمزہ صاحب نے بھیجا ہے۔'' شبانہ نے ایک لفافہ ان کی طرف بڑھایا۔

انہوں نے حیرت سے لفافہ دیکھا اور اسے کھولا۔

حمزہ کی ہینڈ رائٹنگ ہی تھی۔ایسی کیا بات ہوگئی کہ وہ انہیں خط بھیج رہا ہے۔وہ تحیر سے اسے پڑھنے لگیں۔

''اماں! میں نے ہمیشہ آپ سے محبت کی، کبھی آپ کی کسی بات کو نہیں جھٹلایا۔آپ نے جو کہا میں نے اسی پر عمل کیا۔اور ہمیشہ یہی ارادہ کیا کہ مرتے دم تک آپ کا ہی کہا مانوں گا لیکن۔لیکن جو کچھ آپ نے میرے ساتھ کرنے کی کوشش کی۔میرے مستقبل کو برباد کرنے کے لیے جو کھیل رچایا میں اس سے واقف ہو چکا ہوں۔'' شائستہ کا ہاتھ بری طرح کانپا۔

''میں ہمیشہ سے یہ سمجھتا رہا کہ اس دنیا میں مجھے آپ سے زیادہ کبھی کوئی نہیں چاہ سکتا لیکن میں غلط تھا۔آپ نے جس انسان سے سب سے زیادہ محبت کی ہے وہ خود آپ ہیں۔اگر آپ خود غرض نہ ہوتیں تو میں اور ثمر آج آپ کے ساتھ، آپ کے پاس ہوتے۔لیکن آپ کی خود غرضیوں اور سازشوں نے مجھے اس قدر خوف زدہ کر دیا ہے کہ میں اب آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔

پہلی بار جب مجھے ثمر نے سچائی بتانے کی کوشش کی اس وقت میں چاہ کر بھی اس سے سخت رویہ نہیں اپنا پایا کیونکہ اس وقت ایک دم ہی ماضی کی کچھ جھلکیاں اور آپ کے ادا کیے گئے جملے میرے کانوں میں گونجے تھے۔ میں نے ایک کمزور احتجاج کیا تھا اس کے سامنے۔لیکن سچ یہ تو تھا کہ میں اسی وقت گھبرا گیا تھا۔لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ میں تو آپ کا بیٹا ہوں۔آپ کبھی میرے ساتھ کچھ غلط نہیں کریں گی۔اپنی خود غرضی کی بھینٹ مجھے نہیں چڑھائیں گی۔لیکن میرا مان تو ڑ دیا آپ نے اور میرا دل بھی..... جو آپ کی محبت سے معمور تھا، اسے آپ نے خالی کر دیا۔لیکن ہاں۔

بس ایک اچھا کام کیا آپ نے۔کہ ثمر اور میرا نکاح کروا دیا۔میں اس سے شدید محبت کرتا ہوں۔اس کی عزت برباد کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا..... اس رات بھی میں اس سے بات کرنے آیا تھا لیکن آپ کی محبت..... کہ آپ وہاں آ گئیں..... اور میری مشکل از خود ہی آسان کر دی۔اسے میرا بنا دیا۔اب میں اسے کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا..... آپ کا بیٹا ہوں نا۔اتنی خود غرضی تو کرنے دیں مجھے..... لیکن یہ اس سب سے بہت کم ہے جو آپ نے کیا۔

میرا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ میں اور ثمر ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہے ہیں..... مجھے آپ سے دعاؤں کی تو امید نہیں..... لیکن خدارا مجھے یا ثمر کو بد عائیں بھی مت دیجیے گا..... میں آپ سے ملنے آتا رہوں گا۔لیکن میں ثمر کو نہیں چھوڑ سکتا۔اور ساتھ رہ کر میں اپنا اور اس کا سکون بھی برباد نہیں کر سکتا..... ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔

آپ کا حمزہ۔''

وہ خط تھا یا جلتا انگارہ۔شائستہ بیگم نجانے کتنے گھنٹے ساکت، جامد رہیں۔ان کے وجود میں ہمت جیسے ختم ہو گئی تھی۔حمزہ ایسا کیسے کر سکتا ہے۔وہ ان کا بیٹا ہے۔کوئی عورت اسے نہیں چھین سکتی۔وہ ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگیں۔لیکن وہاں کوئی نہیں تھا جو ان کی پکار سنتا۔وہ اب اس بڑے سے گھر میں اکیلی تھیں۔اپنی چیخیں انہیں خود ہی سننی تھیں۔یہی ان کی سزا تھی۔

☆☆

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.b

کھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز

سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ

نی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)

ں میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

نکہ میں بیٹی ہوں۔
عہ کا دن تھا۔ صبح چار بجے کا وقت تھا جب
پنے رونے کی آواز سنی۔ جی جی مجھے کسی تم

کی تکلیف نہیں تھی مگر اپنی آمد کا اعلان تو کر
''مبارک ہو بیٹی ہوئی ہے۔'' کہ
سنائی دیں۔ میری پیدائش کے دس گھنٹے

مزمل سلیم

کیونکہ میں

مجھے گود میں اٹھایا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا جس نے یہ رحمت ان کے گھر اتاری تھی۔

''میاں جی، مٹھائی بانٹیں۔'' اگرچہ کے امی جانتی تھیں ابو کی شدید خواہش تھی کہ بیٹا ہو اور میرے پیدا ہونے پر وہ ذرہ برابر بھی خوش نہیں مگر اُف۔ یہ عورت کی خوش فہمیاں۔ ابا کا جواب سن کر امی کی خوش فہمی ہوا ہوگئی۔

''بیٹی ہے یہ۔ کوئی بیٹا پیدا نہیں کیا جس کے لیے مٹھائیاں بانٹتا پھروں۔'' یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گئے۔ امی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور وقت کو پر لگ گئے۔ وقت اڑنے لگا تھا۔

''مبارک ہو شہباز اور عبداللہ بھائی۔ ہماری پیاری بیٹی آج ماشاءاللہ ایک سال کی ہو چکی ہے۔''

میں ایک سال کی تھی جب پھپھو کی آواز میرے کانوں پر پڑی۔ میں خوش ہوگئی۔ ایک سال پورا ہوگیا تھا میری پیدائش کو۔ اب میں بڑی ہو رہی تھی۔ چاچو کو ''تاتو'' کہہ کر پکارنا شروع کر دیا تھا اور ابو کو ''بابا''۔ ابا نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''خیر مبارک آپا۔'' پھپھو نے شاید سرد رویہ محسوس کر لیا تھا پھر بھی خاموش نہ ہوئیں اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

''سالگرہ منائیں گی منی کی۔ کیک کاٹیں گے اور ایک دیگ بھی چڑھائیں گے۔ بھوکے کو کھلانے کا ثواب ملے گا اور دعائیں بھی دیں گے۔'' امی نے پرامید نظروں سے ابا کی طرف دیکھا۔ شاید کے ان کے دل میں اتر جائے پھپھو کی بات۔ اوہ ایک تو میرا یہ شاعرانہ انداز۔ خیر آپ آگے سنیں۔

''کوئی ضرورت نہیں اس فضول خرچی کی۔ بیٹی ہے کوئی بیٹا نہیں جس کے لیے دیگیں چڑھاتا پھروں۔'' ابا کی آواز گونجی۔ ان کی اردو کمزور تھی اس لیے ایک دیگ کو ''دیگیں'' میں بدل دیا تھا۔ پھپھو کو تپ چڑھی۔

''ہاں مگر مرد ہوں اور میری سوچ مردوں والی
ہے۔''

گستاخی معاف پر نجانے کیوں مجھے ابا کی سوچ
مردوں والی نہیں والی لگتی تھی۔ مرد تو وہ ہے جو اپنی بیٹی
کو تحفظ کا احساس دیتا ہے۔ اس کے لاڈ اٹھاتا ہے
اور محبت اس قدر کرتا ہے کہ بیٹی ساری عمر دوسرے
مردوں میں بھی اپنے باپ جیسی سوچ رکھنے والے
شخص ڈھونڈتی ہے۔

خیر میری سالگرہ پر پھپھو نے مجھے بہت سے
کھلونے لا کر دیے اور کیک بھی کاٹا مگر ابا نے و
وقت دکان پر گزارا۔

وقت گزرتا چلا گیا اور میں پانچ سال کی
ہوگئی۔ اس دوران کی ایک خبر سن لیں آپ سب۔ پھ
نہ کہنا خبر نہ ہوئی۔ ہمارے گھر ننھے میاں آ گئے
میرے چھوٹے سے پیارے بھائی۔ ابا میاں جیسے
ساتویں آسمان پر تھے۔ گھر میں تین دن ڈھول بجتا ر
اور مٹھائیاں تقسیم ہوتی رہیں۔ میں پانچ سال کی او
ننھا تین سال کا ہو گیا جب امی کو خیال آیا۔

''اجی سنتے ہو۔ منی اب منی نہیں رہی اس کا
اسکول میں داخلہ لے دیں۔'' ابا یہ بات سنتے ہی تپ
گئے۔

''پہلے خرچ کم ہیں جو اب اسے اسکول داخل
کروانا ہے کوئی ضرورت نہیں، گھر بیٹھے اور کام کا
سیکھے۔''

اب میں پانچ سال کی معصوم بچی۔۔ کپڑے
کیسے دھوتی؟ کھانا کیسے بناتی؟ گھر کی صفائی کیسے
کرتی؟ امی نے مشین نکالی اور محلے والوں کے
کپڑے خراب کرنے شروع کر دیے۔ رفتہ رفتہ ہاتھ
میں صفائی آئی تو پیسے ملنے شروع ہوئے اور مجھے
اسکول بھیج دیا۔ ابا نے لاکھ مخالفت کی مگر امی بھی ض
کی پکی تھیں۔

میں سات سال کی تھی جب پہلی کلاس سے

کہ میں نے پہلے دن ہی ساری کتاب سنا کر شاباش لی اور دوسری جماعت میں بیٹھ گئی۔ گورنمنٹ کا اسکول تھا۔ اسکول ٹیچرز میں سے چند ایک محنت کر کے بچیوں کو پڑھاتیں جبکہ باقی سب میک اپ، میک اپ کھیل کر گھر کی راہ دیکھتیں۔

وقت نے کہاں رکنا تھا۔ منا جواب شہریار تھا پانچویں کلاس میں پاس ہوگیا۔ اسے شہر کے مہنگے ترین اسکول میں بھیج کر ابا نے پورے خاندان میں مثال قائم کردی۔ اس دوران میں آٹھویں میں ٹاپ کرنے کے بعد نویں میں ایڈمیشن لے چکی تھی۔ اسکول کا ماحول گھر کی نسبت بہتر تھا۔ گھر میں ابا کی جھڑکیاں سن سن کر میرے کان پک جاتے۔ ان کے آگے بولنے کی اجازت نہ تھی۔

☆☆☆

کیونکہ میں لڑکی ہوں۔

میٹرک میں پورے بورڈ میں، دوسری پوزیشن حاصل کر کے میں نے سب کو حیران کردیا۔ شہریار بھی میری طرح ہی ذہین تھا مگر پڑھائی پر اس کی توجہ ذرا کم تھی۔ امی کی کمر دکھنے لگی تھی۔ گھر کا سارا کام میں نے سنبھال لیا۔ میٹرک کا رزلٹ میں نے کپڑے دھوتے ہوئے سنا۔ ابا نے مبارک باد کے ساتھ ''خوش خبری'' سنائی کہ میٹرک کے بعد میں کالج میں نہیں پڑھ سکتی۔ اماں نے وجہ پوچھی تو جواب ملا۔

''شہریار کی پڑھائی کا خرچ بڑھ گیا ہے، بانو تو لڑکی ہے دس جماعتیں پڑھ لیں بہت ہے۔ ویسے بھی آج کل کالجوں کا ماحول اچھا نہیں۔ کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈ کر اس کی شادی کردیتے ہیں۔''

میرے سینے میں غبار بھر گیا۔ اس رات میں کمبل میں منہ چھپا کر روئی اور آنسو بھی میرے بستر پر گرتے رہے۔

پڑھائی میرا شوق نہیں جنون تھا۔ اس بار اماں کی بھی ایک نہ سنی گئی اور ابا کی عدالت میں میرا یہ جنون پھانسی چڑھ گیا۔ مجھے اسکالر شپ مل رہی تھی۔ کالج والے فری داخلہ دینے کے ساتھ ٹرانسپورٹ کی سہولت تک مفت دے رہے تھے مگر ابا کا کہا پتھر پر لکیر ثابت ہوا۔ چند سالوں بعد جب شہریار کو شہر کے مہنگے کالج میں اپنے ہی خرچ پر داخلہ لے کر دیا گیا تو بے ساختہ میرے دل سے آہ نکلی اور میں نے خود سے کہا۔

''میں تو لڑکی ہوں ناں۔۔۔ نہ پڑھوں گی تو کچھ نہیں ہوگا۔''

گھر میں سارا دن کام کرنے کے بعد کچھ وقت کے لیے میں ڈائجسٹ پڑھ لیتی۔ شہریار سے کہہ کر میں نے لائبریری سے مشہور لکھاریوں کو پڑھا تو مجھے اردو ادب سے دلچسپی ہونے لگی۔ کئی مشہور لکھاریوں کو پڑھنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ میں بھی لکھ سکتی ہوں۔ ابا سے چھپ کر میں نے تبصرہ نگاری سے آغاز کیا۔ شہریار کے ہاتھوں ڈاک کے ذریعے خط بھیجے پھر کچھ حوصلہ پا کر ایک مشہور ڈائجسٹ میں افسانہ لکھ کر بھیجا۔ صرف دو ماہ بعد اعزازی ڈائجسٹ اور منی آرڈر کے ذریعے افسانے کا معاوضہ مجھ تک پہنچ گیا۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اپنا نام بار بار دیکھا۔ امی کو دکھایا تو ان کو بھی بے انتہا خوشی ہوئی مگر خدا سے مجھے ہمیشہ یہی شکوہ رہا ہے کہ وہ میری خوشی کی وقت کا مختصر رکھتا ہے۔ شہریار نے میرے افسانے کا ابا کو بتا دیا۔ اس رات ابا دکان سے جیسے ہی واپس آئے، میرے کمرے میں گئے اور وہاں موجود تمام ناولوں اور ڈائجسٹوں کو آگ لگا دی۔ ابا کی دھاڑ گھر میں گونجی۔

''اس لڑکی کے پر زیادہ نکل رہے ہیں۔ اب دیکھو یہ کہانیاں افسانے لکھے گی۔ عشق و محبت کی داستانیں تحریر کرے گی، لڑکی ہو لڑکی بن کر رہو بے شرم۔'' ان کا تھپڑ میرا چہرہ لال کر گیا۔

اس رات میرا ایک اور شوق ابا کے ہاتھوں شہید ہوگیا۔ اس رات بھی میں روئی تھی۔ کمبل میں منہ چھپا کر۔ میری سسکیاں صرف اماں تک پہنچی

تھیں۔۔وقت نے کروٹ بدلی اور ایک سال مزید گزر گیا۔

☆☆☆

کیونکہ میں بیوی ہوں۔

میری شادی خاندان سے باہر کردی گئی۔ لڑکے کی تصویر دیکھنے کو ملی۔ سیف بینک میں ملازم تھے اور دو بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ میرا سلیقہ اور شکل ان کی ماں کو پسند آگئی اور وہ مجھے بہو بنا کر اپنے گھر لے گئیں۔ زندگی میں کچھ تبدیلی آئی۔ اب میں ایک بیوی تھی جو شوہر کو خوش رکھنے کے لیے چوبیس گھنٹے ان کی خدمت میں لگی رہتی۔ پتا نہیں کہاں سے ملتی ہیں وہ بیویاں جو شوہروں کو مرید بنا کر رکھتی ہیں۔ سیف کچھ ضرورت سے زیادہ نخریلے تھے۔ ذرا سا کھانے میں نمک کم یا زیادہ ہوا۔ پلیٹ میرے سر سے گزر جاتی۔

''کھانا بنانا نہیں سیکھا کیا؟'' بھوکے چلے جاتے تو بھی مجھے پریشانی ہوتی۔

ان کی دونوں بہنوں کی شادی ہو چکی تھی اور میری ساس شہناز بہت اچھی خاتون تھیں۔ سسر اکبر علی اپنے کام سے کام رکھنے والے نرم دل انسان تھے جنہوں نے پہلے دن ہی مجھے بیٹی کی طرح سمجھا۔ ان کی محبت نے مردذات کا ایک نیا چہرہ میرے سامنے کیا مگر سیف کی عادات کو برداشت کرنا مشکل کام تھا۔ سارا دن کام سے تھک کر جب میں شام کو فارغ ہوتی تو کپڑوں میں سے مسالوں کی بو آتی۔ ایسے میں ان کے قریب سے گزرتے ہی بڑبڑاہٹ سننے کو ملتی۔

''بیوی تو وہ ہوتی ہے جسے دیکھ کر شوہر کو دل خوش ہو جائے اور ایک یہ ہماری بیگم صاحبہ ہیں جن کے قریب آکر بو سے سر چکرانے لگتا ہے۔''

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں انتہائی صابر اور وہ بیوی ہوں جو ڈراموں کی آخری قسط سے ملتی ہے یعنی سب اچھا کرنے میں لگی رہتی ہوں تو جی آپ کی سوچ کافی حد درست ہے مگر کبھی کبھی میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا تو میں ساس کی گود میں سر رکھ کر روتی اور شکوے شکایتیں کرتی، وہ اپنے بیٹے کو اس ڈر سے نہیں سمجھاتی تھیں کہ سیف کہیں یہ نہ سمجھے کہ میں نے اس کی شکایت کی۔ اس لیے وہ مجھے سمجھاتیں اور اور ان کے الفاظ ہمیشہ یہی ہوتے تھے۔

''صبر کرو بیٹا۔ تم ایک بیوی ہو اور گھر بنانے کے لیے برداشت کرنا پڑتا ہے۔''

شادی کے دو سال بعد عالیان اور اس کے ایک سال بعد ذیشان میری گود میں آگیا۔ زندگی کی مصروفیات بڑھ گئیں ہاں مگر اتنا ضرور ہوا کہ سیف کی عادات میں نرمی آگئی۔ اب وہ باپ تھے اور میں ماں۔ ہماری ذمہ داری تھی اپنے بیٹوں کی تربیت۔ شاید آپ لوگ مجھے جاہل کہیں مگر میں ہمیشہ اس بات پر خوش ہوئی ہوں کہ میرے صرف بیٹے ہیں کوئی بیٹی نہیں۔ اگر ہوتی تو شاید اسے بھی میری طرح سب برداشت کرنا پڑتا۔

☆☆☆

کیونکہ میں ماں ہوں۔

وقت نے شہناز اور اکبر علی کو ہم سے جدا کر دیا۔ میں ہمیشہ ان کے لیے دعا کرتی ہوں کیونکہ دو انسانوں کی محبت ہمیشہ میرے دل میں رہی ہے۔ ابا اور امی بھی چھ ماہ کے فرق سے اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہریار شادی کر کے اپنے گھر خوش تھا۔ عالیان ذہین اور پڑھنے میں تیز تھا جبکہ ذیشان لڑنے میں آگے۔ ایک کی تعریفیں گھر پہنچتی تو دوسرے کی شکایتیں۔ تعریف سن کر سیف ہنس کر کہتے۔

''آخر بیٹا کس کا ہے۔'' انہیں ہمیشہ عالیان پر فخر محسوس ہوا اور جب بھی ذیشان کی شکایت گھر پہنچتی تو میرے طرف گھور کر دیکھتے۔

''میں آفس میں مصروف ہوتا ہوں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم بھی انہیں آزاد چھوڑ دو۔ سنبھالو

اپنے اس بیٹے کو۔"

دل ہی دل میں یہ کہہ کر کہ یہ بھی آپ کا بیٹا ہے، میں زبان سے کچھ نہ کہتی۔ ذیشان کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی مگر اللہ جانے اس کے دل و دماغ میں اتنا غصہ کیوں بھرا تھا۔ ہر وقت لڑنے کے لیے تیار رہتا۔

عالیان نے میٹرک پاس کیا اور پورے اسکول میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اس خوشی میں پورے خاندان کو دعوت دی گئی۔ سیف اسے اپنے ساتھ لپٹائے "میرا ذہین بیٹا" کہتے خوش ہو رہے تھے اور میں ان کی خوشی میں خوش کیونکہ میں ایک بیوی ہوں اور ایک ماں بھی۔

دو دن بعد جب ذیشان ایک لڑکے کا سر پھاڑ کر آیا تو سیف مجھ پر خوب چلائے۔

"اپنے اس نالائق بیٹے کو سمجھا لو ورنہ گھر سے نکال دوں گا۔" یہ صرف دھمکی نہیں تھی۔ ذیشان کی حرکتیں واقعی برداشت سے باہر تھیں مگر میں تو ایک ماں تھی نا۔ کیسے نالائق بیٹے کو تنہا چھوڑ دیتی۔ اس رات جب سب سو گئے تو میں ذیشان کے کمرے میں آ گئی۔ ہمارا گھر ماشاءاللہ اتنا بڑا تھا کہ سب کے اپنے الگ الگ کمرے تھے۔ یہ سیف کے والد صاحب نے بنوایا تھا۔ ذیشان کمپیوٹر آن کیے ایک مشہور گیم کھیل رہا تھا جس میں کردار دوسرے لوگوں کو خون سے نہلا کر پیسے کما رہا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ذیشان جتنا مرضی غصیلا سہی مگر اس میں یہ خوبی تھی کہ مجھ سے بے انتہا پیار کرتا تھا۔ میں نے پاس بیٹھ کر پیار سے اس کا بالوں میں ہاتھ گھمایا۔ وہ مجھے دیکھ کر بولا۔

"مما ابھی تک سوئیں نہیں؟"

"نیند نہیں آ رہی۔"

"کیوں؟"

"تمہاری وجہ سے۔" میں نے اس کی نظروں میں جھانکا۔ وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے مما؟" اس نے پوچھا۔

"ذیشان اگر میری تربیت میں کوئی کمی ہے تو بتا دو۔ میں نے کوئی گناہ کیا ہے تو وہ بھی بتا دو۔ پر مجھے سزا مت دو۔" میری آنکھوں میں نمی آ گئی۔ وہ تڑپ اٹھا اور میرے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"امی کسی نے آپ کو کچھ کہا ہے؟"

"سب کہتے ہیں کہ میں تمہیں اچھی تربیت نہیں دے سکی، یہ میرے جڑے ہاتھ دیکھ لو ذیشان، چھوڑ دو سب اور پڑھائی پر توجہ دو۔" میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ ماں تھی نا میں۔۔ اپنے اولاد کو بچانے کے لیے ہر حد کراس کر سکتی تھی۔ ذیشان کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ میرے آنسو اب روانی سے بہہ رہے تھے۔ اس رات ایک ماں نے اپنے بیٹے کی زندگی بدل دی۔۔ اس دن کے بعد ذیشان نے کبھی لڑائی نہ کی۔

☆☆☆

کیونکہ میں ساس ہوں۔

عالیان نے ایم بی بی ایس کیا اور جاب ملتے ہی اپنی ایک ساتھی ڈاکٹر سے شادی کر لی۔ ناجیہ امیر گھر کی لڑکی تھی۔ ہم مڈل کلاس تھے اور اپنے طبقے سے کہیں زیادہ بہتر حالت میں تھے مگر ناجیہ اپر کلاس کی ماڈرن لڑکی تھی۔ عالیان نے پہلے دن مجھے بتا دیا کہ ناجیہ دل کی بری نہیں مگر زبان کی ذرا تیز ہے۔ مجھے برداشت کرنا تھا۔ کیونکہ میں ایک ساس تھی۔ ناجیہ کے آتے ساتھ ہی ایک باورچی بھی تشریف لے آیا کیونکہ اسے کھانا بنانا نہیں آتا تھا۔ ذیشان ان دنوں ملک سے باہر تھا۔ وہ جرمنی میں پڑھ بھی رہا تھا اور جاب بھی کر رہا تھا۔ یہاں خاندان میں اس کی کسی سے بنتی نہیں تھی اس لیے ضد کر کے چلا گیا تھا۔ سیف ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے تھے۔ نجانے کیوں مگر ناجیہ ہم دونوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کے خیال میں ہم دونوں پرانے خیالات کے مالک، روایتی مڈل کلاس لوگ تھے جو ہمیشہ رسم و رواج کے مطابق چلتے ہیں کبھی اپنے مطلب کی نہیں سوچے۔ سیف کئی بار دبے لہجے میں اپنے "لائق بیٹے" سے اس کی شکایت کر چکے تھے مگر وہ ہمیشہ ٹال جاتا اور کچھ

ایک دن وہ ہمارے سامنے موجود تھا۔۔

''امی ناجیہ ضد کر رہی ہے ہم اپنا الگ گھر لینا چاہتے ہیں۔''

''مگر بیٹا یہاں کیا مسئلہ ہے؟'' ہم حیران ہوئے۔

''یہاں پرائیویسی نہیں۔ ویسے بھی یہ گھر چھوٹا ہے اور اس کا یہاں دم گھٹتا ہے۔''

''ٹھیک ہے لے لو الگ گھر۔'' میں نے بحث سمیٹی۔

''اور میرا جائیداد میں سے حصہ الگ کر دیں۔'' اس بار سیف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''مر نہیں رہا ہوں میں۔ کر دوں گا الگ۔''

''اس عمر میں کیا بھروسا زندگی موت کا۔ ابھی سے کر دیں الگ۔'' یہ عالیان کے الفاظ تھے جو مجھے کوڑے کی طرح لگے۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے عالیان۔'' میں چلائی۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کبھی اس سے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ میں نے مڑ کر سیف کی طرف دیکھا۔ انہوں نے سینے کی بائیں جانب کو دبا رکھا تھا۔ میں چلائی۔ میری چیخیں سننے کے باوجود عالیان واپس نہ مڑا۔ میں نے اسے پکارا۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ ڈاکٹر تھا اگر باپ کو دیکھ لیتا تو شاید سیف کی زندگی بچ جاتی مگر۔ ''اس عمر میں کیا بھروسا زندگی موت کا۔'' سیف چند منٹ ہی سانس لے سکے۔

☆☆☆

کیونکہ میں عورت ہوں۔

ذیشان واپس آیا تو میں اکیلی گھر میں بیٹھی دیواروں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھ سے لپٹ گیا۔ ہم ماں بیٹے کے آنسو پونچھنے والے بھی ہم ہی تھے۔ وہ باپ کی موت کے ایک ماہ بعد آیا تھا۔ اس کے ویزے میں کوئی مسئلہ ہو گیا تھا۔ کافی دیر بعد جب کچھ سکون ہوا تو اس نے اپنے ہونٹ میرے ماتھے پر رکھ دیے۔ وہ کسی بڑے کی طرح مجھے تسلی دے ر
تھا۔۔ ہاں وہ بہت بدل گیا تھا۔ چند سال پہلے جرمنی جانے والا ذیشان کوئی اور تھا یہ تو ایک مجبور شخص تھا۔ میرا ذیشان۔ میرا بیٹا۔ میں اس کے پاس بیٹھ کر عالیان اور ناجیہ کی شکایتیں کرنے لگی۔ دونوں نے مجھے تنہا چھوڑ کر گھر الگ لے لیا تھا۔ وہ مجھے تسلی دیتا رہا۔

زندگی بدل گئی۔ ذیشان نے ایک مڈل کلاس گھر کی لڑکی سے شادی کی جس کے لیے ہم دو لوگ ہی سب کچھ تھے۔ فاطمہ میں مجھے میرا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ وہی جھجک۔ وہی صبر۔ مجھے اس سے محبت تھی۔ وہ میری ہی بیٹی لگتی تھی۔ میں عورت ہوں نا۔ اپنی محرومیوں کو بھول کر اپنے جیسی دوسری عورت کے لیے اچھا سوچ سکتی ہوں۔

ذیشان نے میری تنہائی دور کرنے کے لیے مجھے کتابیں لا کر دی۔ وہ اشفاق احمد، مشتاق احمد یوسفی شفیق الرحمٰن اور ڈائجسٹوں کی دنیا کے نام۔ عمیرہ احمد، نمرہ احمد۔ وہ جن کے لکھے الفاظ کو ابا نے آگ لگا دی تھی آج پھر میرے سامنے تھے۔ بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ میں نے انہیں دوبارہ پڑھا۔ انہی کے ناول پر تبصرہ لکھ کر ڈائجسٹ میں بھیجا۔ پھر میرا نام ڈائجسٹوں میں آیا اور مجھے احساس ہوا۔ وقت لوٹ آیا۔ میں اپنی دنیا میں لوٹ آئی ہوں۔ میں نے ناول لکھے۔ افسانے لکھے۔ ناولٹ لکھے اور انہی دنوں میرا ایک قسط وار ناول مشہور ہوا۔ ایک ٹی وی چینل نے اسکرپٹ لکھوا کر اس پہ ڈرامہ بنایا۔ وقت پلٹ آیا۔ ذیشان نے سب کو دعوت دی اور عالیان کے ساتھ ناجیہ بھی مجھے مبارکباد دینے آئے۔ مجھے معاف کرنا تھا انہیں۔۔ کیونکہ آخر میں عورت ہوں نا۔ نادان عورت۔ اپنے ساتھ ہونے والے ظلم اور زیادتیاں بھول کر مستقبل کا سوچنے والی۔ اپنے بچوں کا سوچنے والی۔ میرا سفر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ صبر کا۔ برداشت کا۔ یہ ختم نہیں ہوتا۔ کسی دور میں بھی۔

☆☆

INNER

اندھیرے کی تاریکی میں پھیلتی روشنی صبح کا پیام دے رہی تھی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ خدا کی حمد وثناء میں مصروف تھی شاہانہ بیگم فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد جائے نماز پر بیٹھی بڑے انہماک سے ورد کرنے میں مشغول تھیں۔ ان کے شوہر اظفر علی فجر کی نماز مسجد میں ادا کرنے گئے تھے کچھ دیر بعد وہ لوٹے تو شاہانہ بیگم وظیفہ مکمل کر چکی تھیں وہ کچن میں جا کر چائے تیار کرنے لگیں۔ اندر کمرے سے اظفر علی کی کسی سے فون پر باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''خدا خیر کرے اتنی صبح کس کا فون آ گیا۔'' شاہانہ بیگم کے دل میں طرح طرح کے خدشات جنم لینے لگے۔ تب ہی اظفر علی کچن کے دروازے پر آ موجود ہوئے۔

''اتنی صبح کس کی کال آ گئی تھی، خیر تو ہے؟'' وہ چولھا دھیما کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''سامعہ کی کال تھی خیریت ہی ہے۔''

''اچھا، اتنے سویرے اس نے کال کیسے کر لی جب دیکھو مصروف ملتی ہے جاب اور بچوں سے فرصت ملے تو ماں سے ملنے کا خیال آئے۔''

شاہانہ بیگم کو سامعہ کا میکے کم کم آنا بہت کھلتا تھا وہ کئی مرتبہ اسے کہہ چکی تھیں کہ وہ جلدی، چکر لگایا کرے جواب میں سامعہ نے کہا تھا کہ اسے بے وجہ کہیں آنا جانا اچھا نہیں لگتا۔ جسے سن کر انہیں شدید غصہ آیا تھا انہوں نے اسے کھری، کھری سنائی تھیں کیا اپنا خون، اپنے لوگ صرف ضرورت پڑنے پر ملتے جلتے ہیں؟ پیار محبت، رشتے ناتے بھی کوئی چیز ہیں۔

شاہانہ بیگم کو یوں لگتا تھا کہ جاب کرتے، کرتے سامعہ کا مزاج خشک ہو گیا ہے۔

''سامعہ، اسفند کے ساتھ آ رہی ہے رات کے کھانے پر اہتمام کر لینا۔'' موبائل پر میسج پڑھتے ہوئے اظفر علی نے اطلاع دی تو چائے کو پیالیوں میں ڈالتی شاہانہ بیگم کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

''اچھا یہ تو آپ نے بڑی اچھی خبر سنائی، میرا بچوں کو دیکھنے کا بہت جی کر رہا تھا سوچ رہی تھی کہ آپ سے اجازت لے کر کچھ دن اس کے پاس رہ آؤں میری بات تو کراتے۔''

''وہ بہت جلدی میں تھی میں نے کہا بھی اپنی ماں سے بات کر لو کہنے لگی آج تو میں آ رہی ہوں جی بھر کر باتیں کر لوں گی۔''

''کتنے دن کے لیے وہ آ رہی ہے؟'' شاہانہ بیگم نے چائے کی پیالی ان کی طرف بڑھائی۔

''یہ تو میں نے نہیں پوچھا میرا خیال ہے ہفتہ، دس دن تو رہے گی۔ سال بھر ہو رہا ہے اسے آئے ہوئے۔''

''اچھا ہے کچھ دن رک جائے گھر میں رونق ہو جائے گی۔'' شاہانہ بیگم کی بات سنتے ہی اظفر علی نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

شاہانہ بیگم کو سامعہ کے آنے کی خوشی سے زیادہ اپنے نواسے کے آنے کی خوشی تھی وہ دو بیٹیوں کی ماں تھیں سامعہ ان کی بڑی بیٹی تھی شادی کے بعد وہ لاہور چلی گئی تھی۔ دوسرے شہر میں رہائش ہونے کی وجہ سے وہ بہت کم والدین سے ملنے آتی تھی۔

اظفر علی کے مالی حالات کبھی اچھے نہیں رہے تھے سامعہ نے انٹر کے بعد نرسنگ ٹریننگ حاصل کی تھی۔ شادی سے پہلے کے دو سال اس نے جاب کرتے ہوئے گزارے تھے شادی کے بعد بھی وہ جاب کر رہی تھی اس کے شوہر اسفند کی تنخواہ اتنی زیادہ نہیں تھی جس میں گھر کی ضرورتیں پوری ہو سکتیں۔

چھوٹی بہن زوباریہ کی شادی سامعہ کے تعاون سے ہو سکی تھی۔ سامعہ سے جو بن پڑا تھا کیا تھا۔ زوباریہ شادی کے بعد باہر چلی گئی تھی۔

اظفر علی ناشتے سے فارغ ہو کر اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے شاہانہ بیگم گھر کی صفائی ستھرائی میں لگ گئیں اس دوران وہ پڑوس کے گھر میں بتا آئی تھیں کہ سامعہ اور ان کا داماد آ رہا ہے کچھ دنوں کے لیے۔ مقصد یہ جتانا تھا کہ ان کی اسفند سے بنتی ہے۔ ایک سال سے اسفند کے نہ آنے کی وجہ کوئی ناراضی نہیں ہے۔

مغرب سے کچھ پہلے باہر رکشا رکنے کی آواز

کے ساتھ ڈور بیل بجی۔ شاہانہ بیگم جو کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ بیل کی آواز سنتے ہی انہوں نے چولھا دھیما کیا کچن سے نکل کر جب وہ گیٹ پر پہنچیں تب تک اظفر علی گیٹ کھول چکے تھے۔ اسفند کے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھ کر وہ سمجھ گئیں کہ ان کے بیٹی اور داماد زیادہ دن رکنے کے ارادے سے آئے ہیں۔

اظفر علی نے آگے بڑھ کر اپنے نواسے ابتسام کو گود میں اٹھا لیا۔ اسفند کے سلام کا جواب دیتے ہوئے شاہانہ بیگم نے اس کا حال چال پوچھا۔ اسفند، اظفر علی کے بڑے بھائی کا بیٹا تھا۔ چچی کے خیریت دریافت کرنے پر اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ شاہانہ بیگم کو اس کے رویے سے تکلیف ہوئی، وہ زیادہ گھلتا ملتا نہیں تھا۔ سامعہ کی پانچ ماہ کی گول مٹول بیٹی شہرینہ کو نانی نے فوراً لپک کر ماں کی گود سے لے لیا۔

رات کا کھانا تیار تھا ایک گھنٹے بعد شاہانہ بیگم نے کھانا دسترخوان پر لگا دیا۔ چکن کڑھائی کے ساتھ رائتہ اور سلاد تھا۔ ابتسام، نانی کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ شاہانہ بیگم گوشت کو روٹی سے توڑ کر اسے کھلانے لگیں تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔

''نانو! آپ نے چاول نہیں بنائے؟'' کمرے میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ جسے سامعہ نے توڑا۔

''ابتسام! تم کل چاول کھا لینا آج روٹی کھا لو گھر میں بھی تم روز چاول نہیں کھاتے ہو۔''

''بالکل جھوٹ، میں تو روز چاول کھاتا ہوں۔'' وہ بھی چپ رہنے والوں میں سے نہیں تھا۔

شاہانہ بیگم نے اظفر علی سے کہا کہ وہ ابھی دودھ لینے جائیں گے تو باہر سے فرائیڈ رائس لیتے آئیں۔

اظفر علی کھانے سے فارغ ہو کر دودھ لینے کے لیے نکلنے لگے تو گیٹ سے آواز دے کر پوچھنے لگے۔

''کتنا دودھ لینا ہے؟'' شاہانہ بیگم نے سامعہ سے پوچھا۔

''ابتسام کے لیے کتنا دودھ لینا ہے؟''

''دو کلو لے لیں یہ کھانا تو برائے نام کھاتا ہے۔'' یہ سنتے ہی شاہانہ بیگم کا چہرہ بجھ سا گیا۔

اس لمحے سامعہ نے خود کو قصوروار محسوس کیا سامعہ کے بچپن سے لے کر اب تک گھر میں آدھا لیٹر دودھ آتا تھا جس میں صبح شام کی چائے بننے کے بعد کچھ بچ جاتا تھا جو امی رات میں ابو کو دے دیتی تھیں۔ دونوں بہنوں کو دودھ پینے کو اس وقت ملتا جب وہ بیمار ہوتی تھیں۔

صبح ناشتے میں پراٹھے سے چائے کے دو نوالے کھانے کے بعد ابتسام نے دودھ مانگا سامعہ اٹھ کر کچن میں گئی اور فیڈر میں بھر کر ابتسام کو دیا۔ اس نے لیٹ کر ایک ہی سانس میں فیڈر خالی کر دی۔ شاہانہ بیگم نے مشورہ دیا۔

''سامعہ! اسے کھانا کھلایا کرو۔ روٹی کھائے گا تو کچھ موٹا ہوگا تین سال کا ہو گیا ہے۔ قد کے لحاظ سے جسم کتنا سوکھا ہے۔''

''یہی تو میں سامعہ کو کہتا ہوں مگر یہ میری سنتی کب ہے، ابتسام کھانے پینے کو کچھ مانگے اور یہ انکار کر دے ایسا ممکن نہیں۔'' سامعہ کے بجائے اسفند نے جواب دیا۔

شاہانہ بیگم نے سامعہ کو گھورا۔ وہ امی کو کیسے سمجھاتی کہ بچوں کی خواہشات کو پورا کر کے وہ دراصل اپنے بچپن کو خوشحال گزار رہی ہے بچپن میں ناشتے میں اسے چائے روٹی کے علاوہ ملا ہی کیا تھا اسکول میں بھی اسے لنچ کے لیے کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ اسکول میں اپنی ساتھی لڑکیوں کو کوئی چیز کھاتے دیکھ کر اس کی طبیعت للچاتی تھی وہ جب بھی امی سے کوئی چیز کھانے کے لیے پیسے مانگتی تو عام طور پر اسے بری طرح ڈانٹ پڑتی تھی۔ اس وقت اسے امی پر غصہ آتا تھا کہ اس کی امی کتنی بری ہیں جو اور بچیوں کی ماؤں کی طرح اسے بازار سے خرید کر کھانے کے لیے پیسے نہیں دیتی ہیں مگر جیسے جیسے اس نے شعور کی منزل میں قدم رکھا اس کی سمجھ میں ماں کی مجبوری آ گئی۔

وہ اور زوبار یہ جو تعلیم حاصل کر پائی تھیں اس کے پیچھے امی کی سلیقہ مندی کا ہاتھ تھا۔ ابو تو چاہتے تھے کہ میٹرک کے بعد بیٹیاں آگے نہ پڑھیں۔ ان کی ناکافی تنخواہ میں گھر کا خرچا بامشکل پورا پڑتا تھا۔ یہ تو امی کا حوصلہ تھا، وہ گھر میں دن بھر بیٹھی کپڑوں کی سلائی

کرتیں تھوڑے بہت جو پیسے ملتے ان سے وہ بچیوں کی تعلیم کے اخراجات کو پورا کرتیں۔

نرسنگ کی تعلیم کو مکمل کرتے ہی سامعہ کو ایک اچھے ہاسپٹل میں جاب مل گئی۔ وہ اپنی سہیلیوں کے سامنے اعتراف کرتی کہ اسے تعلیم دلانے اور بنانے والی اس کی ماں ہے۔

شام میں ابتسام صحن میں بیٹھے نانا کے پاس چلا گیا۔ نانا کھرپی لیے کیاری کے پاس بیٹھے تھے وہ ان سے پودوں کے نام پوچھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے مما کو حکم دیا۔

''مما! دودھ دیں مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

''تھوڑی دیر صبر کرو۔ کھانا پک رہا ہے کھا لینا۔'' سامعہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

''نہیں مما میں دودھ پیوں گا گھر میں تو آپ فوراً دے دیتی ہیں۔'' اسفند فوراً بولا۔

''یہ بھلا کہاں مانے گا دے دو۔ اس کی عادت تو تم نے بگاڑی ہے۔'' دودھ دیتے وقت سامعہ کا دماغ حساب لگا رہا تھا کہ جس حساب سے امی کا خرچا ہو رہا ہے پورے مہینے کے پیسے چند دن میں برابر ہو جائیں گے۔

☆☆☆

سامعہ کو امی کے گھر آئے چوتھا روز تھا وہ شہرینہ کو سلا کر کچن کی طرف نکلی تو ابتسام کو نانو سے مصروف گفتگو پایا۔

''نانو! آپ کیا پکا رہی ہیں؟''

''اپنے بچے کے لیے کسٹرڈ پکا رہی ہوں۔ تمہیں پسند ہے نا؟''

''ہاں مجھے کسٹرڈ بہت اچھا لگتا ہے۔'' شاہانہ بیگم ایک محبت بھری نظر نواسے پر ڈالتے ہوئے سامعہ سے بولیں۔

''سامعہ! کسٹرڈ تیار ہو گیا ہے ڈش میں نکال کر فریج میں ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دو۔ میں نے گوشت میں سبزی ڈال دی ہے تم دیکھ لینا میں ابتسام کو لے کر پڑوس میں جا رہی ہوں۔''

''جی امی، آپ جائیں میں دیکھ لوں گی۔''

شاہانہ بیگم، ابتسام کا ہاتھ پکڑے پڑوس میں نکل گئیں ایک گھنٹے بعد جب وہ لوٹیں تو سامعہ نے ان کے آتے ہی دوپہر کا کھانا لگا دیا۔ ٹنڈے گوشت کو دیکھتے ہی ابتسام نے برا سا منہ بنا لیا۔

''میں یہ نہیں کھاتا چکن کھاتا ہوں۔''

''جو پکا ہے کھا لو ورنہ ایک لگاؤں گا۔'' اسفند نے غصے سے گھورا۔ شاہانہ بیگم نے پیالے میں کسٹرڈ نکال کر ابتسام کو کھلانے کے لیے بڑھایا، ابتسام نے کسٹرڈ کو دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔

''کھاؤ نا..... بچے، غصہ نہیں کرتے۔''

''میں نہیں کھاتا۔'' وہ نروٹھے پن سے بولا۔

''کیوں نہیں کھاتے ایک ہاتھ لگاؤں۔'' اسفند کو ایک دم غصہ آ گیا۔

''نانو نے بالکل خراب کسٹرڈ بنایا ہے مما کسٹرڈ میں کیک اور جیلی ڈالتی ہیں۔ مجھے یہ نہیں کھانا۔'' اسفند کا ہاتھ یہ سنتے ہی ایک دم اٹھا اور پوری قوت سے ابتسام کے گال پر پڑا۔ ابتسام کارپٹ پر لڑھک گیا۔ اس نے پوری قوت سے چیخ کر رونا شروع کیا۔ قبل اس کے اسفند مزید اسے مارتا۔ شاہانہ بیگم اسے سمجھانے لگیں۔

''سامعہ ابتسام کو گود میں اٹھا کر صحن میں لے گئی اسفند کھانا کھا کر صحن میں آیا تو ابتسام ہلکے ہلکے سسک رہا تھا۔ اس نے ابتسام کو اپنی گود میں لے لیا۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر سسکنے لگا۔

''آپ تو غصے میں بالکل آؤٹ ہو جاتے ہیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے آپ کو؟ پوری قوت سے آپ نے اس کے گال پر مارا ہے خدانا خواستہ آنکھ کو نقصان پہنچ جاتا تو؟ نا سمجھ بچہ ہے۔''

''پیزا کھاؤ گے؟'' اسفند نے ابتسام سے پوچھا تو اس نے ناراضی کے باوجود سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆

شاہانہ بیگم رسی پر سے دھلے ہوئے کپڑے اتار رہی تھیں گلی میں پھل والے کی آواز آ رہی تھی۔

''نانو! جلدی سے مجھے کینو دلائیں مجھے فروٹ کھانا ہے۔'' وہ ہاتھ پکڑ کر انہیں گھسیٹنے لگا۔ مجبوراً انہیں

کینو خریدنے پڑے مہینے کا آخر تھا ان کے پاس گنے چنے روپے بچے تھے۔ ایک درجن کینو خریدنے میں وہ پیسے ٹھکانے لگ گئے تو وہ خاصی پریشان ہو گئیں۔ رات انہوں نے اپنی پریشانی کا ذکر شوہر سے کر دیا۔

''سنیں آپ صبح بینک سے جا کر کچھ رقم نکال لائیے گا میرے خرچے کے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔''

''ابھی تو پہلی تاریخ میں کافی دن ہیں۔ اکاؤنٹ میں پیسے کہاں ہیں۔ پہلی تاریخ کے بعد ہی پیسے مل سکتے ہیں۔ خیر تم فکر نہ کرو میں کسی سے ادھار پکڑ لوں گا۔'' شاہانہ بیگم اور ان کے شوہر کا فکسڈ ڈپازٹ تھا جس سے انہیں اتنی رقم مل جاتی تھی کہ مہینہ عزت سے گزر جاتا تھا۔

''ادھار تو آپ لے لیں گے اتارنا مشکل ہو جائے گا۔ جب تک سامعہ یہاں پر ہے میں اسے کہہ دوں گی کہ وہ ابتسام کے لیے اس کی پسند کا کچھ بنا لیا کرے اپنی پسند کی چیز دسترخوان پر نہ دیکھ کر وہ ضد کرتا ہے اسفند کے مزاج کا تو آپ کو پتا ہے وہ غصے کا کتنا تیز ہے۔''

''سامعہ اتنے دنوں بعد تو آئی ہے۔ داماد کی خاطر و مدارت کرو جب تک وہ لوگ یہاں ہیں تم دال سبزی مت پکانا۔'' شاہانہ بیگم نے سر ہلایا پھر کہنے لگیں۔

''اچھا ہے سامعہ یہاں کم آتی ہے میں تو سوچ رہی تھی کہ اسے کہوں گی کہ مزید کچھ دن رک جائے بہتر ہی ہوا کہ میں نے اسے رکنے کے لیے نہیں کہا، ہمارے مالی حالات کہاں اجازت دیتے ہیں کہ ہم مہمان داری کا بوجھ اٹھائیں۔'' ماں کا کہا ہوا ایک ایک لفظ کمرے کے باہر کھڑی سامعہ سن رہی تھی۔

بچوں کو سلانے کے بعد اس نے سوچا تھا کہ سکون سے کچھ دیر بیٹھ کر امی، ابو سے باتیں کرے گی مگر کمرے میں داخل ہونے سے قبل اس نے ان کی آپس میں ہونے والی گفتگو سن کر اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ واپس پلٹ کر وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو خاصی دیر تک سوچتی رہی کہ امی کو خرچ کے لیے کچھ روپے دے دوں لیکن روپے دینے کی اس میں ہمت نہیں تھی امی اس میں اپنی ہتک محسوس کرتیں۔ امی کو کتنا شوق اور ارمان تھا کہ وہ اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے یہاں آ کر رہے اب اپنی اس کے یہاں آ کر رہنے کی وجہ سے پریشان تھیں۔

اسفند، سامعہ کی کیفیت سے بے خبر گہری نیند میں تھا شہرینہ نیند میں کسمسائی تو سامعہ اسے تھپکنے لگی شہرینہ کو محویت سے دیکھتے ہوئے جاگتی آنکھوں سے اسے مستقبل کے چھوٹے چھوٹے منظر نظر آئے۔ شہرینہ بڑی ہو گی شادی کے بعد وہ اپنے بچوں کے ساتھ اس کے گھر آئے گی تب شاید وہ بھی امی کی طرح..... نہیں، نہیں۔ اس نے آگے کے مناظر آنکھوں سے مٹا دیے۔

صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اس نے گھر والوں کو بتا دیا کہ وہ واپس جا رہی ہے۔ شاہانہ بیگم نے رسمی انداز میں کہا۔

''اتنی جلدی ابھی کچھ دن تو رکتیں پچھلی بار بھی تم پندرہ دن رہنے کے ارادے سے آئی تھیں اور ایک ہفتے میں چلتی بنی تھیں اسفند بیٹا کچھ دن مزید رکتے۔'' وہ اسفند کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''چچی میں کیا کروں؟ آپ کی بیٹی سیمابی فطرت کی حامل ہے محترمہ نے صبح اٹھتے ہی مجھے واپسی کا حکم دے دیا۔ بقول ان کے امی، ابو سے مل لیا ہے۔ کچھ دن کی جو چھٹیاں باقی ہیں یہ آؤٹنگ کے مزے لے کر گزارنا چاہتی ہیں میری ان کے آگے چلتی کہاں ہے؟'' سامعہ نے فوراً بات بنا دی۔

''امی! میں جاب میں اتنا مصروف رہتی ہوں کہ بچوں کو باہر گھمانے پھرانے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ مل تو لیا ہے آپ لوگوں سے، اگلی بار آؤں گی تو زیادہ دن رہوں گی۔'' شاہانہ بیگم نے رکنے کے لیے مزید اصرار نہیں کیا وہ تو دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ مہمان داری کے لیے وہ مقروض ہونے کی زحمت سے بچ گئی ہیں۔

☆☆

شعلہ عمیر

کرن کرن روشنی

قتل عمد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

☆اور جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا۔ اللہ کا اس پر غضب اور لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بڑا عذاب رکھا ہے (سورۃ النساء......93)

☆خدا نے جس جان کو حرمت دی ہے، اسے ناحق قتل نہ کرو اور (یاد رکھو کہ) جو مظلومانہ قتل کیا جائے، اس کے ولی کو ہم نے اختیار دے دیا ہے۔ سو وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے اس لیے کہ اس کی مدد کی گئی ہے (سورۃ بنی اسرائیل......33)

احادیث

☆حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجاتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں۔" (کنز العمال حدیث 399049)

☆حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی انسان کو قتل کرنا اور جھوٹی بات کہنا۔" (صحیح بخاری)

اقوال حضرت عثمانؓ

☆نہ تمہاری محبت حد سے زیادہ ہو اور نہ ہی نفرت۔

☆دنیا کی عزت مال سے ہے اور آخرت کی اعمال سے۔

☆اپنا بوجھ دوسروں پہ مت ڈالو چاہے زیادہ ہو یا کم۔

☆دانا شخص وہ ہے جو وقت کو دیکھ کر کام کرتا ہے۔

ماریہ نذیر...... بھاگٹانوالہ

کیا آپ جانتے ہیں؟

☆دنیا بھر میں صرف درجن بھر افراد کا بلڈ CA-h ہے جو نایاب ہے۔

☆اگر انڈے کو چوبیس گھنٹے سرکے میں رکھا جائے تو اگر آپ اسے فرش پر گرائیں گے تو یہ ٹوٹے گا نہیں۔

☆انسان کی چھینک کی رفتار سو میل فی گھنٹہ ہو سکتی ہے۔

☆انسانی گردے میں دس لاکھ باریک نالیاں ہوتی ہیں۔

تبسم بشیر حسین......ڈنگہ

شہرت و ناموری

مشفق خواجہ اپنے سے چھوٹوں کی علمی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ ان کی خوب حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ انہیں ہمیشہ نصیحت کرتے تھے کہ شہرت و ناموری کے پیچھے نہ بھاگیں۔ بلکہ اپنے کام پر زیادہ توجہ دیں۔ اس ضمن میں ایک صاحب کو اس طرح نصیحت کی۔

"نام میں کیا رکھا ہے۔ اصل اہمیت کام کی ہے۔ آپ جتنی بھی محنت کرلیں، شیطان سے زیادہ نام نہیں کما سکتے لیکن یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس کا کام کیا ہے۔"

صدف صدف

☆جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے ان کے پاس سوچنے کے لیے بہت کم باتیں ہوتی ہیں اور بولنے کے لیے نہیں ہوتیں (فرانسس بیکن)۔

☆جنگ کے لیے تیار رہنا امن قائم کرنے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ ہے۔ (جارج واشنگٹن)

☆جو شخص عزت اور خوشی کی زندگی اختیار کرنا چاہتا ہے، وہ سچائی اختیار کرے۔ سچائی کے بغیر عزت اور خوشی ممکن نہیں۔ (ریمن ڈیل ویلے انکلان)

☆انسان اپنے دانتوں اور زبان سے اپنی قبر کھودتا

ہے۔(لقمان حکیم)

☆انسانی ذہن کی مثال تالاب کی سی ہے اور آپ کے لفظ وہ پتھر ہیں جو اسے گدلا یا پاکیزہ کر سکتے ہیں۔ (ارسطو)

ماہا بشیر حسین.....ڈنگہ

بھاؤ تاؤ

ایک کار میں ایک سعودی، ایک امریکی اور ایک پاکستانی سفر کر رہے تھے کہ کار کو حادثہ پیش آ گیا۔ آپریشن ٹیبل تک پہنچتے پہنچتے تینوں کا انتقال ہو گیا۔ ان کو سرد خانے کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ اچانک سعودی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چیف میڈیکل آفیسر نے کہا "یہ میڈیکل ہسٹری کا انوکھا ترین واقعہ ہے۔"

سعودی نے کہا۔ "ہم تینوں واقعی مر گئے تھے۔ ہمیں ایک فرشتے کے سامنے لے جایا گیا۔ فرشتے نے رجسٹر چیک کیا تو پتا چلا کہ غلطی سے کسی اور کے بجائے ہم کو اوپر بلا لیا گیا۔ اس لیے فرشتے نے پیشکش کی کہ اگر آپ سو سو ڈالر دیں تو وہ ہمیں زمین پر بھیج دیں گے۔ میں نے اسی وقت جیب سے سو ڈالر نکال کر دے دیے اور وہ مجھے یہاں چھوڑ گئے۔

"باقی دو کا کیا ہوا؟ وہ کیوں واپس نہیں آئے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

سعودی نے کہا۔ "امریکی تو اپنی انشورنس کمپنی کی طرف سے پے منٹ کا انتظار کر رہا ہے اور پاکستانی بھاؤ تاؤ کر رہا ہے کہ پچاس پر سودا منظور کر لو۔"

فائزہ بھٹی.....پتوکی

حقیقی تباہی

امریکی صحافت میں تباہ کن سرخی اپریل 1906ء میں دیکھنے کو ملی جب زلزلے نے سان فرانسسکو شہر کو برباد کر دیا تب ایک مقامی اخبار ڈیلی ٹائمز نے یہ شہ سرخی دی۔

"سان فرانسسکو جو.....تھا"

افشاں سمیع.....کراچی

قوموں کی ترقی

نادر شاہ نے جب دلی پر قبضہ کیا تو اسے ہاتھی کی سواری پیش کی گئی۔ ہاتھی پر بیٹھ کر اس نے مہاوت سے کہا۔ "اس کی لگام میرے ہاتھ میں دے دو۔"

مہاوت نے عرض کیا۔ "حضور! اس کی لگام نہیں ہوتی بلکہ یہ میرے اشارے پر چلتا ہے۔"

نادر شاہ یہ سن کر ہاتھی سے اتر آیا اور کہنے لگا۔ "میں ایسی سواری پر نہیں بیٹھتا، جس کی لگام کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔"

زرینہ خانم لغاری.....مظفر گڑھ

اپنے اپنے تناظر میں

ایک رات کو جب اکبر اور بیربل بھیس بدل کر شہر کا گشت کر رہے تھے۔ دونوں کا گزر ایک حجام کی جھونپڑی کے پاس سے ہوا۔ اکبر نے اس سے پوچھا۔ "بھائی! یہ بتاؤ آج کل اکبر بادشاہ کے راج میں لوگوں کا کیا حال ہے؟"

حجام نے فوراً جواب دیا۔ "اجی کیا بات ہے ہمارے اکبر بادشاہ کی۔ ہر طرف امن چین اور خوشحالی ہے، لوگ عیش کر رہے ہیں۔ ہر دن عید ہے، ہر رات دیوالی ہے۔"

اکبر اور بیربل حجام کی باتیں سن کر آگے بڑھ گئے۔ اکبر نے بیربل سے فخریہ لہجے میں کہا۔

"بیربل! دیکھا تم نے، ہماری سلطنت میں رعایا کتنی خوش ہے؟" بیربل نے عرض کیا۔ "بے شک جہاں پناہ آپ کا اقبال بلند ہے۔" چند روز بعد پھر ایک رات دونوں کا گزر اسی مقام سے ہوا۔ اکبر نے حجام سے پوچھ لیا۔

"کیسے ہو بھائی؟"

حجام نے چھوٹتے ہی کہا۔ "اجی حال کیا پوچھتے ہو ہر طرف تباہی، بربادی ہے۔ اس اکبر بادشاہ کی حکومت میں ہر آدمی دکھی، ستیاناس ہو اس منحوس بادشاہ کا؟"

اکبر حیران رہ گیا کہ یہی آدمی کچھ دن پہلے بادشاہ کی اتنی تعریف کر رہا تھا۔ جہاں تک اس کی معلومات کا سوال تھا، عوام کی بدحالی اور پریشانی کی کوئی اطلاع اسے نہیں

تھی۔ اکبر اس کی بات سے پریشان ہوگیا۔ الگ لے جا کر بادشاہ نے بیربل سے پوچھا۔

"آخر اس شخص نے یہ سب کیوں کہا؟"

بیربل نے جیب سے ایک تھیلی نکالی اور بادشاہ سے کہا۔ "اس میں دس اشرفیاں ہیں، دراصل میں نے دو دن پہلے اس کی جھونپڑی سے چوری کروالی تھیں۔ جب تک اس کی جھونپڑی میں مال تھا، اسے بادشاہ حکومت، سب کچھ اچھا لگ رہا تھا اور اپنی طرف سب کو سکھی سمجھ رہا تھا۔ اب وہ اپنی دولت لٹ جانے سے غمگین ہے تو ساری دنیا اسے تباہی اور بربادی میں مبتلا نظر آتی ہے۔ جہاں پناہ میں یہ گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ ایک فرد اپنی خوشحالی کے تناظر میں دوسروں کو دیکھتا ہے لیکن بادشاہوں اور حکمرانوں کو رعایا کا دکھ درد سمجھنے کے لیے اپنی ذات سے باہر نکل کر دور تک دیکھنا اور صورت حال کو سمجھنا چاہیے۔"

عائشہ ناہید، رابعہ عمر..... شہداد پور

جواب لاجواب

خواتین کا مجمع کافی بڑا تھا۔ تقریب کے ناظم نے حاضرین میں سے بارہ شادی شدہ خواتین کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ خواتین کی ایک بھیڑ لپکی اور پہلے آنے والی بارہ خواتین کو اسٹیج پر بٹھالیا گیا۔ ناظم کے استفسار پر سب نے کہا کہ وہ نہایت خوش گوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہیں۔ ناظم نے ان سے کہا کہ وہ واٹس ایپ پر اپنے شوہر کو یہ پیغام بھیجیں کہ وہ ان سے محبت کرتی ہیں۔ آنے والے بہترین جواب پر خاتون کو بڑا انعام دیا جائے گا۔

آنے والے جوابات کچھ یوں تھے.....

1۔ کیا آج پھر گاڑی کہیں ٹھوک دی؟
2۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟
3۔ کیا کل پھر شاپنگ کا ارادہ ہے؟
4۔ شاید تمہیں میکے کی یاد ستا رہی ہے؟
5۔ تمہیں کتنے پیسوں کی ضرورت ہے؟
6۔ پھر استری سے کوئی سوٹ جلا دیا؟
7۔ تم نے غلطی سے یہ میسج مجھے بھیج دیا؟

9۔ گھر پر تمہاری امی کے ساتھ اور کون آیا ہوا ہے؟
10۔ پیسے کپڑوں کی الماری کے پچھلے خانے میں پڑے ہیں۔ سب نہ نکال لینا؟
11۔ دفتر سے واپسی پر کوئی سامان نہیں لاؤں گا؟
12۔ آج کون سا کراکری سیٹ ٹوٹا ہے؟

شکیلہ حسن..... ملکوال

مشکل کام

"بیٹا! وہاں جا کر لوگوں کو اپنا علم عطا کرنے نہ بیٹھ جانا، ان کو محبت دینا۔"

میں نے کہا۔ "سر! محبت تو ہمارے پاس گھر میں دینے جوگی بھی نہیں، وہ کہاں سے دوں۔ میرے پاس علم ہی علم ہے۔"

کہنے لگے۔ "نہ، انہیں علم نہ دینا، انہوں نے محبت سے بلایا ہے، محبت سے جانا، اگر ہے تو لے کر جانا۔"

"لیکن ہم تو ظاہر علم سکھاتے ہیں کہ اتنا اونچا روشن دان رکھو، مویشی کو اندر باندھو، ناک سے سانس لو، منہ سے نکالو وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ محبت!" میں نے کہا۔

"جی یہ بڑا مشکل کام ہے۔ میں کیسے کروں گا۔"

میں گیا..... کوششیں بھی کیں لیکن بالکل ناکام رہا کیونکہ علم عطا کرنا اور نصیحتیں کرنا بہت آسان ہے اور محبت دینا بڑا مشکل کام ہے۔" (اشفاق احمد)

ایمن اقبال..... ڈی جی خان

جنوری کی کتنی شامیں آئیں

جنوری کی کتنی شامیں آئیں
آ کر بیت گئیں
دل نے کوئی آہٹ
کوئی دستک محسوس نہ کی
لیکن اتنے برسوں کے بعد
آج کی شام میں جانے کیا ہے
دائیں آنکھ کا دایاں کونا
بھیگ گیا ہے

یادوں کے دریچے سے

بُشریٰ محمود

فائزہ بھٹی، کی ڈائری میں تحریر

سعید داؤتی کی غزل

ہجر میں خون رُلاتے ہو، کہاں ہوتے ہو
لوٹ کر کیوں نہیں آتے ہو، کہاں ہوتے ہو

جب بھی ملتا ہے کوئی شخص بہاروں جیسا
مجھ کو تم کیسے بھلاتے ہو، کہاں ہوتے ہو

یاد آتی ہیں اکیلے میں تمہاری نیندیں
کس طرح خود کو سلاتے ہو، کہاں ہوتے ہو

مجھ سے بچھڑے ہو تو محبوب نظر ہو کس کے
آج کل کس کو مناتے ہو، کہاں ہوتے ہو

موسم ہجر میں نشہ ہجر کا بڑھ جاتا ہے
میرے سب ہوش بجھاتے ہو، کہاں ہوتے ہو

سرد راتوں میں تمہیں کیسے بھلا سکتا ہوں
آگ سی دل میں لگاتے ہو، کہاں ہوتے ہو

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

ایک خوبصورت غزل

اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے پچھلے بارہ ماہ کے
دُکھ سکھ کا اندازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
اپنے سارے کل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کا
اپنے گزرے اک اک کل کا
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
پھر تم کو میری طرف سے
نیا سال مبارک ہو
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلیف کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے سال کچھ ایسا کرنا

ماریہ نذیر، کی ڈائری میں تحریر

محسن نقوی کی غزل

میں جب بھی ترک تعلق کی بات کرتا تھا
وہ روکتی تھی مجھے، کل پہ ٹال رکھتی تھی

وہ میرے درد کو چنتی تھی اپنی پوروں سے
وہ میرے واسطے خود کو نڈھال رکھتی تھی

وہ ڈوبنے نہیں دیتی تھی دُکھ کے دریا میں
میرے وجود کی ناؤ اچھال رکھتی تھی

دعائیں اس کی بلاؤں کو روک لیتی تھیں
وہ میرے چاروں طرف ہاتھوں کی ڈھال رکھتی تھی

اک ایسی دُھن کہ نہیں پھر کبھی میں نے سُنی
وہ منفرد ہنسی میں کمال رکھتی تھی

اسے ندامتیں میری کہاں گوارا تھیں
وہ میرے واسطے آسان سوال رکھتی تھی

بچھڑ کے اس سے دنیا کی ٹھوکروں میں ہوں محسنؔ
وہ میرے پاس تھی تو مجھے لازوال رکھتی تھی

ثمرہ عاقب، کی ڈائری میں تحریر
اعزاز احمد آذر کی غزل

جنوری لوٹ آئی ہے،

وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے

یہ حسن اتفاق ایسا کہ بکھری چاندنی بھی ہے
وہی ہر سمت ویرانی اداسی تشنگی سی ہے

وہی بھیڑ موجوں کی وہی تنہائیاں پھر سے
مسافر اجنبی اور دشت کی پنہائیاں پھر سے

مجھے سب یاد ہے کچھ سال پہلے کا یہ قصہ ہے
وہی لمحہ تو ویرانے کا اک آباد حصہ ہے

میری آنکھوں میں وہ اک لمحہ موجود اب بھی ہے
وہ زندہ رات میرے ساتھ لاکھوں بار جاگی ہے

کسی نے رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں

اقصیٰ ناصر، کی ڈائری میں تحریر
ایک نظم

یکم جنوری،

ہر طرف دُھند ہے
دُھند ہی دُھند ہے
ایسا لگتا ہے جیسے زمیں آسماں
دُھند کے اس اجل خیز سیلاب میں
خار و خس کی طرح
ہنستے ہنستے کہیں دُور کھو جائیں گے
وہ مناظر جو گنتی میں آتے نہ تھے
ایک ہو جائیں گے
بے یقینی کے رنگوں میں اُلجھی ہوئی
چاندنی درد کی جگمگاتی نہیں
دُھند کی جھیل پر تیرتی ہے مگر
راہ پاتی نہیں
وہ نظر جو ستاروں کی ہم راز تھی
دس قدم دُور تک ساتھ جاتی نہیں
روشنی بھی کہیں کچھ دکھاتی نہیں

مدیحہ کرن

نامے میرے نام

فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران، آمنہ رئیس، حریم فاطمہ...... گجرات

ٹائٹل اچھا تھا۔ ماڈل کی لپ اسٹک وڈنیل پینٹ شیڈ پسند آئے۔ اداریہ، باتیں سمجھداری کی، کوئی سمجھداری پلو میں باندھے، عوام پریشان، حکمران اپنے ٹھٹھوں سیفیوں میں معروف عمل۔

بابائے قوم کی روح محترم حیران و پریشان۔ کیا اس وقت کے لیے جدوجہد کر کے آیا ہوا کہ پاکستان مسخروں کے ہاتھوں ریوڑیوں کے بھاؤ بکے۔ رب وارث میرے قائد کے وطن کا۔

حسب عادت اک سرسری نگاہ ہر سلسلہ کو دیکھا۔ شاہین رشید، شکوہ، میکال ذوالفقار ہر دفعہ، ہر ڈائجسٹ میں کیملی کا ذکر گول کر دیتا ہے۔ مزا نہیں آیا ادھورے انٹرویو کا۔ "میری بھی سنیے" ارسلان فیصل بس اچھے ہیں۔ "آواز کی دنیا" ایمن ہارون کیا تھا اگر اپنی بلیوں کا درشن بھی کروادیتیں، مجھے یہ مخلوق بہت زیادہ پسند ہیں۔ "مقابل ہے آئینہ" زرینہ خانم صاحبہ سلام۔ سمیرا حمید کی خانم یاد آ گئیں۔ دلی خواہش کسی خانم کو ہم بھی قریب سے دیکھیں۔ سب سے پہلے ایمل رضا کو پڑھا۔ جی جناب پورا مہینہ ڈھیروں کاموں کے دوران اک یہ بات میرے ذہن میں گردش میں رہی "اب بین کا کیا ہوگا"۔

ایمل رضا نے اینڈنگ ہماری توقع کے مطابق کی۔ اس سے اچھا انجام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ عیسٰی اور ربیکا کا ملن رب کا دل شکر گزار کہ جس حال میں رکھے، اس کی مرضی۔ ایڈم کا انجام بس ٹھیک تھا۔ "شام سیاہ رنگ" کا انجام بخیر بہت پسند آیا۔ بہت سی مبارک اور نئے سال میں پھر کسی اچھی سی تحریر کے ساتھ آئیں۔ نگاہیں ابھی سے محو انتظار۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت جی واقعی میں ہوائیں رت بدل گئی ہیں۔ موسم اور نصیب سرد۔ لگتا ہے شہرین کی باتوں کا اثر ربیکا پر ہو ہی جائے گا اور دل کی "میں" نکال کر حمزہ کی محبت کاشت کرلے گی اور جہانداد کی خاموش محبت شہرینہ کی سوئی محبت کو جگا لے گی۔ ضروری بات، مسئلے دو ہی ہیں خزینہ اور شہرینہ تو پلیز جلدی ٹک۔ ٹکا کرتے ہیں۔ دل مانگ کچھ اور کی صدائے لگا رہا ہے۔ سمجھ تو آپ گئی ہوں گی۔ "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" دونوں قسط ایک ساتھ پڑھیں۔ نام، کام کی گارنٹی تو بے دھڑک دل سے تحریر کو پڑھا۔ ورنہ جو تحریر مجھے شروع سے بورنگ لگے میں چھوڑ دیتی ہوں۔ ابھی تو بہت سے مہینوں کا ساتھ ہے، بریانی پکاتے جائیں، چکھ کر تحریر کا ذائقہ بتاتے جائیں گے ہم بھی۔ ام ہانی ویل ڈن، اتنی اچھی تحریر۔ پیارا میسج "جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔" اس تحریر سے ناں کوئی شکوہ، ناں ہی تنقید۔ بس تعریف ہی تعریف۔ کرداروں کی بھی اور خالق کی بھی۔ "ستو دسمبر انہیں ملا دو" ضروری بات مجھے جوئے عشق اور ستو دسمبر دونوں تحریریں ایک جیسی لگیں۔ کہیں ہیروئن زخمی تو کہیں ہیرو درد کا مارا۔ دونوں تحریروں کا اینڈ پاورفل لگا کہ ہر کسی نے اپنے مقدر کے لکھے کو بخوشی قبول کیا۔ "ساگر کنارے" ام طیفور! پہلی بات ذہن نشین کرلو کہ اس جدائی کو طویل مت کرنا کہ تمہاری یاد دل کو ویران رکھے، کسی اچھی سی تحریر کے ساتھ جلدی ملاقات کی سبیل کرنا۔ "فلسفہ حیات" بہترین سبق۔ شکر ہے بھابھی صاحبہ اچھی فطرت کی تھیں۔ خود کو عجوہ کے ایک ہی درس سے سدھار لیا ورنہ تو بدفطرت روح نہ سکون سے رہتی ہیں نہ دوسرے کی روحوں کو سکون میسر آنے دیتی ہے۔ خوش رہو انمول بھابھی۔ لگتا ہے اس بار افسانے بھی ٹماٹروں کی ریٹ پر تھے، جو تین افسانے لگے۔ (رزلٹ مہنگے دام، کوالٹی ہلکی)۔ "کرن کتاب" کی بات ہو جائے، بالوں کی الجھن موضوع، زندگی چار دن کی جس میں سے تین غائب۔ اب اس ایک دن میں زندگی کی الجھنیں سلجھائیں یا بالوں کی۔ آپ نے تو نئے وختے میں ڈال دیا ہے، چلو اس وختے میں ہی رات کے سات گھنٹے نکال جائیں گے۔ "گڑ" کیا بادشاہی سویٹ ہے۔ غریبوں کا رس گلہ، ہم سب کھانے کے بعد میٹھے میں اسی بادشاہی مٹھائی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جناب یقین رکھیں، بٹ صاحب کی باتیں حقیقی اور سچی ہیں۔ ان میں کوئی مغالطہ نہیں، سر پھرے نہیں، لو جی ابھی دل کو ذرا خوشی کی پٹڑی پہ چلایا ہی تھا۔ "پچھتاوے" کا کرنٹ لگا دیا۔ زندگی

میں کچھ کاش ایسے ہوتے ہیں کہ انسان چاہ کر بھی ان کی
اذیت سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتا۔ تو پھر نتیجے میں ایک
لمبی اور ٹھنڈی آہ بھرنے کے کچھ نہیں کرسکتا۔

''کرن اور آپ'' میرے خیال میں اقرار سرور تمہیں
اور اس سلسلے کو اس سال کا آخری سلام قبول و منظور ہو میری
طرف سے۔ نئے سال میں کسی نئے سلسلے میں تمہارے
ساتھ ملاقات بھلی رہے گی۔ ''کرن کا دسترخوان'' دسمبر،
جنوری ہمارے دسترخوان میں سوپ اور پکوڑے دالوں کا
آپس کا جھگڑا، مطلب آلوؤں کی بارش۔

اے میری پیاری ماں! تمہارے جانے سے کوئی
فرق نہیں پڑا ناں، ہماری زندگیوں میں ناں دسترخواں،
میں بس دل قبرستان بن گیا۔ جس میں وقت کے سکے گر
رہے ہیں اور تم سے ملنے کی گھڑی بس آنے والی ہے (رب
میرا تمہیں اپنے خاص رحمتوں میں رکھے)۔ آمین۔ کوئی مجھے
ایسا منتر سکھادے جو گیاں نوں واپس موڑے لیاں۔ خالدہ
جیلانی اس بار تمہارے دسترخوان نے زخمی کردیا ہے۔
''یادوں کے دریچے'' زرینہ خانم کی یاد تمام یادوں پر بھاری
رہی۔ ''نامے میرے نام'' میرا خط شامل کرنے کا بہت
شکریہ۔ صائمہ مشتاق، ماریہ نذیر، ثناء شہزاد، فائزہ بھٹی نے
خوب محفل جمائی۔ ویسے تو اس سردی میں کائنات ہی فریز
ہورہی ہے۔ آپ سب کو 2019ء کا آخری سلام۔

مجھ میں کیا ہے جو مجھے یاد رکھے گی دنیا
اچھے اچھوں کو یہاں لوگ بھلا دیتے ہیں

☆فوزیہ! جی ماں کا وجود بے شک بہت بڑی نعمت
ہے لیکن صبر کیجیے اللہ کی امانت تھی اس نے لے لی۔ آپ
بس ان کے لیے دعا کیجیے۔

ماریہ نذیر..... بھاگٹانوالہ

کرن دسمبر 2019ء کا شمار 14 تاریخ کو ملا۔
ٹائٹل پر ماڈل کو دیکھ کر ہائے ماشاء اللہ نکل گیا منہ سے۔
ٹائٹل بہت شان دار تھا خصوصاً لپ اسٹک۔ (اداریہ)
بالکل ٹھیک کہا آپ نے کہ برداشت بالکل ختم ہوگئی ہے
لوگوں میں۔ وہ حکومت کیا ترقی کرے گی جس کی عوام میں
برداشت ہی نہ ہو۔ ''حمد اور نعت'' سے دل و دماغ کو منور
کیا۔ دونوں بہت خوب صورت اور فرحت بخش تھیں۔
میکال ذوالفقار اور ایمن ہارون سے ملاقات اچھی رہی۔
اچھی بات ہے ان کے سارے ارمان پورے ہوگئے۔
''میری بھی سنیے'' ارسلان لیصل آپ کو تو کسی ڈرامے میں
نہیں سنا مگر آپ مجھے پسند کوئی نہیں آئے (ہاہاہا)۔ البتہ
آپ کی والدہ ماجدہ کا ڈراما ''تھوڑا سا حق'' دیکھ رہی ہوں
بہت اچھی اداکارہ ہیں۔ ان سے کہیں میک اور غصہ تھوڑا کم
کیا کریں، ہاہاہا۔ (سینئر مائنڈ ارسلان بھیا) ''مقابل ہے
آئینہ'' زرینہ خانم آپ گریٹ ہیں۔ بہت اچھا لگا آپ کو
سننا، نائس۔ ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' دوسری قسط
پہلی سے بھی زیادہ شان دار رہی۔ سکندر پر ترس آتا ہے
اور ارسلہ پر تاسف۔ نادیہ شاہ ارسلہ لوگوں کی کچھ لگتی ہوگی
میرے خیال میں۔ بہرحال ویل ڈن۔ اگلی قسط کا بے تابی
سے انتظار ہے۔ آسیہ جی بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ۔
''ہوائیں رخ بدل گئیں'' حمزہ کی ہوا نے شہرینہ کی طرف
رخ کرلیا ہے اور شہرینہ کی ہوا نے سر جہانداد کی طرف
(ہاہاہا)۔ حمزہ اور ربیکا کو سیٹ کردیں (ربیکا کی عقل کو
ٹھکانے لگا کے) اور سر جہانداد کو ان کی محبت دے دیں
نگہت آنی۔ ''ماضی اور مستقبل'' نعیمہ ناز کا افسانہ اچھا لگا۔
دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے، زمین سے انسانوں کا دل بھرتا جارہا
ہے۔ مستقبل میں تو ہر کام مشین ہی کرے گی مگر ماضی اچھا
تھا۔ جب فرصت ہی فرصت ہوتی تھی، ہر ایک کے دکھ درد
میں شریک ہونے کا موقع ملتا تھا۔ اب تو ٹائم ہی نہیں کسی
کے پاس۔ مکمل ناول ''جوئے عشق'' بہت اچھا لگا۔ عینان
اور فجر نام اچھے لگے بہت، اینڈ اچھا ہوگیا۔ نائس ام ہانی۔
''اور پھر'' شبینہ گل کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ مرد اپنی ماں اور
بیوی میں توازن کیوں نہیں رکھتے؟ باہر کروڑوں کا بزنس
سنبھال لیتے ہیں اور گھر میں دو عورتیں سنبھالی نہیں
جاتیں۔ ''شام رنگ سیاہ'' آخر میں ایڈم کو اپنے کیے کی سزا
مل ہی گئی مگر اس کا وہ انجام نہیں ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔
ایمل آنی یہ ٹھیک نہیں کیا آپ نے۔ باقی عیسیٰ اور ربیکا مل
گئے خوشی ہوئی۔ سین مشہور بھی ہوگئی اور چونے سے بھی
محبت ہوگئی۔ ایمل آپی آپ کا ناول تاعمر دل پر نقش رہے
گا۔ آپی جی پلیز مجھے آٹوگراف دیں اور آپ کو بہت
بہت مبارک ہو اتنا اچھا ناول مکمل ہونے پر۔ پہلی قسط سے
لے کر آخری قسط تک آپ کے ناول نے اپنے سحر میں

ٹرے رکھا۔ تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں مل رہے، بس تصر یہ کہ آپ گریٹ ہیں، نائس۔ جلدی سے اک اور ول لے آئیں۔ "میں تیرا ہیرو" فرح انیس کا ہلکا پھلکا سانہ مزا دے گیا۔ واقعی ہیرو تو ہونا چاہیے کوئی کیوٹ سا ہاہا)۔ تعبیر کو بھی اس کا ہیرو مل گیا شکر ہے جی، نائس رح۔ "ساگر کنارے" ام طیفور آپ کا ناول تو مزا دے جاتا ہے۔ دیکھا ویسا ہی ہوا نا جیسا میں نے کہا تھا۔ اور یہ رش کہاں بھاگی جا رہی ہے، اس کی تو شادی ہو رہی ہے مالک سے اور مومن تم بھی اٹھ جاؤ، اب ماحور بی بی ہی تمہاری دلہن بنے گی۔ دیکھو اتنا بڑا راز بھی بتا دیا اب مجھے وٹ لے کر دو، ہاہاہا۔ اینڈ پتہ ہو گیا۔ اگلی قسط کا بے تابی سے انتظار ہے، نائس ام طیفور۔ "فلسفہ حیات" کنیزہ زہرہ کا ناولٹ بہت اچھا لگا۔ شکر ہے نند اور بھابھی کی صلح ہو گئی اور ہر طرف مطلع صاف ہو گیا۔ سبق آموز ناول تھا۔ ویل ن کنیزہ زہرہ۔ "سنو دسمبر انہیں ملا دو" فلک تنویر کا ناول تو ل کو چھو گیا۔ ڈھیر سارے کزنز والے ناول ویسے بھی ہت اچھے لگتے ہیں۔ وفاداری ہر رشتے میں ضروری ہے۔ نی انا کو پس پشت ڈال کر ہی رشتے کو نبھایا جانا چاہیے۔ "کرن کرن خوشبو" ایمن خان، صائمہ مشتاق، تبسم بشیر اور وزیہ ثمر کے انتخاب بہت پسند آئے۔ "یادوں کے ریچے" سب نے بہت اچھا لکھا۔ شکیلہ حسن کی نظم اچھی لگی۔ تبسم شکیل، پاریہ عبدالرؤف" زرینہ خانم، ثانیہ مرید گڈ۔ "نام میرے نام" اقرا امتیاز اور صائمہ مشتاق میرا لکھا پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ فوزیہ ثمر بٹ، ثنا شہزاد آپ کا بھی بہت شکریہ آپ نے میری "یاد" کو پسند کیا، ہاہاہا۔ یرے اندر ایکٹر ہے، ہائے کب باہر نکلے گی۔ مجھے بہت شوق ہے لکھنے کا، کوئی چھوٹی سی کہانی۔ فائزہ بھٹی شکریہ کی کوئی بات نہیں، آتی رہا کریں اور خوش رہیں۔ باقی جو نئے ہیں ان کو ویلکم اور سب نے بہت شاندار تبصرے کیے۔ "کرن کتاب" ہمیشہ کی طرح لاجواب، بہت مفید معلومات حاصل ہوئیں۔ اس ماہ کا خاص مضمون "گڑ" گڑ یا اتنا افادیت سے بھرپور ہے آج پتا چلا، بہت بہت مفید معلومات ملیں، میں تو اپنے اسٹوڈنٹ کو بتاؤں گی کہ گڑ یا کا حلوہ کھائیں تا کہ تم لوگوں کا دماغ تیز ہو۔ ایک دفعہ پھر بہت شکریہ۔ "مجھے یہ شعر پسند ہیں" سب کے شعر بہت بہت اچھے تھے، مجھ سمیت، ہاہاہا۔ "مسکراتی کرنیں" رابعہ، جبینا عائشہ تاج، اقراء، صدف اور ایمن نے بہت ہنسایا۔ "کچھ موتی چنے ہیں" سب موتی بہت قیمتی ہوتے ہیں، میں تو فوراً چننے کی کرتی ہوں۔ پورا کا پورا کرن بہت اچھا اور معلوماتی تھا۔

☆ ماریہ جی! "کرن" سے محبت اور دوستی ہمیشہ قائم رہے۔

حمیرا گل ......ملتان

آداب! اس بار کرن نے بہت زیادہ انتظار کروایا۔ صبح شام شاپ والے انکل کو فون کر کے ان کا بھی سر کھاتی رہی اور گھر والوں کو بھی ہولائے رکھا کہ کرن لیٹ نہ ہو جائے کہیں۔ میکال اور ارسلان فیصل سے ملاقات کے بعد ایمن ہارون کا انٹرویو پڑھا۔ ریڈیو پر پروگرام کرنے کی پرانی خواہش پھر سے انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی۔ نعیمہ ناز "ماضی اور مستقبل" اف تو یہ مستقبل کی اتنی بھیانک تصویر دیکھ کر میں نے تو رب کا شکر ادا کیا کہ ایسا وقت آنے تک ما بدولت دنیا سے کوچ فرما چکے ہوں گے۔ "جوئے عشق" ام ہانی ویری گڈ جی۔ محبت وہی اچھی جو محرم سے کی جائے ورنہ محبت تکلیف اور رسوائی کی سوا کچھ نہیں دیتی اور پھر شبینہ گل آپ کی "اور پھر" پڑھی اور آپ کی ہر "اور پھر" پر لگا کہ جانے کہانی کس طرح مڑ جائے اور پھر ہیپی اینڈ دیکھ کر اچھا لگا۔ فرح انیس کی "میں تیرا ہیرو" ہنستی مسکراتی تحریر تھی۔ ویری نائس جناب۔ کنیزہ زہرہ کے "فلسفہ حیات" کو پڑھ کر بے اختیار دل سے ٹھنڈی آہ نکل گئی۔ کاش انمول کی طرح سب ہی بھابھیاں اپنی غلطی سدھار لیں، مگر یہ تو بس کہانیوں میں ہی ہوتا ہے نا۔ فلک تنویر "سنو دسمبر انہیں ملا دو" میں انہوں نے جیسے ہر کسی کو اس کی محبت سے جدا کرنے کا عہد کیا ہوا تھا، ہاہاہا۔ اتنی تلخی بھی اچھی نہیں ڈیر (کم از کم کہانیوں میں تو نہیں) اس کہانی کا عنوان کہانی سے بالکل بھی میل نہ کھاتا تھا۔ "یادوں کے دریچے" میں اقراء سرور اور زرینہ خانم کا انتخاب بے حد پسند آیا۔ "کچھ موتی چنے ہیں" میں "اماں ابا" پڑھ کر بے حد ہنسی آئی اور "ساس بہو" سے مجھے بھی مکمل اتفاق ہے یہ کارگر نسخہ ہے، کاش اسے ہر گھر میں آزمایا جانا شروع

کردیا جائے۔

☆حمیرا اکمل جی! آپ نے "نامے میرے نام" کی محفل میں شرکت کی، آپ کا تبصرہ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ امید ہے کہ آئندہ بھی آپ اس محفل میں شرکت کرتی رہیں گی۔

زرینہ خانم لغاری...... مظفر گڑھ

"مقابل ہے آئینہ" حسب معمول پسند آیا۔ "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" پڑھی، لگ رہا ہے کہانی بہت اچھی ہوگی۔ "راضی برضا" واہ بھائی موچی کرم دین کو تو بھاگ لگ گئے ویسے موچی، نائی، درزی ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔ حق حلال کی روزی کماتے ہیں۔ "اک رشتہ پیار کا" بہترین کہانی تھی، اگر خاوند اور سسرال قدر نہ کرے تو اسٹینڈ لینا چاہیے۔ "ساگر کنارے" بے چارے عقیل کو ماردیا گو کہ ایسے لوگ معاشرے کا بوجھ ہوتے ہیں لیکن بطور انسان ان کے مرنے کا دکھ ہوتا ہے اس جہاں میں تو ذلیل ہوتے ہیں، نہ جانے آگے کیا حشر ہوگا۔ "خالہ ہماری" پسند نہیں آیا، کیسے شہریوں کو غلط سمجھتی رہیں۔ "شام رنگ سیاہ" سین کے ساتھ کچھ بھی اچھا نہیں ہونے والا۔ کہانی کے نام سے ظاہر ہورہا ہے، شام رنگ سیاہ۔ واہ "پوٹلی پلاؤ" واقعہ مسالے کی پوٹلی ہم بھی پلاؤ میں ڈالتے ہیں، فائزہ رابعہ۔ اسلامی ذہن کی مالک ہیں، ان کی کہانیوں میں کوئی نہ کوئی اسلامی بات ہوتی ہے۔ واقعی یہ آزمودہ ٹپ ہے کہ درود شریف پڑھتے ہوئے کھانا پکایا جائے، مزے دار ہوتا ہے۔ "سرد رات کی برکھا" سب سے نمبر لے گیا۔ لشرح بچی تھی، بھٹک گئی۔ شکر ہے تینوں کو عقل آگئی اینڈ بہترین ہوگیا۔ "اچھی بہو" اچھی عادتوں سے بنا جاسکتا ہے مکاریوں سے نہیں۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" وہ تو ہے غزنی کے بابا راضی ہوگئے ہیں، سب ٹھیک ہوجائے ربیکا جہاں کی۔ وہاں جا کھلوتی ہوگا۔ "تم خوشی کا سائباں" عادتیں، خصلتیں اچھی ہونی چاہئیں، شکل وصورت بنانے میں انسان کا اپنا کوئی کمال نہیں۔ عرشیہ نے اچھا فیصلہ کیا۔ "بند مٹھی" تو رہی بے تکی۔ "کرن کرن خوشبو" یوں تو سارا ہی بیسٹ تھا۔ علامہ اقبال کی ایمان داری نے متاثر کیا۔ "یادوں کے دریچے" سے اچھی اچھی غزلیں پڑھنے کو ملیں۔ "نامے میرے نام" سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم سب کرن بہنیں آدھی ملاقات کررہی ہیں۔ بہنیں افسانوں میں عجیب وغریب نام لکھتی ہیں، ان کے مطالب میں بتادیا کریں، بعض نام اتنے خوب صورت ہوتے ہیں، نوزائیدہ بچوں کے نام رکھنے دل چاہتا ہے لیکن معنی کا پتا نہیں ہوتا، جیسے لشرح، آبعں۔

☆زرینہ جی! "کرن" پر تبصرہ کا بہت شکریہ۔

رابعہ عمر، عائشہ، ردا فاطمہ، پرہ پری تاج...... شہداد پور

تتلی کی طرح اڑتے چلے جاتے ہیں لمحے
پھولوں کی طرح دیکھتے رہتے ہیں انہیں ہم

سب بہنوں کو ہماری طرف سے سال نو مبارک۔ دس دسمبر کو ایک سلم اور اسمارٹ کرن ہاتھ میں آیا۔ پھر سرورق کی شخصیت اچھی تھی۔ "اداریہ" پڑھا بہت زبردست رہا، بہترین نصیحت تھی۔ اس کے بعد "حمد و نعت" سے دل سرشار کیا۔ میکال ذوالفقار، ارسلان فیصل کو پڑھا جو کہ ہمارے فیورٹ اداکار ہیں۔ زرینہ خانم کے جواب لاجواب تھے۔ ایمل رضا کو پڑھا جو نہایت چونکا دینے والے انجام پر اختتام ہوا۔ پیٹرن کا انجام پڑھ کر دل کو سکون ملا، پر سین کو میران ملتا تو اچھا ہوتا۔ خیر کوئی بات نہیں اینڈ اچھا تھا۔ ایمل رضا کو ہماری طرف سے مبارک باد۔ ام ہانی کا "جوئے عشق" پڑھا، فجر کے ماں باپ نے اچھا فیصلہ کیا۔ فجر کی شادی کردی۔ فجر کو بھی عقل آگئی، اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی۔ فلک تنویر "سنو دسمبر انہیں ملادو" کچھ کچھ روایتی کہانی تھی پھر بھی پڑھ کر مزا آیا۔ "فلسفہ حیات" نائس اسٹوری تھی۔ اگر زندگی کے فلسفہ کو سمجھ لیا جائے تو زندگی سہل ہوجائے گی۔ جسے عاشر اور اصول کی۔ "ساگر کنارے" کے لفظ موتی کے مانند لگے، ماحور، موسن کی ملاقات خوب رہی۔ دکھ اور ہنسی میں آخرکار عادل کی شکست ہوئی۔ "میں تیرا ہیرو" اتنے دنوں کے بعد رولنگ افسانہ پڑھنے کو ملا۔ فرح انیس اسی طرح ہمارے لیے لکھتی رہنا۔ "اور پھر" شبینہ گل نے بہت ہی سبق آموز لکھا۔ "ماضی اور مستقبل" نعیمہ ناز پاورفل لکھا۔ آسیہ مرزا نے ہمیشہ کی طرح توقعات سے بڑھ کر خوب صورت ناول پیش کیا۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" جب سے جہانداد کا قصہ آیا ہے تو ناول بور لگنے لگا ہے پلیز کہانی میں ٹوئسٹ لائیے۔ "کرن کرن خوشبو" "ادارہ...

دریچے" میں سب کے انتخاب پسند آئے۔ اپنی محفل "نامے میرے نام" میں پہنچے تو سب کے تبصرہ دلکش تھے جن بہنوں نے "میرا مقابل ہے آئینہ" کے جواب پسند کیے ان کا شکریہ۔ کرن کتاب میں بالوں کی الجھن سلجھائیں، میری تو الجھن دور ہوگئی۔ کسی ایک ٹوٹکے کو آزمانے کی کوشش کریں گے۔ ہم گڑ کھاتے ہیں پر فائدہ کا نہیں پتا تھا۔ فائدہ بتانے کا شکریہ۔ کرن کا دستر خوان اس بار منفرد تھا، بس چھوڑ دیں پچھتانا۔ بھئی ہم نہیں پچھتاتے۔ "کچن اور آپ" میں اقرا کے جواب پسند آئے۔ صحت کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا۔ "مسکرائی کرنیں" مجھے یہ شعر پسند آئے" شان دار لگے۔ میرا جو نام تھا، سمجھا کریں۔" "کچھ موتی چنے ہیں" سب کے بکھرے موتی اچھے لگے۔

صائمہ مشتاق، اقرا امتیاز...... سرگودھا

ہماری طرف سے سب رائٹرز، ریڈرز اینڈ کرن اسٹاف سب کو نیا سال مبارک ہو۔ حمد اور نعت ہمیشہ کی طرح جھوم جھوم کر پڑھی۔ میکال ذوالفقار سے ملاقات اچھی لگی۔ صباء فیصل کے بیٹے ارسلان فیصل کی بھی سنی' آواز کی دنیا سے ایمن ہارون کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ "مقابل ہے آئینہ" میں زرینہ خانم کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" دوسری قسط بھی جان دار رہی۔ کیا ارسلہ کی شادی آبص سے ہوجائے گی لیکن آبص تو کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ نگہت عبداللہ کا "ہوائیں رخ بدل گئیں" کیا شہرینہ کا ہیرو جہانداد ہوگا۔ اب ربیکا بھی تھوڑی عقل کرے اور حمزہ کی قدر کرے۔ ام طیفور کا "ساگر کنارے" زبردست قسط تھی، اگلی قسط میں ماحور اور موسن کی شادی ہوجائے گی۔ سالک پاشا اور ابرش کی شادی ہوگی، آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ فلک تنویر کا مکمل ناول "سنو دسمبر انہیں ملادو" نمبر ون رہی۔ ام ہانی کا "جوئے عشق" عینان کو فجر کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ شکر ہے فجر کو ابرار سے اچھا ساتھی مل گیا، بہت اچھا ناول تھا۔ نعیمہ ناز کا "ماضی اور مستقبل" بہت بیسٹ لگا۔ فرح انیس کا افسانہ "میں تیرا ہیرو" بھی اچھا تھا۔ کرن کرن خوشبو میں تبسم بشیر حسین کا بیسٹ لگا۔ "نامے میرے نام" میں سب نے خوب تبصرہ کیا۔ کرن کتاب اور آپ "اقراء سروے" کے کچن کی سیر کی اچھا لگا۔ کرن کا دستر خوان کھاؤ سے پسند آیا۔ مسکرائی کرنیں میں جیت یا ہار جیبینا کا پسند آیا۔" کچھ موتی چنے ہیں" ماریہ نذیر بھاگٹا نوالہ کا "تعریف" اچھا لگا۔ فائزہ جی کہاں غائب ہے، ثناء فوزیہ ثمر بٹ سب کو سلام۔

☆ صائمہ اور اقراء جی کرن کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔

صفیہ رانی...... مہار شریف چشتیاں

سب سے پہلے تمام رسالے پڑھنیوں (آئی مین قارئین) کو محبت بھرا اور پیار کی حدت سے بھرپور سلام۔ بندہ خاکسار کو بھی آج عجیب سا ولولہ چڑھا کہ دس منٹ کی جدوجہد کے بعد پنسل ڈھونڈ کر اور میری ذاتی لائبریری جو کہ خالی منہ چڑاتی رہتی ہے (بھئی ناولوں کا جو کال ہے) اس سے بڑی مشکل سے خال فولڈر دریافت فرما کر خط لکھنے پر خود کو مجبور پایا۔ ذہن کی صدائیں آرہی ہیں کہ نہ تم لاہور کے قرب و جوار نرسریوں کی جنت "پتوکی" کی فائزہ بھٹی ہو اور نہ بھاگٹا نوالہ کی چراغ چشم ماریہ نذیر کہ تمہارے خط کو سمندر کی تہوں میں ڈوب ڈوب کر نکالے ہیرے جیسی قیمتی کرن میں جگہ مرحمت فرمائی جائے گی، مگر یہ جو دل ہے ناں یہ اپنی سنا رہا ہے کہ اگر سال نو کی خاموش ذہین فطین اور حسین قاری کو جگہ نہیں ملتی تو آخر ملنی کسے ہے۔ راہ رلدے شاکر کنگن ہاں بھانویں ہتھ وچ پا بھانویں پیر وچ پا" اب فیصلہ آپ پہ چھوڑا۔ تو جی سب سے پہلے رخ روشن کو موڑتے ہیں تبصرے کی طرف۔ اور ایسے پڑھنے والوں سے ہوجاتی ہے، اندھا دھن محبت بنا دیکھے بنا جانے۔ سب سے پہلے تو جو پہلے صفحے پر لڑکی کھڑی ہے ناں انور صاحب کی کاوش مجھے یہ ٹائٹل گرل سے بھی چار قدم زیادہ پیاری لگی ہے۔ اس کی ڈریسنگ، ایئررنگز اور خاص طور پر چہرے کی معصومیت زبردست۔ ویسے مجھے آج تک یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ تصویریں بنتی کیسے ہیں۔ سب سے پہلے حمد و نعت پڑھی پھر میکال صاحب سے ملاقات کا وقت نکالا۔ بس ٹھیک ہی رہی یہ ملاقات بھی اور ارسلان فیصل کے بارے میں تو کبھی گمان بھی نہیں تھا، یہ صبا فیصل کے صاحبزادے ہیں۔ ویسے اس تصویر میں یہ ان کی ماں تو کہیں سے لگ ہی نہیں رہیں، ایسے لگ رہا ہے جیسے...... جیسے......؟ ہا ہا ہا "مقابل ہے آئینہ" زر...

خانم سے مل کر اچھا لگا، بہت سی باتیں ہماری سیم سیم ہی ہیں زرینہ جی۔ "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" ویلکم آسیہ جی۔ اچھی اسٹوری لگ رہی ہے، سکندر کا کردار بہت پسند آرہا ہے۔ خوش اخلاقی کی تخ بات ہی جانے والا بے ریا بالکل میرے منگنی جیسا۔ فائزہ جی۔ شاہ زین جیسے مرد ہمیں سے امپورٹ نہیں ہوتے۔ بس نصیب سے ملتے ہیں اور مجھے ناز ہے اپنے نصیب پر اور آپ کے لیے میں بہت سی دعا کروں گی کہ کہیں ٹکرا جائیں آپ کو ہمیشہ کے لیے، آمین۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" سچی بتاؤں مجھے پسند نہیں۔ بس کرن میں ہے اس لیے پڑھ لیتی ہوں۔ "جوئے عشق" زبردست اسٹوری۔ ام ہانی کمال کا لکھا آپ نے، واقعی آج کل ہر رشتہ خود غرض بن چکا ہے۔ "سنو دسمبر انہیں ملادو" اور دیکھ لیں دسمبر نے انہیں ملا دیا۔ اب تو مان لیں کہ دسمبر ظالم نہیں ایویں بے چارے پہ طرح طرح کی بہتان تراشی کی جاتی ہے۔ میرا بس چلے تو سال میں چھ ماہ تو دسمبر آیا کرے ٹھنڈ سمیت۔ "فلسفہ حیات" بس ٹھیک رہی، کوئی خاص مزا تو نہیں آیا۔ ہاں پیغام ضرور سمجھ لیا۔ افسانے سارے اچھے لگے خاص طور پر "میں تیرا ہیرو"۔ تو کسی اداس روگی کو پڑھوا دیا جائے تو اس کا بھی موڈ بحال ہو جائے۔ یہ تو ہم تھے کہ جو کھی کرنے کا بہانہ چاہیے۔ ایمل رضا بہت بہت مبارکاں۔ "شام رنگ سیاہ" جان دار تحریر، مدتوں یاد رہے گی۔ بس یہ سوچ کر دل اداس ہو گیا کہ اس کے بغیر کرن کتنا سونا سونا لگے گا نا۔ میران کی موت کا تو دکھ بنتا جو تھا مگر سچی بتاؤں مجھے ایڈم پیٹرسن کے مرنے کا بھی افسوس سا ہوتا رہا۔ اسے اینڈ پر اچھا بن جانا چاہیے تھا، کیا تھا جو تھوڑا سدھر جاتا کیونکہ کچھ نہ کچھ انسانیت تو اس میں باقی تھی۔ بس اسے ماحول اور تربیت ایسی ملی کہ وہ ایسا بن گیا۔ سین نے دل خوش کر دیا حانک کو اپنا کر۔

اب ہم اب آتے ہیں کہ رسالے کی آن بان جان شان ہماری ڈیر سویٹ اور بہت ہی دل عزیز اور پیاری کھٹی میٹھی ام طیفور کی طرف۔ اگلی قسط میں سالک ابرش کا اور مومن ماحور کا ہو جائے گا۔ یہ میری ٹیلنٹڈ بہن سائرہ رانی کی پیشن گوئی ہے اور اس میں میرا اضافہ یہ ہے کہ باقی سب کو خبر ہوگی سوائے ماحور اور مؤمن کے کہ ہماری شادی ہو رہی ہے۔

☆ صفیہ جی! آپ پہلی مرتبہ "نامے میرے نام" کی محفل میں شریک ہوئیں، بہت خوشی ہوئی۔ دلچسپ اور بھرپور تبصرہ پڑھنے کو ملا، بہت اچھا لگا۔ امید ہے کہ آپ اب مستقل ممبر بنیں گی اس محفل کی۔ آپ 327726617 پر رابطہ کیجیے، آپ کو اپنے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔

نورین مشتاق انصاری......تلہ گنگ

آپ کا شمارہ "ماہنامہ کرن" پچھلے پانچ سالوں سے باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں مگر خط شائع فرما کر میری حوصلہ افزائی کریں گی۔ "کرن" کے تمام سلسلے ہی بلاشبہ قابل تعریف ہیں۔ ہر شمارے کے لیے تحریروں کا انتخاب نہایت موزوں ہوتا ہے۔ اس ماہ کی کرن کی تمام تحریریں حسب سابق بہترین تھیں لیکن سب سے اچھوتی تحریریں "شام رنگ سیاہ" اور "ساگر کنارے" ہیں۔ میں ان دو تحریروں کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ شاہین رشید سے درخواست ہے کہ سجل علی اور عثمان خالد بٹ کا انٹرویو ضرور شامل کریں۔ آخر میں کرن شمارے کے لیے بہت سا پیارا اور دعائیں۔

☆ نورین جی! "نامے میرے نام" کی محفل میں خوش آمدید۔ امید ہے کہ آئندہ بھی بھرپور تبصرے کے ساتھ شامل ہوں گی۔ کہانیاں آپ ہمیں ای میل بھی کر سکتی ہیں اور پوسٹ بھی کر سکتی ہیں، جیسے یہ خط پوسٹ کیا ہے۔

اسما شریف......وہاڑی

میں پہلی دفعہ "نامے میرے نام" میں شرکت کر رہی ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ میرے دل میں خوف پیوست ہے کہ آپ میرا خط شائع نہیں کرو گے کیونکہ بقول میری آپی آپ صرف پرانی قاریوں کے خط اور پرانی رائٹرز کی کہانیاں ہی شائع کرتے ہیں مگر میں نا امید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ رائٹر بننا میرا خواب ہے۔ میری ذاتی طور پر لکھی ہوئی کہانیاں میرے پورے کالج سرکل میں مشہور ہیں۔ سب کی نظروں میں میرا ایک نام اور مقام ہے۔ پلیز آپی میں اپنا کیریر آپ کے ڈائجسٹ سے شروع کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے مایوس مت

کیجیے گا اگر آپ میرا خط شائع کردو تو میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔

☆ اساتی! ایسا بالکل بھی نہیں ہے کہ ہم پرانی رائٹر یا پرانے قارئین کے خط شائع کرتے ہیں۔ آپ کا خط ہمیں موصول ہی نہیں ہوا اس لیے ہم شائع نہیں کرسکے۔ دیر سے ملنے والا خط بھی اگلے ماہ شائع کردیے جاتے ہیں۔ رجسٹری کرانا ضروری نہیں ہے۔

مریم یونس...... سکھیکی

سرورق ماڈل بہت پیاری گی۔ پھر مڑے اداریے کی جانب، جس میں تھا ہر بندے کا عام مسئلہ برداشت کی کمی۔ مدیرہ نے بالکل ٹھیک کہا کہ ہم کسی کی سننے کے بجائے اپنا موقف درست ثابت کرنے کے لیے کسی پر الزام تراشی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ بس جی اس کے بعد میں بھاگی اندھا دھند اور بریک لگی جا کے "ساگر کنارے"۔ شروع میں جان ہی نکل گئی جب پتا چلا کہ گولی مومن کو لگی ہے لیکن مومن کی زندگی بچ گئی، یہ جان کر خوشی ہوئی۔ عادل پاشا کو بھی اچھی سزا مل گئی ہے۔ وادا کی مثالیں اور شاویز کے چٹکلے بہت ہنسی آئی پڑھ کر۔ ام مثنور آپی ویل ڈن بہت ہی زبردست ناول ہے لیکن ایک بات کا خیال رکھیے گا اینڈ ہماری مرضی کے مطابق اچھا ہو۔ جناب پھر پڑھا آخری قسط "شام رنگ سیاہ" ربیکا کا عیسیٰ واپس آ گیا اور بین کا عیسیٰ کھو گیا۔ مجھے میران کے مرنے کا دکھ عمر بھر رہے گا اور ایڈم کی سزا کیا زندگی ختم سزا ختم (سزا کم کم لگی)۔ "جوئے عشق" ام ہانی کا زبردست ناول تھا۔ عینان نے خودغرضی دکھائی اور فجر کو بے عزت کردیا اس کی ماں کے سامنے۔ واقعی کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ "فلسفہ حیات" کنیز زہرہ کا ایک اچھا ناولٹ تھا۔ عجوہ اچھی سوچ کی مالک تھی جس نے نا صرف باقر کو قبول کیا بلکہ انمول اور عاشر کو فلسفہ حیات بھی سمجھا دیا۔ "سنو دسمبر انہیں ملا دو" شہرام کے ساتھ بہت برا ہوا یہ کہانی بھی پسند آئی۔ افسانے تینوں ہی کمال تھے مگر افسوس کہ تین تھے (مطلب کم تھے) اس بار کے شمارے میں افسانے کم تھے۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت جی شہرینہ کو صرف

پاس اور بے ربیکا اب نیا کیا کرنے جارہی ہے؟ یہ قسط بھی خوب کی تھی۔ "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" ہمیشہ کی طرح یہ قسط بھی شاندار رہی بس محمد علی ظفر کے بغیر مسکراتا شخص کہیں روگ نہ لگا لے۔

مستقل سلسلے سارے ہی کمال تھے (ہمیشہ کی طرح)۔ مجھے یہ شعر پسند ہے میں نذیرہ عریف، یاسمین کنول، بینش مدثر اور ماہا بشیر کی شعر پسند آئے۔ "یادوں کے دریچے" سے آپی مہک سرور کردی تھی سب کی یادیں ہی زبردست تھیں۔ بیوٹی ٹپس ہے، مسکرانی کرنیں، کرن کرن خوشبو، صحت اور بیوٹی باکس سب سلسلے ہی بیسٹ تھا ایک دم پرفیکٹ۔

"میں اور آپ" میں اقراء سرور کے جوابات بھی خوب کے تھے۔ سب کچھ پڑھ کر تھوڑی سی ملاقات کی میکال ذوالفقار سے۔ میری بھی سنیے اور مقابل ہے آئینہ بھی اچھا تھا۔ اس ماہ کا کرن مکمل ہی بہت زبردست تھا (ہمیشہ کی طرح)۔

☆ مریم جی! آپ نے پہلی بار "نامے میرے نام" کی محفل میں شرکت کی، خوش آمدید۔ خط صرف ہمیں موصول نہ ہونے کی وجہ سے شائع نہیں ہوتا۔ امید ہے کہ اب آئندہ بھی ہمیں اپنی قیمتی رائے سے نوازتی رہیں گی۔

ماہا بشیر حسین ---- ڈنگہ

"دسمبر" یعنی سال کا آخری شمارہ 15 کو ملا۔ ٹائٹل گرل خاص پسند نہیں آئی۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا، اس کے بعد "حمد و نعت" سے دل و دماغ کو منور کیا۔ انٹرویو میں میکال ذوالفقار سے ملاقات کی، تھوڑی مغرور معلوم ہوتے ہیں۔ خیر چھوڑیں ہمیں کیا؟ پھر آگے بڑھے تو ارسلان فیصل کہہ رہے تھے کہ "میری بھی سنیے" ان کی بھی سن لی جو کہ اچھی ہی لگی۔ "آواز کی دنیا" کو نظر انداز کیا اور آئینے کے مقابل آئے۔ یہاں سے زرینہ خانم سے ملے، ان کے جواب سادے اور اچھے لگے۔ سلسلہ وار ناولز سے تو مجھے سخت چڑ ہے، تو پہلے ام ہانی کا "جوئے عشق" پڑھا جو کہ اچھا ہی لگا۔ دوسرا مکمل ناول "سنو دسمبر انہیں ملا دو" تو یہ اتنا لمبا نام خیر کہانی اچھی تھی، ویری گڈ۔ ناولٹ "فلسفہ

دفعہ صرف تین تھے، جن میں سے دو بس اچھے تھے جبکہ فرح انیس کا ''میں تیرا ہیرو'' پسند آیا۔ ''کرن کرن خوشبو'' میرا فیورٹ سلسلہ ہے پر مجھے اس میں کبھی جگہ نہیں ملی، چلیں امید پہ دنیا قائم ہے۔ ''کرن کتاب'' ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی۔ ''نامے میرے نام'' میں اقراء سرور کی کمی محسوس ہوئی، جبکہ فائزہ بھٹی اور ماریہ نے اے ون لکھا۔ ماریہ نذیر کو میری طرف سے بھی سالگرہ مبارک ہو۔ آخر میں گزارش ہے کہ یا تو آواز کی دنیا والا سلسلہ ختم کریں یا ایکٹر کے انٹرویو کا ایک سلسلہ کم کرتے ہوئے رائٹرز کے انٹرویو کا سلسلہ رکھیں۔ ہمیں رائٹرز کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے۔

☆ ماہا جی! آپ کے مشورے پر ضرور غور کریں گے۔ خط لکھنے کا شکریہ۔

تبسم بشیر حسین.....ڈنگہ

پیاری مدیرہ آپی السلام علیکم! میری طرف سے آپ کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ کرے نیا سال کرن اور اس سے جڑے تمام لوگوں کے لیے خوشیوں کا باعث ہو۔ میری امی کی طبیعت بھی بہت خراب رہنے لگی ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ کر جاتی ہیں۔ صحیح کام میں بھی سو عیب نکالتی ہیں، کچھ دنوں سے تو چلنا بھی نہیں ہو رہا۔ واش روم وغیرہ میں اٹھا کر لے جانا پڑتا ہے، آپ سے اور آپ کے ادارے کے تمام افراد سے گزارش ہے کہ میری امی کی مکمل صحت کے لیے دعا کریں، ہمارا ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس دفعہ کرن حسب معمول 15 کو ملا، ٹائٹل گرل مسکراتی ہوئی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ حسب معمول سب سے پہلے اداریہ ہی پڑھا، جس میں آپ سے سو فیصد اتفاق کیا۔ گھر کی پریشانیوں اور پڑھائی کی وجہ سے میں پورا کرن نہیں پڑھ سکی، سو معذرت جتنا پڑھا اتنا ہی سہی۔ حمد و نعت، دل و روح کا سکون رہی۔ میکال ذوالفقار سے ملاقات ادھوری سی لگی۔ دیا سلسلہ وار ناول ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' جتنا خوب صورت نام ہے، اتنا ہی خوب صورت ناول ہے۔ مجھے ایسے ناولز بہت اچھے لگتے ہیں جس میں شاعری کا استعمال ہو، سو تمام رائٹرز سے گزارش ہے کہ کہانیوں میں شاعری کا استعمال

گئیں'' قسط ہر دفعہ کافی مختصر ہوتی ہے۔ یہ میرا فیورٹ ناول ہے، بس نگہت سے گزارش ہے کہ قسط طویل لکھا کریں۔ مکمل ناول میں صرف ''سنو دسمبر انہیں ملا دو'' پڑھا ہے جو کہ بے حد پسند آیا، دیری گڈ۔ فلک تنویر ایسے ہی لکھتی رہیں۔ ''شام رنگ سیاہ'' ختم ہو گیا، اب آرام سے ساری اقساط پڑھوں گی، مبارک ہو ایمل کو۔ کرن کرن خوشبو سے ماریہ نذیر، صائمہ مشتاق، فوزیہ ثمر اور خوشی نے زبردست لکھا۔ ''یادو کے دریچے'' سے ماریہ نذیر، ثانیہ مرید، اقراء سرور نے دل کے تار چھو لیے۔ ''نامے میرے نام'' میں فوزیہ ثمر، اقراء سرور، ماریہ نذیر، ثناء شہزاد اور فائزہ بھٹی کو دل چاہتا ہے کہ بہترین تبصرہ نگار کا ایوارڈ دے دوں، یہ سب اتنا اعلا تبصرہ کرتی ہے کہ اپنا تبصرہ ادنیٰ سا لگتا ہے۔ پلیز میری رائے ان سب تک پہنچا دیں۔ کرن کتاب کا ٹائٹل ختم کیوں کر دیا، اچھا لگتا تھا۔ بیوٹی بکس بالوں کے متعلق کافی معلوماتی رہا۔ اس کے علاوہ مجھے ''بس چھوڑ دیں پچھتانا'' والا مضمون بے حد پسند آیا۔ اقرا سرور کا کچن بھی پسند آیا۔ اقراء آپ مجھے بہت پسند ہیں، اللہ آپ کو خوش رکھے، آمین۔ ''مجھے شعر پسند ہے'' عائشہ ناچ، جینا، ماریہ نذیر، خوشی، ردا فاطمہ، نمرہ اقراء، بینش مدثر اور نادیہ کے اشعار پسند آئے۔ مسکراتی کرنوں سے رابعہ ناچ، صدف سمیع اور ایمن اقبال نے اچھا لکھا۔ کچھ موتی چنے ہیں، اس دفعہ پورا کا پورا پسند آیا۔

☆ تبسم جی! سب سے پہلے تو آپ نے یہ کیوں کہا کہ آخری خط ہے۔ یہ تو ناراضی والی بات کی ہے آپ نے۔ مقابل ہے آئینہ، اب دوبارہ بھجوا دیں، وہ نہیں ملا۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کی امی کو اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

سونیا رائے.....حافظ آباد

سب سے پہلے بات کرتے ہیں سرورق پر براجمان ماڈل کی، جس میں دسمبر والی کوئی جھلک ہی نظر نہیں آئی تھی، البتہ ماڈل خوب صورت تھی۔

اس کے بعد ''حمد و نعت'' پڑھے بغیر ہی لگائی لونگ جمپ اور پہنچے ''ساگر کنارے'' ام طیفور جی پچھلی قسط میں تو

اچھا رہا اور قسط بھی جاندار تھی۔ کہانی پڑھتے ہوئے کافی بار اداس بھی ہوئے اور جب ہنسنے کی باری آتی تھی تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ بھی ہوئی۔ میری طرف سے سیلوٹ ہے آپ کو۔ اس کے بعد حمد و نعت پڑھی، دل جھوم اٹھا۔ الفاظ دل کو چھو جانے والے تھے اور روح کو مسرور کر دینے والے تھے۔ "شام رنگ سیاہ" بھی سوسو تھا۔ جتنا شاندار ناولٹ تھا اور جتنی امیزنگ اسٹوری چل رہی تھی، اینڈ تک حسب توقع نہ ہوئی۔ ایڈم کی سزا سے دل مطمئن نہ ہوا۔ عیسیٰ کون تھا حیران کر گیا۔ اب ہم اس سے کنفیوژ ہو گئے ہیں کہ اسٹوری کا ہیرو کس کو سمجھیں، میران، ایڈم یا جائنگ کو۔ باقی اسٹوری باکمال تھی۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" میں واقعی ہوائیں رخ بدل چکی ہیں۔ اب دیکھتے ہیں، نگہت جی کب معاملات سمیٹنے کا سوچتی ہیں۔ "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" میں ارسلہ کا رویہ خوف زدہ کر دینے والا ہے۔ اس کے خوابوں کا کیا بنتا ہے، خدا جانے۔ ہمیں تو لگتا ہے محبت کی دیوی سکندر سے روٹھ جائے گی کیونکہ ارسلہ ٹھہری دولت کی پجاری۔ فلسفہ عشق جاننے کے لیے پڑھا "جوئے عشق"، جس کی وجہ سے آنکھوں سے انمول موتی پلکوں سے لڑھک گئے۔ نجانے کب یہ اعلان سننے کو ملے گا کہ عینان جیسی عورتیں دنیا سے ناپید ہو چکی ہیں۔ "سنو دسمبر انہیں ملا دو" میں یہ سبق سیکھنے کو ملا کہ ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ جس کا ہمیں اس وقت تک اندازہ نہیں ہوتا جب تک یہ وقت ہمیں یاد نہ کروا دے۔ "فلسفہ حیات" بہت امیزنگ اسٹوری تھی۔ بہت اسٹرونگ تھیم چنا ہوا تھا اور انرجیٹک کریکٹر بھی اور سب سے بڑھ کر عورت کی ول پاور کو امپروو کیا گیا تھا۔ افسانے سب ہی اچھے تھے، کسی ایک کی تعریف کرنا ناانصافی ہوگی۔ بیوٹی باکس میں بالوں کی الجھنیں اگر خود بخود سلجھ جائیں کیونکہ اگر میں غلط نہیں ہوں تو زندگی کی الجھنیں بالوں کی الجھنوں سے بہت مشابہت رکھتی ہیں (سدا خوش رکھیں)۔ "صحت" کے بارے میں پڑھا ضرور مگر خیال رکھنا ذرا مشکل مرحلہ ہے۔ ہم جیسوں کے لیے (لاپروا جو ٹھہرے)۔ گڑ کی بھی بہت سی افادیت سامنے آئی، جان کر اچھا لگا۔ ٹوٹکے اپلائی ضرور کریں گے (بشرط توفیق)۔ "معاشرتی اور نفسیاتی حل" پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ بہت زیادہ رہنمائی ملی (بہت شکریہ)۔ "کچن اور آپ" میں اقراء سرور کے جوابات بھی اچھے تھے۔ شہد کے بارے میں بہت سی مفید معلومات سامنے آئیں جن سے ہم پہلے بے خبر تھے۔ سردیوں کی اشد ضرورت شہد زندہ باد۔ "کرن کا دستر خوان" کچن سے دلچسپی نہ ہونے کی وجہ ہر بار کی طرح ایسے ہی چھوڑ دیا البتہ سسٹر نے ضرور پڑھا۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" میں نے انتصی ناصر اور بالخصوص بینش مدثر کے اشعار دل کو چھو گئے۔ "مسکراتی کرنیں" میں سے جینا اور ایمن اقبال وجہ مسکراہٹ بنے۔ "کچھ موتی چنے" تو ہے ہی فنٹاسٹک سلسلہ، کرن کرن خوشبو سمیت......

اس کے لیے کس کو چنیں کس کو چھوڑیں
میرا خیال ہے اس بات کو چھوڑیں

"یادوں کے دریچے" سے ثانیہ مرید اور بالخصوص زرینہ خانم کی کاوش اچھی لگی۔ "نامے میرے نام" میں تمام قارئین کے تبصرے اچھے لگے۔ اگلی بار تو نامے میرے نام کو چار چھوڑ سولہ چاند لگے ہوں گے، اگر میرا نام جگمگایا تو ورنہ......سونیا جی! "کرن" کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔

آسیہ منیر......ضلع بھکر

ہمیشہ کی طرح اس ماہ بھی رسالہ بہت دیر سے ملا کہ انتظار کر کے بے حال ہو جاتے ہیں۔ خیر جیسے رسالہ ہاتھوں میں آیا یوں لگا اس کہر اور سردی میں دھوپ کی کرن پڑنے سے زندگی میں جان آ گئی۔ جلدی سے ٹائٹل گرل کو دیکھ کر تعریفی جملے ادا کرتے ہوئے حمد و نعت سے روح کو منور کیا۔ میکال ذوالفقار اور ارسلان فیصل کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی شوق سے انٹرویو پڑھا کیونکہ کامیاب لوگوں کی باتیں سننا پڑھنا اچھا لگتا ہے کہ شاید ان کی کوئی کام کی بات ہمارے کام آ جائے کیونکہ ہم بھی خود کو مستقبل کی بہت بڑی رائٹر کے روپ میں شیخ چلی والے خواب دیکھنے سے نہیں روک سکتے چونکہ اس بار "نامے میرے نام" میں شرکت کرنا تھی اس لیے بس ابھی تک ایک مکمل ناول ام ہانی صاحبہ کا مکمل ناول "جوئے عشق" پڑھ پائے جو کمال کا لگا اور ایک افسانہ "میں تیرا ہیرو" پڑھ کر تھوڑا ریلیکس ہوئے۔

☆ آسیہ جی! ''نامے میرے نام'' کی محفل میں خوش آمدید۔ افسانے کے بارے میں آپ ''کرن'' کے نمبر پر فون پر معلوم کیجیے گا۔

شاہ شہزاد..... کراچی

سرورق پر ماڈل دھیمی مسکان کے ساتھ اچھی لگی۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا جس میں ہر بات سو فیصد درست تھی۔ اپنا محاسبہ ہر انسان کو لازمی کرنا چاہیے تاکہ پتا چلے کہ ہم کہاں غلط ہیں کہاں صحیح ہیں۔ میکال ذوالفقار، ارسلان فیصل۔ ایمن ہارون کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ ''مقابل ہے آئینہ'' میں زرینہ خانم کے جوابات اچھے لگے۔ آسیہ مرزا کے ناول ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' کی دوسری قسط پڑھی جس میں اس راز سے پردہ اٹھ گیا کہ روی اور اس کی ماں ارسلہ کو اپنے بیٹے آبص کے لیے پسند کر چکے ہیں۔ نعیمہ ناز نے اپنے افسانے ''ماضی اور مستقبل'' میں مستقبل کا جو نقشہ کھینچا وہ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آنے والے سالوں میں زندگی کیسی ہوگی۔ ام ہانی کا مکمل ناول ''جوئے عشق'' پسند آیا۔ یہ محبت وحبت کچھ نہیں ہوتی، لڑکیوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ پاک جس شخص کو اس کے نصیب میں لکھ دے، اس کے ساتھ ہمیشہ ہر طرح سے وفادار رہے۔ شبینہ گل میری پسندیدہ رائٹر ہیں کیونکہ وہ حقیقت سے قریب تر اور سچائی پر مبنی کہانیاں لکھتی ہیں۔ ''اور پھر'' ان کا افسانہ بہت پسند آیا۔ شبینہ آپی سے مکمل ناول لکھوائیں۔ ''شام رنگ سیاہ'' میں ایمل رضا نے بہت خوب صورتی سے اختتام کیا۔ ویل ڈن، بہت بہت مبارک باد۔ اتنا شاہکار ناول پیش کرنے پر۔ فرح انیس کی تحریر ''میں تیرا ہیرو'' بہت کمال کی تھی۔ ایسی تحریریں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، ہلکی پھلکی اور مزاحیہ ٹچ کے ساتھ جس میں سبق بھی ہوتا ہے۔ ام طیفور ''ساگر کنارے'' کا بھی اب اچھا سا پی اینڈ کر دیں۔ کنیز زہرہ نے اپنا ناولٹ ''فلسفہ حیات'' بہت عمدہ لکھا۔ نگہت عبداللہ کے ناول ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' کے چیپٹرز بہت کم ہوتے ہیں، ایک مہینہ انتظار کرنے کے بعد اتنا سا پڑھنے کو ملتا ہے، تشنگی رہ جاتی ہے۔ ''سنو دسمبر انہیں ملا دو'' فلک تنویر کے ناول کا نام بہت پسند آیا۔ کہانی بھی اچھی لگی۔ ''کرن کرن خوشبو'' میں سب کا انتخاب لاجواب تھا۔ کرن سے میری محبت کا عالم تو آپ لوگوں کو پتا ہی ہے۔ ہر مہینے کرن کو میرے خط موصول ہوتے ہیں۔ کرن کے توسط سے اتنی پیاری پیاری قاری بہنیں مجھے مل گئیں، جنہیں میرے نا ہونے پر کمی محسوس ہوتی ہے۔

☆ شاہ جی! کرن کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ صرف قاری بہنیں ہی نہیں ہم بھی آپ کے نا ہونے پر کمی محسوس کرتے ہیں۔

روشی نور..... ضلع اٹک

میں آپ کی خاموش قاری ہوں، میں نے قلم اٹھایا ہے صرف اور صرف اپنی پیاری ام طیفور جی کے لیے۔ ام طیفور جی آپ کو میرا اسلام، میرا دل بھی آپ کو سلام پیش کرتا ہے۔ ''ساگر کنارے'' بہت بہت ہی اچھی کہانی ہے۔ میں سب رائٹرز کو سلام کہتی ہوں اور میری دعا ہے اللہ ان کو خوب ترقی عطا فرمائے اور خاص کر میری پیاری معزز قاری بہنوں کو بھی سلام۔ میری شادی ہونے والی ہے اور میری ذرہ برابر بھی رضامندی نہیں ہے، میرے لیے یہ دعا فرمائیں کہ آسانیاں ہوں۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ کرن، شعاع پڑھنا اور ام طیفور کو سچ میں ملنے کی بہت خواہش ہے۔ پلیز ان کا انٹرویو لیں۔ ایمل رضا جی، رخ چوہدری صاحبہ بھی پسند ہیں۔ ان کو بھی میرا ڈھیروں پیار بھرا اسلام۔ میں نے ابھی تک نومبر دسمبر کا رسالہ نہیں پڑھا۔ مجھے نہیں ملا، ان پہ بھی تبصرہ کروں گی اگر یہ خط شائع ہوا تو آگے بھی میں ضرور آپ خدمت میں دو بول پیار کے پیش کیا کروں گی۔ میری بہت خواہش ہے آپ کے ادارے آؤں۔ گیارہ سال سے میں مستقل آپ کی قاری ہوں، سوتیلی والدہ ہے۔ بڑا ہی نصیب خراب ہے ہمارا تو۔ بس آپ کی دعائیں ساتھ ہونی چاہئیں۔

☆ روشنی جی! ہمارے ادارے کے تمام ارکان کی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی آئندہ آنے والی زندگی کو خوشیوں سے بھر دے، آمین۔ بلاوجہ کے خوف اور وسوسے دل میں نہیں پالیں۔ اللہ بہتر کرے گا، ان شاء اللہ۔

☆☆